ماہنامہ
حنا
فروری 2019





قارئین کرام! فروری 2019ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

سانحہ ساہیوال جس میں کاونٹر ٹیررازم ڈیپارٹمنٹ کے اہلکاروں نے دن دہاڑے ایک کار میں سوار افراد کو دہشت گرد قرار دیتے ہوئے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا، ملک میں پولیس گردی بدترین مثال ہے۔ پولیس نے اپنے چیٹی بھائیوں کی سفاکیت کو چھپانے کے لئے چار مرتبہ اپنا موقف تبدیل کیا۔ بعض تجزیہ کار اس سانحے کو سانحہ ماڈل ٹاؤن سے بھی تشبیہ دے رہے ہیں کہ اس میں بھی پولیس نے سفاکی سے فائرنگ کر کے خواتین سمیت کئی افراد کو مار ڈالا تھا۔ ساہیوال میں بھی اسی طریقے سے دہشت گردی کا صفایا کرنے کے نام پر ایک خاندان کا صفایا کر دیا گیا۔ حکومت کا تازہ موقف ہے کہ گاڑی میں سوار خاندان تو بے گناہ تھا مگر کار ڈرائیور ذیشان داعش کے لئے کام کر رہا تھا اور یہ آپریشن ٹھوس شواہد اور مکمل معلومات کی بنا کر کیا گیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جب گاڑی میں سوار افراد سرنڈر کرنے پر تیار تھے تو ان پر گولیاں یا کیوں چلائی گئیں؟ کیا ان کو زندہ گرفتار کرنا بہتر نہ تھا؟ لگتا ہے کہ پولیس اہلکار سمجھتے تھے کہ وہ جو چاہے کر سکتے ہیں اور وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ اس سانحہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کہنے کو تو پاکستان میں قانون کی حکمرانی ہے مگر عملی طور پر یہاں جنگل کا قانون ہی چل رہا ہے۔ لوگ اس معاملے میں چیف جسٹس آصف سعید کھوسہ سے سوموٹو نوٹس لینے کی توقع کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ملک میں قانون کی حکمرانی اور بنیادی انسانی حقوق پاسداری ہو تو سوموٹو نوٹسز کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ وزیراعظم عمران خان خود انسانی حقوق کی پاسداری کے علمبردار ہیں وہ ڈرون حملوں میں عام شہریوں کے مارے جانے پر شدید نکتہ چینی کرتے رہے ہیں کہ یہ غیر انسانی ہیں، اب اس بارے میں عملی طور پر وہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ اس حوالے سے یہ سانحہ ان کے لئے ٹیسٹ کیس ہے۔

اس شمارے میں:۔ اُم مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناول، بشریٰ ماہا، قرۃ العین سکندر اور دُرشن بلال کے مکمل ناول، بشریٰ سیلا اور سعدیہ عابد کے ناولٹ، ثمینہ طاہر بٹ، نادیہ جہانگیر اور قرۃ العین رائے کے افسانوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود



کرتا ہے اہل درد کی دل بستگی وہی
دیتا ہے ظلمتوں میں ہمیں روشنی وہی

اک صادق وامیں نے ہمیں جس کی دی خبر
ہاں ہاں وہی خدائے احد ہے وہی وہی

وہ بے نیاز یاد کسی کو ہو یا نہ ہو
اس بے نیاز کی ہے جہاں پروری وہی

وہ راہ مستقیم دکھاتا ہے خود ہمیں
کرتا ہے وہ دیدہ و دل کی کجی وہی

فطرت کی بار بار گواہی کے باوجود
ارباب کفر کی ہے خدا ناری وہی

ہوتا ہے جس سے آفل و باقی میں امتیاز
مجھ کو عطا ہو میرے خدا روشنی وہی

جعفر بلوچ



مدینے کے سفر پر یوں تو لاکھوں لوگ جاتے ہیں
وہ خوش قسمت ہیں جن کو آپ در پر خود بلاتے ہیں

سعادت جن کو ملتی ہے درشہؐ پر حضوری کی
عقیدت سے نقوش ہے یہ وہ آنکھیں بچھاتے ہیں

ہمیں کیا ہو طلب دنیا کے تاجداروں سے
کہ جتنے نامور ہیں سر اسی در پر جھکاتے ہیں

نگاہوں میں سمائے کوئی منظر یہ کہاں ممکن
ان آنکھوں کو تو جلوے سبز گنبد ہی کے بھاتے ہیں

جہاں بھی منعقد ہوتی ہے محفل نعت کی ناصر
یقین ہے خود محمد مصطفیؐ تشریف لاتے ہیں

ناصر زیدی

پیارے نبی کی پیاری باتیں

ادارہ

ریا

محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ "شرک اصغر" کا ہے۔"
بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔
"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ شرک اصغر کا کیا مطلب ہے؟"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"ریا، (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کے لئے کرنا۔)"
(معارف الحدیث، مسند احمد)

اخلاص وللٰہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کی طلب میں کرنا، جس طرح ایمان وتوحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے، اسی طرح ریا وسمعہ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان وتوحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔"
(معارف الحدیث)

شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔
"جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ وخیرات کیا اس نے شرک کیا۔"
(مسند احمد، معارف الحدیث)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"آخری زمانے میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی، مگر ان کے سینے میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (ان کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکا کھا رہے ہیں، یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں، پس مجھے قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ پیدا کروں گا جو ان میں سے عقلمندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کر چھوڑے گا۔"
(جامع ترمذی)

زنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"دونوں آنکھوں کا زنا (شہوت سے) نگاہ

کرنا ہے اور دونوں کانوں کا زنا (شہوت سے) باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا (شہوت سے) کسی کا ہاتھ وغیرہ ہے اور ہاتھ کا زنا (شہوت سے) کسی کا ہاتھ وغیرہ پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا (شہوت سے) قدم اٹھا کر جانا ہے اور قلب کا زنا یہ ہے کہ (شہوت سے) وہ خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے۔"
(مسلم، حیاۃ المسلمین)

غصہ

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہیے کہ وہ بیٹھ جائے، پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہیے کہ لیٹ جائے۔"
(مسند احمد، جامع ترمذی، معارف الحدیث)

سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"جو شخص پی جائے غصہ کو، درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصے کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کر سکتا ہے (لیکن اس کے باوجود محض اللہ کے لئے اپنے غصے کو پی جاتا ہے اور جس پر اس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ حوران جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کر لے۔"
(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو لازم ہے کہ وہ خاموش ہو جائے۔
(عن ابن عباس)

وہ آدمی طاقت ور نہیں ہے جو لوگوں کو دباتا اور مغلوب کرتا ہو، بلکہ وہ آدمی طاقتور ہے جو اپنے نفس کو دبا سکتا اور مغلوب کر سکتا ہو۔
(عن ابی ہریرہ، معارف الحدیث)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رضائے الٰہی کے لئے غصے کے گھونٹ کو پی جانے سے بڑھ کر کوئی دوسرا گھونٹ نہیں ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب غصہ آئے تو وضو کر لینا چاہیے۔
اگر کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھنے کی حالت میں غصہ آئے تو لیٹ جائے، غصے کے وقت اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنے سے غصہ جاتا رہتا ہے۔
(بخاری ومسلم)

غیبت

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"غیبت زنا سے زیادہ سخت اور سنگین ہے۔"
بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"(بات یہ ہے) کہ آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف

...دے جس کی اس نے غیبت کی ہے، اس کی ...نی اور بخشش اللہ کی طرف سے نہیں ہوگی۔"

(معارف الحدیث، شعیب الایمان، البیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ...ایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ...ب دن فرمایا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ...ں؟"

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ معلوم ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارا اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی کا ذکر کرنا، جو واقعہ اس میں موجود ہو اور اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے، (جو تم نے اس کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا) تو پھر یہ تو بہتان ہوا اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے۔"

(معارف الحدیث، حیوۃ المسلمین، صحیح مسلم)

خیانت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے تمہیں قابل اعتماد سمجھ کر اپنی امانت تمہارے پاس رکھی ہے، اس کی امانت واپس کر دو اور جو تم سے خیانت کرے تو تم اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ نہ کرو، بلکہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے دوسرے جائز طریقے اختیار کرو۔"

(ترمذی)

بدگمانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنے آپ کو بدگمانیوں سے بچاؤ اس لئے کہ بدگمانی کے ساتھ جو بات کی جائے گی وہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہوگی۔"

اور دوسرے کے معاملات میں معلومات حاصل کرتے مت پھرو اور نہ ٹوہ میں لگو اور نہ آپس میں تناجش کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگو اور اللہ کے بندے بنو، آپس میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔"

(بخاری ومسلم)

حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس بات کا حکم اور ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اپنے خادموں سے اپنے مال ومتاع کو مقفل رکھیں اور ان کو اگر استعمال کے لئے کچھ دیا جائے تو ناپ کر یا گن کر دیں (اس خیال سے) کہ کہیں ان کی عادت بگڑ نہ جائے یہ ہم میں سے کسی کو کوئی بدگمانی نہ ہو۔

(بخاری، ادب المفرد)

دوزخی

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"دنیا میں جو شخص دو رخا ہوگا اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔"

(معارف الحدیث، سنن ابی داؤد)

☆☆☆

ہم دعوت نامہ لے کر گئے

ابن انشاء

ایک زمانے میں ہمارے ملک کے ایک مشہور صوفی بزرگ نے ایک روغن گیسو دراز ایجاد کیا تھا، جس کی تعریف نہ سنی تھی کہ ایک قطرہ اس کا ایک بلی پر گر گیا اور دیکھتے دیکھتے اس پر بالوں کی ایسی گھٹا چھائی کہ منہ سر چھپ گیا، اسی پر بس نہیں پاس ہی بوٹ پالش کا برش پڑا تھا، چند چھینٹے اس پر بھی پڑ گئے، اس کے بال جو بڑھنے لگے تو چھت کی خبر لانے لگے، اس کو استعمال کرنے میں بڑی احتیاط لازم تھی، ایک آدھ بار کسی نے ہتھیلی سے سر میں مل لیا اور اس کے بعد ہر روز ہتھیلی کی شیو کرانا لازم ہو گیا، اس کے لگانے کے لئے ربڑ کے دستانے پہننے کی ہدایت تھی، بال اس پر بھی اُگ آتے تھے، لیکن اسے پھینکا جا سکتا تھا۔

بعض لوگوں کو شاید اس تعریف میں مبالغے کی بو آئے، لیکن ہم جب دیکھتے ہیں کہ ایسی گولیاں ایجاد ہو چکی ہیں، جن کے کھانے سے قد لمبا ہو سکتا ہے اور ایسے روغن نکل آئے ہیں، جن کے استعمال سے رنگ گورا اور بال کالے ہو جاتے ہیں تو قطعاً تعجب کی گنجائش نہیں رہتی، بال گھنگریالے بنانے والے تیل کا اشتہار ہم ایک مدت سے پڑھ رہے ہیں، لیکن اب ایک مضمون سے پتا چلا کہ فیشن بدل رہا ہے، اب خواتین نے بالوں کے بل نکالنے اور ان کو تکلے کی طرح سیدھا کرنے کے لئے بالوں پر استری کرانا شروع کرا دیا ہے، یہ فیشن چلا تو ولایت سے تھا، لیکن اب یہاں بھی آ گیا ہے، کل جو ہم اپنا سوٹ استری کرانے کے لئے تاج پنجاب اپٹوڈیٹ لانڈری رجسٹرڈ میں گئے تو ماسٹر اللہ دتہ نے کہا کہ۔

"جناب! آپ کے سوٹ کی باری کل آئے گی، آپ دیکھتے ہیں، کتنی خواتین انتظار کر رہی ہیں، پہلے ان کے بالوں پر استری کر لوں۔"

گویا ہمارے دیکھتے دیکھتے دھوبیوں کی چاندی ہو گئی اور ہیر ڈریسر حضرات کا کاروبار چوپٹ ہوا، خیر امید کی جاتی ہے کہ اب لانڈریوں کا کاروبار اتنا بڑھے گا کہ ان صاحبوں کی اس میں کھپت ہو جائے گی، جہاں آپ نے گھر آ کر پوچھا کہ۔

"بیگم کہاں گئی ہیں؟" بچوں نے بتایا کہ ذرا لانڈری تک گئی ہیں، ابھی آتی ہیں۔"

"ہیر ڈریسروں کے روزگار پر فقط دھوبیوں کی طرف سے چوٹ نہیں پڑی، مالیوں کی طرف سے بھی پڑی ہے، کل ایک صاحبزادے ملنے آئے جن کے بالوں کی اوپری سطح ایسی میدانی اور مسطح تھی کہ اس پر غالیچہ بچھا کر بیٹھ کر حقہ پینے کو جی چاہتا تھا، ہم نے پوچھا تو نہیں، لیکن ظاہر ہے وہ اپنے بالوں پر لان کی گھاس کاٹنے والی مشین چلوا کر آئے تھے، بعض لوگ سر کو استرے سے صفا چٹ کروانا بھی پسند کرتے ہیں، اس کا فائدہ یہ ہے کہ پھر گھر میں آئینہ رکھنے کی حاجت نہیں ہوتی، اس پر ذرا سا تیل لگایا اور جس نے چاہا، جب ذرا گردن جھکائی اور (اپنی صورت) دیکھ لی۔

ایک صاحب نے یہ رجحان دیکھ کر صفہ چٹ ہیر آئل کے نام سے اپنے تیل کا اشتہار دینا

شروع کر دیا اور وہ خوب چل نکلا ہے، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا یہ وہی تیل ہے، جس سے جناب مشتہر گنجوں کے سر پر شرطیہ بال اُگانے کی گارنٹی دیا کرتے تھے، چونکہ اشتہار کی عبارت میں ضروری تبدیلی کر دی گئی ہے، اس لئے نسخے میں تبدیلی کی قطعاً حاجت نہیں رہی، بات یہ ہے کہ دواؤں کا اتنا سارا اسٹاک کون ضائع کرے، عبارت بدلنا اس سے کہیں زیادہ سہل اور کم خرچ ہے، ترکیب استعمال کو البتہ مزید آسان بنا دیا گیا ہے، وہ یوں کہ کسی کو مالش کے لئے اس کی بو ناگوار محسوس ہو تو اس کے دو چمچے نہار منہ پی لے، اثر یکساں ہوگا، کیا ہوگا اس کی اشتہار میں پوری طرح وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

☆☆☆

ہمارے قصبوں کے پرانے ڈاکٹر بڑے جامع العلوم ہوتے تھے، دانت کے درد سے لے کر امراض چشم، امراض معدہ، امراض ناک، کان گلا (اضافت کے لئے معاف فرمایئے) حتیٰ کہ تپ دق اور کتے کے کاٹے کا علاج بھی خود ہی کر لیا کرتے تھے، شہروں کی طرح نہیں کہ ہر ڈاکٹر کا علم بس اپنے شعبے تک محدود ہے، ہمیں کھانسی تھی اور معمولی تھی، لیکن ہمارے دوست ڈاکٹر اظہر ماہر امراض چشم نے بھی دیکھتے ہی سر ہلا دیا کہ کھانسی کے ماہر کے پاس جاؤ، عینک لگوانی تھی تو ڈاکٹر سرور ماہر امراض معدہ ہماری کوئی مدد نہ کر سکے۔

ہمارے گھٹنے میں چوٹ آئی تو ہم قریب ترین دندان ساز کے پاس گئے، اس نے دیکھتے ہی دانت نکال دیے کہ میں تو گھٹنے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا، ہاں کہو تو تمہاری بتیسی کھڑے کھڑے نکال دوں اور تو اور شہر میں ہم نے مویشیوں اور آدمیوں کے جدا جدا ڈاکٹر دیکھے، دیہات میں ایسا کوئی امتیاز نہیں، بکری بیمار ہو تو ڈاکٹر صاحب کے پاس لے جاؤ، خود کو ملیریا ہو جائے تو سلوتری صاحب کے پاس چلے جاؤ، شہروں والے تو ہر بات میں باریکی دکھاتے ہیں، مین میخ نکالتے ہیں۔

بارے ڈاکٹر کو نہ سہی دوا سازوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ امراض کتنے بھی ہوں، ان کے لئے الگ الگ دوائیں بنانا خوامخواہ پریشان مریضوں کو اور پریشان کرنا ہے، یہ سچ ہے کہ ہمیں جب بھی مکسچر اور پڑیاں اور گولیاں دی گئی ہیں کہ فلاں وقت پیو، یہ اتنے گھنٹے بعد پھانکو اور گولی اس کے دس منٹ بعد نگلو تو ہمارا سارا حساب گڑبڑ ہو گیا اور ہم حسب توقع ان سب دواؤں کو ایک ہی وقت معدے یا نالی میں ڈالتے رہے۔

خیر ہم نے اوپر ایک دوا کا ذکر کیا ہے جسے گنجا لگائیں تو وہ دن میں یہ ماجرا ہو کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو جائے اور بالوں والے لگائیں تو آئینہ کو آئینہ دکھائیں، ایک اور دوا ہمارے ایک کرم فرما نے نکالی ہے جو ملیریا، تپ دق، چیچک، محرقہ سب کے لئے اکسیر ہے، آنکھ میں ڈالنے سے عینک چھوٹ جاتی ہے اور دانتوں پر لگائی جائے تو نئے دانت آ جاتے ہیں، ایک صاحب اس کی یوں توجیہہ کرتے ہیں کہ بینائی جاتی رہے تو عینک کی کہاں حاجت رہ جاتی ہے اور جب دانت ہی جھڑ جائیں تو دندان ساز کے ہاں سے نئے دانت کیوں نہ آئیں گے، خیر اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ یہ قبض کو دور کرتی ہے اور اسہال میں مفید ہے۔

جوڑوں کا درد، کان کا درد، داد، چنبل، مغلشی پھوڑے ہچکی آنے، یرقان، بانجھ پن، اور دماغی کمزوری کا یہ حکیمی علاج ہے، اس کی ہمہ گیر افادیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ چارپائی

چھڑکی جائے تو کھٹمل فوراً مر جاتے ہیں، ہاں کوئی بڑا جانور ہو، مثلاً آدمی تو اسے متواتر کئی خوراکیں دینی پڑیں گی، تب یہ کماحقہ اثر دکھائے گی۔

خاتون نے اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے کہ وہ کسی ڈاکٹر کے پاس گئیں، ان سے دوائی لی اور باہر آ کر نالی میں پھینک دی، گھر پہنچنے تک وہ صحت یاب ہو چکی تھیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ڈاکٹروں کی دوائیں ایسی ہی سریع الاثر ہوتی ہیں، ہم نے خود ہمیشہ یہی کیا اور عموماً دو تین خوراکیں نالی میں پھینکنے سے کلی طور پر صحت یاب ہو گئے، ڈاکٹروں کے مطبوں کے باہر بڑی بڑی نالیاں اسی مقصد کے لئے ہوتی ہیں، لیکن بعض نو مشق مریض پھینکنے کے بجائے دوا گھر لے جاتے ہیں اور اسے پی لیتے ہیں اور پھر نقصان اٹھاتے ہیں۔

ابھی تو اس اتوار کو جب ہم نے اپنی نئی غزلیں سنانے کے لئے اپنے گھر پر مشاعرہ کیا، (کوئی اور اس کا اہتمام کرنے پر راضی نہ ہوا) تو ہم دعوت نامہ لے کر اپنے پڑوسی ڈاکٹر زبیری کے ہاں بھی گئے، وہ اس وقت مصروف تھے، لہٰذا ہم بھی ایک بینچ پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے، یکایک کسی نے ہماری آستین اٹھائی اور ہم نے سوئی کو تب دیکھا جب وہ ہمارے گوشت میں سے نکل رہی تھی، ہم نے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب! میں تو یہ دعوت نامہ لے کر حاضر ہوا تھا، شام کو تشریف لایئے، ماحضر تناول فرمایئے اور تازہ کلام سنیئے۔“

ڈاکٹر صاحب بولے۔

”ضرور حاضر ہوں گا، لیکن اس انجکشن کے تین روپے کمپوڈر کو دیتے جایئے گا اور خوراک میں کھٹی چیزوں بڑے گوشت اور چاولوں سے پرہیز لازم ہے، کل اسی وقت پھر آیئے گا اور مکسچر کے لئے خالی شیشی ساتھ لایئے گا۔“

☆☆☆

دل گزیدہ

اُم مریم

بیالیسویں قسط کا خلاصہ

اویس کی طرف سے ہونے والا قاتلانہ حملہ عمر کو موت کے دہانے پر لا کھڑا کراتا ہے، اس شدید دھچکے کے بعد سب سے زیادہ متاثر حجاب ہوتی ہے۔

قدر، سلیمان خان سے اپنی ناراضگی ختم کر دیتی ہے، خود ان سے ملنے آتی ہے تو سلیمان خان گویا پھر سے جی اٹھتے ہیں، مگر قدر اور حمدان کے درمیان موجود رنجش کو محسوس کرتے ڈسٹرب ہیں۔

سلیمان خان، روشنی کو طلاق دیتے ہیں تو روشنی انتقام پہ اتر آتی ہے، حمدان کے سامنے اپنے اصل تعارف کے ساتھ آ کر وہ حمدان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اس شخص کی بیٹی کو بھی طلاق دے جس نے اس کی زندگی اجاڑی ہے۔

حمدان روشنی اور قدر کے معاملے میں شدید اذیت کا شکار ہے، قدر حمدان کی توجہ کی منتظر ہے مگر حمدان غلط فہمی کے جال میں الجھتا جا رہا ہے۔

عمر حجاب کو زندگی کی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش کچھ کامیاب ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

ترتالیسویں قسط



اندرونی حصے کی تمام کھڑکیاں دروازے بند کر دیئے گئے تھے اس کے باوجود آندھی کے تھپیڑوں سے کھڑکیاں دروازے بار بار لرزتے اور پھر ساکت ہو جاتے، ویسے ہی ساکت جیسے اس وقت وہ ہوا تھا۔

وہ وہاں سے اٹھا تو اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا، روشنی کتنی بے صبری ہو رہی تھی۔

"مجھے بتاؤ تم اسے طلاق دو گے؟ بتا کر جاؤ۔" وہ دھونس جما رہی تھی، ضد کر رہی تھی، حمدان اپنا ہاتھ چھڑا کر چلا آیا تھا، گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ایک نمبر ڈائل کیا تھا اور موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

"آپ کو مجھے اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہیے تھا، بتانے میں اس وقت تو ہرگز کوئی حرج نہیں تھا، جب زندگی اسے میرے روبرو لے آئی تھی۔" کیا کچھ نہ تھا اس کے لہجے میں، غم و غصہ، شکوہ شکایت اور بے تحاشا رنج، کال ریسو ہوتے ہی اس نے بھیگی آواز میں کہا تھا اور ادھر کی ایک بھی سنے بغیر فون کاٹ دیا، اس کے وجود میں طوفان برپا تھے، بس نہ چلتا تھا چلتی گاڑی کو کہیں دے مارتا، اپنا کام تمام کر دیتا، ایسے ہی شدید اور حتمی خیالات ذہن میں جگہ پا رہے تھے، کیا وہ اب بھی ڈسٹرب نہ ہوتا، جبکہ بیک وقت اس پہ ان دو اہم ترین عورتوں کی بے وفائی کرپشن اور بد کرداری ظاہر ہو گئی تھی جو اس کی زندگی میں سب سے اہم مقام اور درجے پہ فائز ہوئی تھیں۔

ماں...... جس کا ہر حال میں ادب لازم ہے۔

بیوی...... جو نسل کی امین ٹھہرتی ہے۔

دونوں عورتیں اپنے کردار سمیت مشکوک تھیں، وہ ان کا تعارف اور لاحقہ اپنی ذات سے ہٹا نہیں سکتا تھا، وہ کبھی روشنی کی بات کا اعتبار نہ کرتا، اگر جو یہی سارے دعوے، بہت یقین کے ساتھ علی شیر اس کے سامنے نہ کر چکا ہوتا، دو لوگوں کو آخر ضرورت کیا تھی قدر کے پیچھے یوں ہاتھ دھو کر پڑ جانے کی، یقیناً جھول اسی سمت تھا، حالانکہ اگر وہ سوچتا تو جھول تو اس کی اپنی سوچ میں بھی ہو سکتا تھا، لیکن وہ اس پراسس پہ سوچ ہی تو نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

"افوہ...... نظر نہیں آتا تم لوگوں کو، کیا حشر ہو گیا ہے گھر کا، جب آندھی آئی تو اتنا نہیں ہو سکتا تھا تم لوگوں سے کہ کھڑکیاں ساری چیک کرو بند کرو، سارا گھر مٹی سے اٹ چکا ہے کہ سانس لینا بھی دشوار ہو چکا ہے، سب کے سب کام چور ہیں۔"

وہ پتا نہیں سوئی ہوئی تھی، اب تک جو اٹھتے ہی قیامت برپا کر دی، سب ملازموں کو لائن حاضر کیے سخت سست سنا رہی تھی، ساتھ سختی سے کام کروا رہی تھی، فلاں جگہ سے صاف کرو، ادھر سے جھاڑو، وہاں سے دھوؤ۔

کھڑکی میں کھڑے حمدان اسے یوں مالکانہ حقوق کے ساتھ نوکروں پہ گرجتے برستے عجیب نظروں سے دیکھا اور جل کر وہاں سے ہٹ گیا۔

"منافق۔" اس کی سوچ میں بچھو لہرایا تھا۔

"محترمہ سگھڑ خاتون نوکر تمہارے ڈر سے کام پہ لگ تو گئے ہیں، اب انہیں بخش دو اور اس ہمارے غریب بھائی پہ بھی کرم کر دو جو جانے کب سے تمہاری نظر کرم کا منتظر ہے۔"

حرم فون پہ آن لائن تھی، ہنستے ہوئے اسے چھیڑا، وہ ایک دم بس کر گئی۔

"آ گئے ہیں کیا تمہارے بھائی۔"

"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا، حمدان کا گم صم انداز وہ بھی محسوس کر رہی تھی۔

"تو پھر نوکروں پہ عتاب لانا چھوڑ کر ان کے پاس جاؤ میری من موہنی سی بھابھی جان، انہیں کچھ تو ضرور چاہیے ہوگا اور کچھ نہیں تو تمہاری دید اور چاہ کے تو ضرور طلبگار ہوں گے جو تم خاصا ترسا ترسا کے دیتی ہو۔"

شادی کے بعد حرم بہت بدل گئی تھی، شوخ و شنگ اور شریر موڈ میں رہا کرتی اس کے برعکس حجاب جو چلبلی تھی، باتونی ایک دم تغیر سمیٹ لائی تھی، بولتی سوچ کر تھی مسکرانا تو جیسے گناہ سمجھنے لگی تھی، جانے اسے کیا ہو گیا تھا، وہ اکثر سوچتی الجھتی، حرم نے فون بند کر دیا، وہ کچھ دیر کھڑی رہی، یہ سوچتی کہ حرم کی بات پہ اعتبار کرے یا نظر انداز کر دے، کیا شک کہ جناب کا موڈ آج کل سوا نیزے پہ پہنچا رہتا تھا، آنکھوں میں ایسی کدورت اور بیگانگی تھی کہ اسے لگتا وہ اسے جانتا ہی نہیں ہے، معاً وہ چونک گئی، وہ ملازم کو چائے کے لئے آوازیں دے رہا تھا، قدر ایک دم الرٹ ہوئی اور ملازم کو منع کرتی خود چائے بنانے لگی، اس نے بڑی لگن اور محبت سے چائے تیار کی تھی، کرسٹل کی نازک سی ٹرے میں نفیس سا مگ سجا کر وہ اندر آئی تو اسے الماری کھولے کسی کام میں مصروف پایا تھا۔

"یار یہ صرف تمہاری چائے سے دفع ہونے والا درد نہیں ہے، ایسا کرو مجھے کوئی پین کلر بھی لا دو۔" اس کا منہ یونہی الماری میں گھسا ہوا تھا اور وہ اس کی جگہ ملازم کو سمجھتا ہوا ہدایت دے رہا تھا، قدر کو فطری تشویش نے گھیرا۔

"زیادہ درد ہو رہا ہے؟" سوال کیے بغیر وہ رہ نہ سکی اور ہونے والے سوال نے غلط فہمی دور کر دی تھی، وہ پلٹا اور خشمگیں نظروں سے اسے دیکھنے لگا، انداز ایسا تھا ملامتی قسم کا گویا پوچھ رہا ہو ابھی جو میں نے کہا کیا فارسی زبان استعمال کی تھی۔

"بی پی کا مسئلہ تو نہیں ہو رہا؟" وہ پھر بولی اس کی نظریں نظر انداز کر دی تھیں، حمدان نے ناگواریت سے سر جھٹکا، جواب اب بھی نہ دیا تھا۔

"گھر میں کوئی پین کلر نہیں...... مم...... میں دبا دوں۔"

کیا کچھ نہ تھا اس کے انداز میں، جھجک بھی کیئر بھی، اپنائیت بھی خلوص بھی، فکرمندی اور اضطراب بھی، اس کے باوجود حمدان نے اسے گھور کر ناراضگی سے تلخی سے دیکھا تھا۔

"کیا دبا دو...... ؟ سر کہ گلا...... ؟ یقیناً گلا دبانا چاہو گی۔" اس کے انداز میں زہر ہی زہر بھرا ہوا تھا، تلخی ایسی جو قدر کے حلق میں اٹک گئی، آنکھیں کیسے نم نہ ہوتیں، وہ اس سے اس درجہ بدگمان تھا، اس قدر اس سے دور ہو گیا تھا، یا اس سے اتنی نفرت بڑھ گئی تھی، سفا کی حد سے بڑھ جائے تو احساس اپنی موت مر ہی جایا کرتا ہے، حمدان کا بھی یقیناً احساس ختم ہو چکا تھا، متغیر چہرے کے ساتھ ایک لفظ کہے بغیر وہ پلٹ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی، حمدان بہت دیر بعد تک چیزیں پٹخ پٹخ کر غصہ اتارتا رہا تھا۔

☆☆☆

مچلتے رہتے ہیں دشمن میں ہوس کی طرح
حسین لوگ بھی وبال جان ہوتے ہیں

عباس شام ہوتے ہی چھت کی منڈیر سے پیر لٹکائے کب کا سگریٹ سے دل بہلا رہا تھا، پہلا ختم ہوتا اس بجھتے سگریٹ سے اگلا سلگا لیتا، اسے دیکھتا اویس مسکراتا ہوا قریب آیا اور گویا اسے چھیڑنے کو شعر پڑھا، عباس چونکا البتہ کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں دیا، اویس اس سے کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے برابر بالکل اسی کے انداز میں بیٹھ گیا، اس کی جیب سے کمال بے تکلفی سے سگریٹ کی ڈبی نکالی اور سگریٹ سلگا کر دھواں بکھیرتا ہوا خود سر بکھیرنے لگا۔

کبھی آ میرے آنگن میں ذرا شام کے بعد
مل کے مانگیں گے محبت کی دعا شام کے بعد
جن کی تقدیر میں خواب نہیں نیند نہیں
اوڑھ لیتے ہیں ستاروں کی ردا شام کے بعد
آؤ مل بیٹھ کے کچھ وقت گزاریں
میں سنوں تجھ کو تو اپنی سنا شام کے بعد
وہ مجھے چھوڑ گیا شام سے پہلے پہلے
یہ نہ پوچھو میرا کیا حال ہوا شام کے بعد
وہ یہاں تھی تو ہر اک شام سجی رہتی تھی
اب تو لگتا ہے کہ شام ہوتی ہی نہیں شام کے بعد

اس کی مسکراہٹ مچل مچل جاتی تھی، عباس کا دل اس قدر ہی جل کر خاک ہوا۔

''ویسے تمہاری گھٹیا سوچ کے برعکس تمہارا ذوق بہت اعلیٰ ہے، کچھ تال میل نہیں دونوں میں۔'' سگریٹ پھینک کر وہ اس کی طرف دیکھتا خاصے جیلس انداز میں بولا تو اویس کا قہقہہ فلک شگاف ہونے لگا، حجاب کے حوالے سے ملنے والی کامیابی کی حرف بہ حرف داستان وہ اسے سنا چکا تھا، پہلے پہل تو عباس کو یقین نہ آسکا مگر اویس کا ہر انداز از خود گواہی دیتا تھا کہ وہ سچا ہے پھر عمر کے زخمی ہونے کی خبر، اس کے بعد سے اویس مفرور تھا، آج پتا نہیں کیسے یہاں پایا جا رہا تھا، عباس غصے میں بل کھا رہا تھا، وہ کامیابی کے کتنا نزدیک آ کر ناکام ہوا تھا۔

کنویں کے پاس سے پیاسے لوٹنا پیاس کی شدت کو بڑھاوا دیتا ہے، وہ بھی سلگ رہا تھا۔

''تم بزدل تھے یار! تم کچھ کر ہی نہ سکتے تھے، ایسے کاموں کے لئے جی داری جرأت اور مردانگی کی ضرورت ہوتی ہے، کیا سمجھے۔'' اویس اس کی جلن کو اور بڑھا رہا تھا۔

''جو صرف تمہارے اندر ہی ہے، یہی خوبیاں تمہیں موت کے منہ میں لے گئیں اور تمہیں اندازہ ہی نہیں ہوا۔''

عباس کو بھی عقلمندی ظاہر کرنے کا موقع میسر آیا، اویس لاپروائی سے ہنس دیا تھا۔

''زندگی میرے نزدیک تھرل کا نام ہے، ڈر خوف وہم، سب الفاظ ہیں صرف الفاظ، زندگی کچھ کر گزرنے کا نام ہے، مجھے ترسنے سے نفرت تھی ہمیشہ...... اب دیکھنا صرف اس پہ اکتفا نہیں ہو

گا، میں اسے ایسے مجبور کروں گا کہ وہ خود میرے پاس آیا کرے گی اپنے قدموں پہ چل کے، تم یقین کرو گے۔'' اویس کے اعتماد میں بلا کا اضافہ ہو چکا تھا، عباس کو لگ رہا تھا وہ ضرورت سے زیادہ شوخا ہو رہا ہے اور کچھ بھی نہیں۔

''ضرور کروں گا اگر پولیس کے ہتھے لگنے سے بچ گئے تم...... جو پاگل کتوں کی طرح تمہارے تعاقب میں ہے۔'' عباس نے دانت نکالتے ہوئے گویا اسے چھیڑا، دل میں لگی آگ کچھ اس خیال سے بھی ٹھنڈی ہوئی تھی۔

''خود کو پولیس کے حوالے نہیں کروں گا، چاہے کچھ ہو جائے، آج کی میری بات یاد رکھنا، چاہے موت کو گلے لگا لوں مگر حراست میں نہیں آؤں گا۔'' اویس کا لہجہ اب بھی مضبوط تھا، عباس اب کی بار کچھ نہیں بولا، سر جھٹک کر گویا اس کی بات جھٹک دی تھی۔

☆☆☆

بہت بے کیف لمحے ہیں
بہت بوجھل سے سپنے ہیں
نہ تم سے دل بہلتا ہے
نہ خوشیاں راس آتی ہیں
نہ جانے زندگی ہم کو
کیوں ایسے آزماتی ہے
بہت تکلیف میں بھی ہم
اکثر مسکراتے ہیں
[illegible] بے دوستی کر کے
وفا ایسے نبھاتے ہیں
عجب سی زندگی ہے یہ
عجب ہی موڑ آتے ہیں
میری آنکھوں کے سب آنسو
صرف اس کو بلاتے ہیں

وہ کچن میں کھڑی تھی، ٹرے میں رکھے چائے کے مگ سے بھاپ اڑتی نکل رہی تھی، صاف شفاف چھوٹا سا فیڈر دودھ سے لبریز تھا، کام مکمل ہو گیا تھا لیکن وہ کمرے میں جانے میں متامل تھی، حوصلہ ہی نہ ہو رہا تھا، عمر کا سامنا کتنا دشوار ہو چکا تھا اس کے لئے، بچے کے رونے کی آواز پہ اس نے گہرا سانس بھرا اور ٹرے اٹھا لی، بچہ عمر کے پاس تھا، وہ اسے بہلانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا، مگر اس کے اپنے زخم ابھی کچے تھے، چہرے پہ تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے۔

''یہ آپ کی چائے...... اسے مجھے دیں۔'' وہ اس سے نظریں ملائے بغیر مخاطب ہوا کرتی عمر نے بغیر کسی ردوکد کے بچہ اسے تھما دیا، خود تھکے ماندے انداز میں لیٹا تھا، جسے محسوس کرتی حجاب پریشان ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

''طبیعت ٹھیک ہے نہ آپ کی؟''

اسے گویا سب کچھ بھول گیا، روتے ہوئے بچے کے منہ میں فیڈر لگانا بھی، عمر نے چونک کر اسے دیکھا، گہرا سانس بھرا اور سر اثبات میں ہلاتا بچے کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

''اسے فیڈ کرواؤ پلیز۔''

حجاب چونک گئی، سر اثبات میں ہلایا اور بچے کو کاٹ میں لٹا کر فیڈر اس کے منہ سے لگا دیا، بچہ بہت صابر تھا، تنگ کرنا تو جانتا ہی نہ تھا، دودھ پیتے ہی چند منٹ میں سو گیا۔

''یہ دوائیں آپ کی۔'' حجاب پھر اس کی خدمت پہ مامور تھی، عمر کو اچھا نہ لگا۔

''اتنے معمولی کام میں بغیر کسی دقت کے کر سکتا ہوں حجاب، لیکن تم ان میں الجھ کر ضرور خود سے لاپرواہ ہو رہی ہو جو بالکل اچھی بات نہیں۔''

''ایسی بات نہیں ہے اور پلیز کاموں سے منع نہ کریں مجھے، جتنی مصروف ہوں گی اتنا ہی بہتر ہے میرے لئے۔''

شادی کے بعد یہ پہلا باقاعدہ جواب تھا جو حجاب نے اسے دیا اور ڈھنگ سے دیا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ دونوں ہی پہلی بار اس احسن انداز میں گفتگو کر رہے تھے، عمر نے اس کی آواز میں بھراہٹ محسوس کر کے ہی نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے سامنے بٹھا لیا، حجاب بغیر کسی پس و پیش کے بیٹھ گئی تھی۔

''اگر ہماری شادی نارمل رہتی تو ہم اس انداز میں بات چیت نہ کر رہے ہوتے، اینی وے میں تم سے صرف یہ کہوں گا حجاب اس حادثے کو بھول جاؤ، بھولنے کی کوشش کرو، گو کہ جانتا ہوں ہی بہت مشکل ہے، مگر مشکل کام ہی خاص لوگوں کے حصے میں آتے ہیں، یو نو واٹ جب میں چھوٹا تھا تو میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو گئی تھی، دونوں کا ایک ساتھ مجھے چھوڑ جانا مجھے اسی عمر میں سمجھا گیا تھا کہ میں آزمائش کے لئے چن لیا گیا ہوں، میرا ہر پیارا جو مجھے خاص اور عزیز تھا، مجھ سے دور ہوتا رہا، مما پاپا کے بعد غانیہ خالہ بھی نانو بھی، تب میں اپنی ذات کے خول میں سمٹتا چلا گیا، لوگ سمجھتے تھے میں مغرور ہوں حالانکہ میں تو محدود ہو گیا تھا، ڈر گیا تھا محبت سے، کسی اور عظیم سانحے اور نقصان سے، غانیہ خالہ کی طرف پلٹ کر نہ جانے کی وجہ بھی یہی تھی، میں ان کی آزمائشوں اور دکھوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ہماری کوئی بھی احتیاط ہمارے دکھوں میں کمی کا باعث نہیں ٹھہر سکتی یہ بات میں نے اب جانی، قسمت کا لکھا اٹل ہے، اس سے فرار نہیں اس سے بچاؤ نہیں، اگر ایسا ہوتا تو آج ہم دونوں اس طرح دکھی نہ ہوتے، ایک دوسرے کو پا کر بھی یوں تشنہ نہ ہوتے، حجاب تم یقین کرو گی کہ جب میں کالج میں پہلی بار میں نے تمہیں دیکھا تھا، اس وقت ہی پہچان گیا تھا تمہارے شبہات خالہ سے ملتی تھی اور خالہ ایسی ہستی تھیں جنہیں میں بھول نہیں پایا تھا کبھی بھی، لیکن میں تم سے دانستہ انجان بن گیا، میں ان راہوں پہ نہیں چلنا چاہتا تھا جو مجھے جکڑ لیں، لیکن میں بچ نہیں پایا، میں خود کو تمہاری محبت میں گرفتار کرنے والے احساس سے چھڑا نہیں پایا اور جب دل بالکل تم سے دستبردار ہونے پہ آمادہ نہ رہا اس وقت مجھ پہ واضح ہوا کہ تم میری کبھی نہیں ہو سکتی، مجھے اس خوش فہمی سے بھی نکل آنا چاہیے جس میں، میں خود کو گرفتار کیے بیٹھا ہوں تمہاری منگنی کی خبر نے مجھے اتنا توڑا تھا حجاب کہ میں وہ فیصلہ بہت آسانی سے لے گیا جو میں کبھی کرنے والا نہیں تھا، ثناء سے شادی کا فیصلہ۔''

''تمہیں پتا ہے ثناء کون تھی؟'' اس نے ذرا سا توقف کیا اور حجاب کو دیکھا جو گود میں رکھے ہاتھوں پہ نظریں مرکوز کیے بالکل خاموش مگر ہمہ تن گوش بیٹھی تھی، اس سوال پہ چونک کر اسے دیکھا، اس کی نگاہوں میں ہلکی سی الجھن اتر آئی تھی، گویا سمجھ نہ پائی ہو عمر نے یہ سوال کیوں کیا اس سے۔

''ثناء ایک دیندار اور خوددار بوڑھے باپ کی بیٹی تھی، جس کا نفس بہت کمزور تھا، جسے باپ کی عزت کی بھی پرواہ نہیں تھی، جبھی تو وہ دوسری بار بھی اسی مرد کی خاطر اپنے باپ کی عزت نیلام کر کے چلی گئی جس نے اسے پہلی رسوائی کے بعد بھی گلے لگایا تھا عزت کی چادر سے ڈھانپنا چاہا، ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی، ثناء کی مختصر سی رفاقت میں، میں نے اپنا حوصلہ اپنا ضبط اور اپنی برداشت کا ہر طرح امتحان لیا تھا، اگر انسان صبر کرنا چاہے تو اسے اس کی توفیق ضرور ملتی ہے، نیکی کی خواہش رکھنا بھی نیکی کو سہل کر دیا کرتا ہے، وہ مجھ سے خوش نہیں تھی، اسے کسی سے محبت نہ تھی سوائے اپنی ذات کے یا اس شخص کے جو اس کے بچے کا باپ تو بن گیا تھا مگر اپنے نام کی چادر اسے نہ اوڑھا سکا، جب دوسری بار بھی اس نے گھر سے قدم اٹھایا اور عزت پہ اس آدمی کو ترجیح دی تو مجھے اس بچے سے نجات حاصل کرنا بہت آسان تھا جس سے خونی تعلق تو کوئی نہیں بنتا تھا ہاں مگر احساس اور انسانیت کا رشتہ بہت گہرا تھا، یہ ایسے والدین کی اولاد ہے جن کو اس کی ضرورت نہیں تھی، جو قابل رحم ہوں ان پہ رحم کرنا لازم ہے ورنہ اللہ رحم نہ کرنے والوں پہ اپنے رحم کو ہٹا لیتا ہے، میں چاہوں گا خدا تم پہ اپنا رحم ہمیشہ نازل کرے، اس لئے اس بچے کے ساتھ خدا ترسی اور مہربانی کا سلوک ضرور کرتی رہنا۔''

''تمہاری آزمائش بڑی ہے تو یاد رکھو حجاب تمہیں حوصلہ بھی بڑا ودیعت ہوا ہو گا، بس ہمت نہیں ہارنی۔'' وہ خاموش ہوا تو اسے تائیدی نظروں سے دیکھنے لگا، حجاب نے گہرا سانس بھر کے سر اور نظریں دونوں جھکا لیں، جب بولی تو اس کی آواز بہت بوجھل تھی۔

''میں آپ جیسی مضبوط اور بلند حوصلوں کی مالک ہوتی تو ان چند دنوں میں متعدد بار خودکشی کی کوشش نہ کرتی، بہرحال وقت ہر زخم کا مرہم ہے، میں خود کو سنبھال لوں گی، جہاں تک بچے کی بات ہے تو اس معاملے میں آپ کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے، میں کبھی اس کی حق تلفی کروں گی نہ اسے دکھ دوں گی انشاءاللہ۔''

وہ پر یقین تھی اور اس دوران یہ پہلا موقع تھا کہ عمر کھل کر مسکرایا تھا، اس کی مسکراہٹ میں نرمی و تازگی تھی، یوں لگا گویا کمرے کی ساری کثافت اس مسکراہٹ کی تازگی نے ختم کر دی ہے۔

☆☆☆

کبھی تو آؤ
اور آکے دیکھو
نظارہ میری آرام گاہ کا
ہجر کا بستر

دکھوں کی چادر
جفا کا تکیہ
نہ نیند آئے
نہ چین آئے
سلگتے آنکھیں
دہکتے آنسو
جو خواب دیکھیں
وہ ٹوٹ جائے
تھکن بہت ہے
جلن بہت ہے
ادھورے پن کی
چبھن بہت ہے
نہ کار دینا
نہ کار جاناں
کوئی عذر نہ
کوئی بہانہ
عجیب آتش فشاں سی ہلچل
جس کی رت میں تشنہ بادل
تیرگی ہے
خامشی ہے
نیند کی اب مجھ سے
دشمنی ہے
بدلتے پہلو
یوں رات گزرے
سویرا کا جب دیدار ہو گا
اک اور شب کا بس
انتظار ہو گا

قدر کب سے کھڑکی میں ایک ہی زاویے سے کھڑی تھی، اعصاب تناؤ کا شکار دل میں رقت اور آنکھیں جل رہی تھیں، ایسے ایک ہی زاویے سے ٹھہرے رہنے کے باعث ٹانگیں شل ہو رہی تھیں مگر اس نے پوزیشن میں فرق نہیں آنے دیا، یہ بھی دیکھا جاتا تو ایک خود اذیتی تھی، وہ خود اذیتی کا ہی شکار تھی، موسم بہت بدل چکا تھا گرمیاں مکمل طور پہ رخصت ہوئیں، اکتوبر کا وسط تھا، راتیں اب خنکی کا احساس اوڑھ لیتیں تو سناٹا از خود ماحول کا حصہ دار بن جاتا، اس کے سامنے حمدان کی





گاڑی پورٹیکو میں آن رکی، وہ بلیک سوٹ میں ملبوس اندر سے برآمد ہوا اور نخوت زدہ تاثرات جو آج کل اس کے چہرے کا خصوصی جز تھے سمیت اندرونی حصے میں چلا گیا تھا، اس نے پلٹ کر اپنا بستر دیکھا، جو بے شکن تھا، اس کی بے خواب آنکھوں کی طرح جہاں سپنوں کا اب بسیرا نہیں رہا تھا، اس کے بے آس دل کی مانند جہاں غم نے بسیرا کر لیا تھا، حمدان کتنا ناراض تھا کہ اس نے اپنا کمرہ الگ کر لیا تھا، کتنے دن گزر جاتے اس کی شکل دیکھے اس سے سامنا ہوئے اور اگر سامنا ہوتا تو بہت تکلیف دہ احساس سے گزرنا پڑتا تھا حمدان کے ردعمل کے باعث، جو بے حد دل برداشتہ تھا۔

''میں تمہیں گھر سے نہیں نکال رہا، جس شخص کی تم اولاد ہو میں اسے دکھ نہیں دے سکتا، البتہ تمہیں اتنا ضرور کرنا چاہیے کہ میرے سامنے آنے سے گریز برتو، بہر حال میں اب تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔''

الفاظ تھے کہ سنگریزے جو اس کی رگ جاں میں اتار دیئے گئے تھے، اس نے جانا زبان سے کی گئی تضحیک کا رنگ بھی کتنا گہرا ہوتا ہے دل پہ کہ شگاف پڑ جاتے ہیں۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کسی کو قتل کر دینا اور پھر ذرا بھی نادم نہ ہوتا بلکہ انوکھے اطمینان کا راز پا جانا کیسے لوگوں کی سرشت ہے، میں نے اپنی آنکھوں سے کئی ایسے مجرم بہت سکون سے سزا جھیلتے دیکھے، آج سمجھ آئی وہ تم جیسی عورتوں کی بے وفائی برداشت نہ کر سکے ہوں گے، کاش میں بھی ایسا جنونی ضرور ہوتا کہ ایسا اطمینان قلب حاصل کرنے کو ہر حد سے گزر جاتا۔''

آخری بار جب اس نے قدر سے کلام کیا تھا، یہی الفاظ تھے قدر سکتے میں آ گئی تھی، اس سکتے سے وہ کیسے نکلتی اسے طریقہ نہیں آتا تھا، یہ کیسا سانحہ ہوا تھا، جب وہ اسے خود سے بدگمان کرنے کے باقاعدہ جتن کرتی رہی تب ایسا کچھ نہ ہوا اور جب محبت نے اس پہ اپنا نوک دار جال پھینک دیا، اسے جکڑ لیا، اس کو اچھی طرح بے بس کر لیا تو یہ کیسی کیسی آزمائشیں اسے گھیرنے لگی تھیں، وہ رو نہیں سکی، وہ کیسے روتی، آنسوؤں نے اس اہم مقام پہ آ کر دغا بازی کر ڈالی تھی، اس انتہا پہ حمدان کیونکر چلا گیا، جبکہ بات معمولی تھی، وہ اسے اپنی صفائی کا موقع بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔

بس فرد جرم عائد کر دی، سنا سزا دی، مصلوب کر ڈالا، وہ گلہ کس سے کرتی، حمدان سے تو کر نہ سکتی تھی، وہ کچھ سننے پہ آمادہ کہاں تھا اور جب آمادگی نہ ہو تو کچھ بھی کام دشوار ہو ہی جایا کرتا ہے۔

شاید یہ سب بگاڑ نہ ہوتا، اگر اس کے اندر کا تجسس نقطہ عروج پہ نہ پہنچ جاتا، اس کی بے قراری اور غیر یقینی نے اسے مزید مشکلات سے دوچار کر ڈالا تھا۔

سلیمان خان کے گھر قیام کے دوران لینڈ لائن پہ انگلینڈ سے آنے والی اجنبی عورت کی کال اس نے ہی ریسیو کی تھی اور جو کچھ علم میں آیا وہ ناقابل یقین تھا، تحیر میں مبتلا کر دینے کو کافی، سنسنی پھیلا دینے والا۔

اسے یقین نہ آتا تھا اس کی ماں زندہ بھی ہو سکتی ہے اور اگر زندہ ہے تو پپا کو انہیں مردہ ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی، ان کے درمیان دوریاں تھیں مگر رابطہ بھی بحال تھے، بچپن سے جوانی اور شادی کا مرحلہ بھی نپٹ گیا اور وہ لاعلم رہی، یہ کیسے ممکن تھا اور پھر سلیمان، اس کے پپا، اتنے نفیس انسان، انہیں کیا ضرورت تھی اس بات کی مخفی رکھنے کی وہ تو بہت کلیئر اور کھرے انسان تھے،

دھوکہ نہ دینے والے، اس کا ایمان ڈگمگانے لگا، لگتا خاتون چھوٹی ہے، اس نے دوبارہ چاہا اس نمبر پہ رابطہ کرے مگر ایسا جانے کیوں ممکن نہ ہو سکا اور اس کی اضطرابی کیفیت عجیب سی وحشت میں ڈھلنے لگی۔

''پپا! میری ماں کا تعلق انگلینڈ سے تھا، جانتی ہوں، وہ اب بھی وہیں ہوتی ہیں، آپ نے کبھی بتایا نہیں اور کیا یہ فیئر تھا کہ آپ نے انہیں زندہ ہوتے ہوئے مردوں میں شمار کیا اور کروایا بھی۔''

اس رات وہ اکٹھے کھانا کھا رہے تھے قدر نے اچانک ان پہ حملہ کر دیا تھا، یہ حملہ اعصابی لحاظ سے تھا جبھی سلیمان فی الفور خود کو سنبھال نہیں سکے، ان کے وجیہہ چہرے پہ پہلے حیرت اتری پھر اضطراب اور سب سے مستقل احساس گمبھیر سنجیدگی کا تھا۔

''آپ میری بات کا جواب اگنور نہیں کر سکتے ہیں پپا، پلیز ٹیل می ناؤ کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا یہ میری حق تلفی نہیں کی؟ آپ کے نزدیک یہ زیادتی نہیں تھی؟''

وہ رو ہی تو پڑی تھی، کیسی قسمت تھی جس رشتے کے لئے سب سے زیادہ محرومی کا ئی سب سے زیادہ تر سی وہی اس کے لئے بھی ویسے ہی بے قراری کا شکار تھا، وہ پپا کو ہر زیادتی معاف کر سکتی تھی ماسوائے کھلے ظلم کے۔

''آپ میری بات کا جواب وہ بھی تسلی بخش جواب دیئے بغیر نہیں جا سکتے ہیں پپا۔''

سلیمان نے کھانا ادھورا چھوڑ دیا تھا، نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد کرسی گھسیٹ کر اٹھے تو ان کا مقصد سمجھتی ہوئی ہی قدر بپھرے ہوئے انداز میں اٹھ کر ان کی راہ میں حائل ہوئی تھی، سلیمان خان کے چہرے سے واضح بے بسی چھلکی، انہوں نے بے چارگی سے بھری نگاہ اس پہ ڈالی جوان کی بیٹی تھی، جس کی بات ٹالنا ان کے لئے ہمیشہ دشوار امر رہا تھا۔

''کچھ معاملات مصالحت کی خاطر کیے جاتے ہیں بیٹے اور اگر بڑے کسی چیز کو ڈھانپ رہے ہوں تو اس کو اوپن نہیں کرنا چاہیے، میری بیٹی اب میچور ہو چکی ہے۔'' اس کے گال تھپکتے وہ کتنے رسان سے بولے تھے اور پلٹ کر چلے گئے۔

کوئی بھی تشفی کرائے بغیر، اپنے جرم کا واضح اظہار کیے بغیر، کسی بھی ندامت کے بغیر، قدر کے اندر بلا کی بدگمانی اور شکوہ اٹڈا، غضب کی توڑ پھوڑ مچی، مجرم اگر جرم کا اعتراف نہ کرے اور ڈٹ جائے تو اس کا کیا حل؟ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، وہ اتنی ناراض تھی کہ وہاں مزید ٹھہرنا گوارا نہ تھا، اسی وقت حمدان کو کال کر دی تھی۔

''آ کر مجھے لے جائیں۔''

''اس وقت؟'' وہ غالباً سو رہا تھا، حیرت سے مستفسر ہوا، آواز میں کچی نیند کا خمار پھیلا ہوا تھا جو اسے مزید گمبھیر بنا رہا تھا۔

''اس وقت قیامت تو نہیں آنے والی جو ایسے حیران ہو رہے ہیں، نہیں آنا چاہتے تو سیدھی طرح انکار کر دیں۔'' جواب میں وہ اس کے گلے پڑ گئی تھی، حمدان کی نیند اڑ گئی، آنکھیں کھل گئی تھیں۔

''کسی کا غصہ مجھ پہ اتارنے کی ضرورت نہیں، تیار ہو کے بیٹھو آ رہا ہوں۔'' حمدان نے جھلا کر

کہا اور فون بند کر دیا، جس وقت وہ اسے لینے کو پہنچا رات کے گیارہ بج رہے تھے، وہ اسے پورٹیکو میں ہی مل گئی تھی، بے چینی سے انتظار کرتی ہوئی۔

''سب خیریت؟ کسی سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟'' دروازہ کھول کر وہ اندر بیٹھی تو حمدان نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا جو لال سرخ ہو رہا تھا، آنکھیں روئی روئی سی تھیں، جواب ندارد تھا، حمدان نے گہرا سانس بھرا۔

''ویسے تمہاری کسی سے بنتی بھی ہے؟ باپ کے گھر جاتی ہو وہاں لڑتی ہو، شوہر کے گھر رہتی ہو تو وہاں بھی شکائتیں۔'' حمدان کا انداز چھیڑتا ہوا تھا، قدر کو صحیح معنوں میں آگ لگ گئی تھی جیسے۔

''چپ ہو جائیں، ورنہ میں چلتی ہوئی گاڑی سے خود کو نیچے گرا کر خودکشی کر لوں گی۔'' اب کے وہ اپنے جذبات کنٹرول نہ کر سکی، رو پڑی، حمدان ایک دم ششدر رہ گیا، پھر خود کو سنبھال کر گہرا سانس بھرا۔

''گھر میں شانزے آئی ہوئی ہے۔'' قدر کو رونا بھول گیا صحیح معنوں میں، وہ اچنبھے میں گھر کر اسے دیکھنے لگی پھر جیسے بھڑک اٹھی تھی۔

''وہ کس حیثیت سے آپ کے ساتھ رہ رہی ہے؟'' اس کے چتون تیکھے ہوئے۔

''کزن کی حیثیت سے ظاہر ہے۔'' حمدان نے لہجے میں مقدور بھر لاپرواہی بھر کے جواب دیا۔

''تو پھر اس حیثیت کو شرعی حیثیت میں بدل لیں، دونوں کے لئے آسانی اور سہولت ہو جائے گی۔'' اس کے دھیان اور دکھ کی رونئی سمت کو بہنے لگی، حمدان مسکرایا۔

''یہ کام ایک بار کر کے ہی پچھتا رہا ہوں، پھنسا ہوا ہوں۔'' ان الفاظ نے قدر کو دھچکا پہنچایا گو کہ کسی حد تک سمجھ گئی تھی وہ محض مذاق کر رہا ہے پھر بھی۔

''ویسے تم اس سے ڈرتی کیوں ہو؟'' حمدان نے اس کی چپ سے ہار کر پھر خود سوال کیا، دراصل وہ اس سے اس بات کو اگلوانا چاہتا تھا جو اس کے خیال میں قدر نے سب سے چھپا کر اچھا نہیں کیا تھا۔

''میں کسی سے نہیں ڈرتی۔'' قدر گم صم تھی، چونک کر جواب دیا، حمدان اسے بغور دیکھتا رہا۔

''ڈرتی تو ہو...... نہ مانو الگ بات ہے۔'' حمدان نے اپنی بات پہ زور دیا اور گاڑی کی رفتار بڑھائی، قدر کچھ نہیں بولی، ہونٹ بھینچے دوسری سمت دیکھتی رہی۔

''مجھ پہ بھروسہ نہیں کرنا چاہتی ہو قدر...... بہرحال مجھ سے باتیں چھپا کے صرف نقصان اٹھاؤ گی تم یاد رکھنا۔'' گہرا سانس بھرتا ہوا حمدان کچھ تھکاوٹ کا شکار نظر آنے لگا تھا، قدر اب بھی کچھ نہیں بولی، حمدان کو عجیب سے تاسف نے گھیر لیا، گھر پہنچتے ہی وہ پھر بستر میں گھس گیا تھا، نیند سے اب بھی اس کا برا حال تھا۔

''مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟'' وہ ایک بار پھر نیند کی آغوش میں جا چکا تھا جب قدر نے آ کر اس کی چادر غصے سے کھینچ دی، حمدان نے بے بسی سے سرخ آنکھیں کھولیں، اسے ہلکا ہلکا بخار بھی تھا یہ لڑکی پتا نہیں کیوں اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

''کون سا جھوٹ؟'' وہ سگریٹ سلگا رہا تھا، نیند نہیں تو یہ سہی، اعصاب کو سکون تو ملنا چاہیے۔

''وہ......تمہاری کچھ لگتی...... خاصی چہیتی...... میں نے ملازموں سے بھی پوچھ لیا۔'' اس کے انداز میں لہجے میں رقابت ہی رقابت تھی، حمدان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

''محض اتنی سی بات کے لئے تم نے نیند خراب کر ڈالی میری، یہ انویسٹی گیشن صبح بھی کر سکتی تھیں تم۔'' وہ اسے خمار آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا، دوپٹہ جس کا ندارد تھا اور بالوں نے ریشمی گھٹاؤں کی طرح وجود کا گھیراؤ کر رکھا تھا، حمدان کی نظروں کا زاویہ اور انداز بدلنے لگا، جس سے وہ آگاہ نہیں ہو سکی۔

''کوئی بھی غلطی کر کے کسی کو اتنی آسانی اور سہولت سے تو ہرگز نہیں رہنا چاہیے۔'' جواباً وہ نخوت سے بولی تھی، جب حمدان نے ذرا سا آگے جھکتے اس کی کلائی بالکل اچانک جکڑتے ہوئے جھٹکا دیا۔

''ہاں بالکل...... جیسے دوبار میری نیند خراب کر کے اب تم اتنی آسانی سے نہیں بچ سکتیں، کیا سمجھیں۔'' اگلے جھٹکے کے نتیجے میں وہ بے اوسان ہوتی اس کے اوپر گری تھی، اس سے قبل کہ خود کو سنبھال کر پیچھے ہٹتی حمدان نے اسے اپنے توانا پرحدت بازوؤں کے حصار میں جکڑ کر قابو کر لیا تھا، قدر پہ عجیب سی گھبراہٹ طاری ہوگئی، سمجھ نہیں آئی کیا کرے، یہ سب اچھا بھی لگا تھا، دھڑکنیں سینے کے اندر حشر برپا کر رہی تھیں۔

''جتنی خوب صورت ہو اس سے بڑھ کر ظالم ہو، ہر پل تڑپاتی ہو اور خود تمہارا کبھی دل نہیں کیا میرے پاس آنے کو؟'' اس کی خوشبودار زلفوں سے کھیلتا وہ خواب آلود لہجے میں سوال کر رہا تھا، قدر کے چہرے پہ حیا کا رنگ بکھر گیا، اپنے اندر کا حال وہ اسے کیا بتاتی، زبان ساتھ دینے سے انکاری ہوگئی تھی، جس پل کچھ کہے بغیر اس نے اپنا سر حمدان کے سینے پہ رکھا اور سکون محسوس کرتے آنکھیں موندیں عین اسی لمحے کمرے میں فون کی گھنٹی شور مچانے لگی تھی، حمدان نے گہرا سانس بھرا اور ذرا سا ہاتھ ہٹا کر فون اٹھا لیا، نمبر پہ نگاہ پڑتے ہی اس کے چہرے پہ موجود موجزن جذبات کا سمندر جیسے یکلخت منجمد ہوتا چلا گیا، اس نے ایک نظر قدر کو دیکھا جو اس پوزیشن میں تھی اور اسے خود سے جھٹکا اٹھ کر کمرے سے نکل گیا، قدر پہلے حیران پھر اس قدر خفت و توہین سے روشناس ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''جی فرمایئے؟''

''تم اسے طلاق نہیں دو گے؟'' دوسری جانب روشنی تھی، تنفر سے سوال کرتی ہوئی۔

''اگر میں کہوں نہیں تو؟''

''تو میں کبھی تمہیں دودھ معاف نہیں کروں گی۔'' ادھر سے پہلے سے سوچی سمجھی دھمکی ترنت دی گئی، حمدان کے اعصاب پہ خاموشی چھا گئی، اس کے باپ نے کبھی اس سے اس کی ماں کے متعلق بات نہیں کی تھی، نہ خلاف نہ حق میں، وہ زیادہ آگاہ نہیں تھا، البتہ شاکی ضرور تھا، اگر اس کی ماں ایسی زوردار شخصیت رکھتی تھی، ایسی بااختیار تھی تو پھر اسے ایسے نظر انداز کرنا بنتا نہ تھا، اب ایک دم سے تعارف اور پھر تقاضے اور حق مانگنا عجیب لگتا تھا۔

''آج میرے حکم پہ تم اسے نہیں چھوڑ رہے ہو حمدان تو کل جب تم اس کے کردار کی وجہ سے اسے چھوڑو گے تو یاد رکھنا اس میں نہ تو میری رضا ہوگی، نہ میری خوشی کا کوئی سامان اور ایسا تم کرو گے ضرور، بی کوز وہ کب تک تم سے اپنی گھناؤنی شکل چھپا کے رکھ سکتی ہے۔'' روشنی نے طعنے کے انداز میں کہہ کر سلسلہ کاٹ دیا تھا، حمدان کے اعصاب شدید تناؤ میں آگئے تھے، بھینچے ہوئے ہونٹوں سمیت وہ پوری سگریٹ کی ڈبیا پھونک کر اندر آیا تو کمرا اندھیرا تھا، قدر بیڈ کی بجائے حسب سابق صوفے پہ تھی، حمدان نے خود کو بستر پہ گرا دیا تھا، اس رات اسے سکون حاصل کرنے کی خاطر ٹنکولائزر لینا پڑا تھا۔

☆☆☆

میں گرہ میں باندھ کے حادثات
نکل پڑا تیری کھوج میں
کہیں تارکول کی تھی سڑک
جہاں آگ بانٹتی دھوپ تھی
کبھی کچی راہ کی دھول میں
جہاں سانس لینا محال تھا
سر ذرم جاں کبھی دل کے درد سے ہار کر
میں تو خانقاہوں پہ مانگتا پھرا منتیں
کبھی رات رات دعاؤں میں بسر ہوئی
کبھی قافلے میری آس کے کسی دست شناس میں کھو گئے
میرا پیرہن تھا پھٹا ہوا کہیں گرد گرد اٹا ہوا
میں ادھورے پن کے سراب میں
تجھے ڈھونڈتا پھرا در بدر
کسی اجنبی کے دیار میں
کوئی دکھ ملا کسی موڑ پر کوئی غم ملا کسی چوک پر
کسی راہ گزر کے سکوت میں کوئی درد آ کے ڈرا گیا
کبھی چل پڑا کبھی رک گیا کسی کشمکش کے غبار میں
مجھے کیا ملا تیرے پیار میں
میں گرہ میں باندھ کے حادثات
کہیں گم ہوا تیری کھوج میں

حمدان کا رویہ دل شکن تھا، وہ چاہتی تو اس پہ گھنٹوں افسردہ رہ سکتی تھی، رہ بھی لیتی اگر اس سے اہم ترین معاملہ اس کی توجہ حاصل نہ کر چکا ہوتا، اس کی توجہ اسی فون کال میں اٹکی تھی اور بعد میں سلیمان خان نے غیر مطمئن جواب اور رویہ، اس کے اندر تو جیسے دھماکے ہو رہے تھے، آتش فشاں پھٹ رہے تھے۔

(کیا واقعی ماں زندہ ہے؟ اگر زندہ ہے اور یقیناً اس کے بارے میں آگاہ ہے تو اسے ملنا چاہیے)

بے قراری کا گراف اونچا ہو رہا تھا، بے چینی سے ٹہلتے اچانک اس کے دماغ میں جیسے جھما کا ہوا، اس کے چہرے پہ یکدم روشنی پھیل گئی، کچھ سوچا اور عجلت میں ایک نمبر ملانے لگی، جانے کیا بات تھی کال ریسیو نہ ہوئی تھی اور جب وہ جھنجلانے لگی تب فون اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو۔'' اس کا انداز بہت محتاط تھا، وہ خائف تھی ہو کے علاوہ اور نہ کوئی فون اٹھا لے خاص کر علی شیر۔

''السلام علیکم!'' دوسری جانب ہو ہی تھی، اپنے مدھم روادار انداز میں گفتگو کا آغاز، سلامتی سے کرتی ہوئیں، قدر بے تحاشا ریلیکس ہوئی، سلامتی کے جواب میں سلامتی بھیجی، انہیں تو جیسے یقین نہ آ رہا تھا کہ وہ از خود ان سے رابطہ کر چکی ہے، جذبات پہ ایسا گہرا اثر ہوا کہ بے اختیار رو پڑیں۔

''کیسی ہے میری بیٹی، خوش تو ہے نا، سچ بتا۔'' قدر نے گہرا سانس بھرا، افسردگی سے مسکرا دی۔

''جی خوش ہوں، آپ کی بیماری کا پپا سے پتا چلا تھا، طبیعت اب کیسی ہے؟''

''بہتر ہوں بیٹے، جی رہی ہوں، تم بتاؤ شوہر کیسا ہے تمہارا، تم سے محبت کرتا ہے؟ اور کوئی پیاری سی خبر بھی ہے تمہارے پاس؟'' ان کی گفتگو کا وہی رنگ وہی انداز تھا جو اس عمر کی خواتین کا ہوتا ہے۔

''سب ٹھیک ہے، حمدان بہت اچھے ہیں ہو۔''

''اللہ تمہیں ہمیشہ سہاگن رکھے آباد رکھے آمین۔''

وہ دعاؤں سے نوازنے لگیں، قدر اصل بات کی طرف آ گئی بہت رسان سے انہیں ساری بات مختصراً بتلائی پھر اکسانے والے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''مجھے آپ سے سچ سننا ہے ہو، پپا کی طرح اگر آپ بھی ابھی تلک مجھے لاعلم رکھنا چاہیں گی تو اچھا نہیں ہوگا، میں اپنی ماں کی آواز اگر سن چکی ہوں ان کے زندہ ہونے کا یقین پا چکی ہوں، تو ان تک پہنچنے کے لئے ہر حد سے گزروں گی ہر نقصان برداشت کرلوں گی، پپا کو خدا کا کوئی خوف نہیں ہے کہ وہ بیمار ہیں اپنی آخری خواہش مجھ سے ملنے کو قرار دے کر واسطے دیتی ہیں اور وہ...'' قدر بات مکمل نہیں کر سکی، جذبات اس طرح غالب آئے کہ رو پڑی، ان کا تو جیسے دل پھٹ گیا، روح میں شگاف پڑنے لگے۔

''ایسے مت رو میری بچی، میری برداشت پہلے ہی بہت کم ہو گئی ہے، تم نے ٹھیک کہا، مون کو اب تم سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے تھا جبکہ قدرت خود تمہاری آگاہی کے سامان کر چکی، خیر تم ایسا کرو، ایک آدھ دن انتظار کرلو، میں اسلام آباد آ رہی ہوں، وہیں مون کے گھر تم سے ملوں گی، سب بتا دوں گی بیٹی۔''

قدر کے لئے دو تین دن پہاڑ تھے، قیامت تھے، جو بالآخر تمام ہوئے تو وہ اسی خاموشی سے

ان ... تو اس نے بھی کیا کہ کوئی ریڈ گاڑی اس کا تعاقب کر رہی ہے مگر اس نے اتنا دھیان نہیں دیا تھا، لیکن جب قدر نے سنسان جگہ پہ باقاعدہ اسے روکا گیا اور روکنے والا بھی کوئی اور نہیں علی شیر تھا تو اسے لگا تھا وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی، خوف اس کی رگوں میں اپنے پنجے گاڑھنے لگا تھا۔

''آپ ہماری گاڑی میں آنا پسند کریں گی یا ہم آپ کو یہ شرف بخش دیں فیصلہ آپ کر لیں فیانسی صاحبہ!'' اس کی گاڑی کا دروازہ کھولے وہ ہاتھ بڑھا کر اگنیشن سے چابی کھینچ کر اپنے قبضے میں کرتا ہوا خباثت سے مسکرایا تھا، قدر کے حواس جو وقتی طور پہ مفلوج ہوئے تھے اسے غیر متوقع طور پہ سامنے پا کر یکدم الرٹ ہوئے۔

''میرا راستہ چھوڑ دو علی شیر، ورنہ ہو ہونے والے نقصان میں تمہارے نقصان کا حصہ زیادہ ہو گا۔'' وہ شیرنی کی طرح غرائی تو علی شیر بہت طنز سے مسکرایا اور کمال جرأت سے اس کی گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ لاکڈ کر دیا۔

''یہ تو تم اس کھیل کے اختتام پہ فیصلہ کرنا نقصان کس نے اٹھایا اور فائدے کون لے اڑا۔''

...

زندگی بوجھل ہونے لگے تو پھر اس کے لئے آسانیاں تلاش کرنا دشوار ہونے لگتا ہے، ایسا معاملہ ہی قدر کے ساتھ ہوا تھا، ایک سے بڑھ کر ایک پریشانی جھٹکا اور اعصابی جنگ اس پہ مسلط ہو رہی تھی، ایک جھٹکے سے سنبھلتی نہ تھی دوسرا تیار ہوتا، وہ نڈھال کر رہ گئی تھی، اپنے اوسان خطا پاتی تھی، جس کام کو اس نے معمولی سہل اور آسان جان لیا تھا وہ آغاز میں ہی الجھانے اور تھکانے کا سامان کرنے لگا۔

کچھ راستے آکٹوپس ہوتے ہیں جن پہ قدم رکھنے کی دیر ہوتی ہے اور آکٹوپسی جکڑ لیتے ہیں، ایسے بھی جکڑ لیا گیا، علی شیر کی جرأت یا پھر کمال ڈھٹائی نے قدر کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر ڈالا تھا۔

''یہ کیسی جرأت ہے؟ فوراً گاڑی سے اترو۔'' اس کی تمکنت کمال تھی، طنطنہ ختم نہ ہوتا تھا، علی شیر بے ساختہ مسکرایا۔

''ابھی تک اتنی ہی اکڑ ہے، ذرا بھی نہیں بدلی اور کسی حمدان نامی کمتر انسان میں اتنی ایبلٹی ہونی بھی نہیں چاہیے تھی کہ وہ تمہیں بدل دیتا، جہاں تک جرأت کا سوال ہے تو مت پوچھو میری جان ابھی تو جرأتوں کے آغاز ہوئے ہیں جو بے تابیوں اور گستاخیوں تلک سلسلے دراز کریں گے، وہ کیا چچا امجد کا ایک بھلا سا شعر ہے...... واہ..... کیا خوب عرض کرتے ہیں کہ۔''

بے موسم بارش کی صورت دیر تلک اور دور تلک
تیرے دیار حسن پہ میں بھی کن من کن من برسوں گا
شرم سے دہرا ہو جائے گا کان پڑا وہ بندا بھی
باد صبا کے لہجے میں اک بات میں ایسی کہہ دوں گا

''جسٹ شٹ اپ، اتر جاؤ، دفع ہو جاؤ، ورنہ میں تمہیں قتل بھی کرنے سے گریز نہیں کروں گی۔'' وہ غم و غصے سے دھاڑ اٹھی، اس کی رنگت سے جیسے خون ٹپکنے کو تھا، چہرا دہک اٹھا تھا، علی

شیر اسے لودیتی عاشقانہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"اللہ اللہ...... یہ حسن و جمال اور یہ قہرہ غضب، یہ نازکی اور یہ خوفناک دھمکیاں...... بہت بدل گئی ہو میری جان، مگر پھر بھی پیاری لگتی ہو قسم سے۔" وہ بے شرمی کی انتہا پہ تھا، اسے سرتاپا بغور دیکھتے آنکھ ماری، قدر کا خون کھول اٹھا۔

(ایس پی صاحب، میں اس وقت تمہاری بیوی کے ساتھ ہوں اپنے وعدے کے مطابق، آپ سوچیں آپ کیا کر سکتے ہیں)۔ اس نے طنز بھرا ایک ٹیکسٹ حمدان کے نمبر پہ کیا مع ایڈریس کے اس جگہ کے جہاں وہ تھے اس وقت، وہ صرف حظ لینا نہیں چاہتا تھا، آگ لگانا چاہتا تھا، تماشا دیکھنا چاہتا تھا اور جو زمین میں فساد برپا کرنے والے ہوتے ہیں اللہ انہیں پسند نہیں فرماتا۔

"ایسی باتیں کرو گے تو کچھ نہیں پاؤ گے علی شیر سوائے اس کے کہ میرے دل سے رہی سہی اپنی عزت بھی ختم کروا بیٹھو گے، چلے جاؤ میرا اب تم سے کوئی تعلق نہیں۔" دہکتی آنکھیں تادیبی انداز میں اس پہ جما کر وہ خود پہ بہت ضبط کر کے بول رہی تھی، اس بات کا جواب علی شیر کا بلند آہنگ قہقہہ تھا، جو سراسر مضحکہ اڑاتا ہوا تھا۔

"جس کے ساتھ تعلق باندھے بیٹھی مجھے چھوڑ کر [illegible] تم سے اپنا یہ تعلق توڑ جائے تو پھر بھی یہی بات اتنے آرام سے کہہ سکو گی تم؟" بات ایسی تھی کہ قدر کے اعصاب مفلوج ہوتے ہوتے رہ گئے، اس نے شاک میں مبتلا ہوتے علی شیر کو دیکھا تھا۔

"تم ایسا گھٹیا پن کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔" وہ جیسے بلک کر بولی، علی شیر پھر وہی ہنسی ہنسنے لگا۔

"میں بس یہ کہوں گا تم مجھے جان ہی نہ سکیں، میری ماں کو دیکھو مجھ سے نفرت کرتی ہے، تم بھی کر لو گی تو کیا فرق پڑے گا؟" اس نے تند انداز میں جواب دیا اور ایک طرح سے اسے ہاتھوں پہ اٹھا کر ڈرائیونگ سیٹ سے فرنٹ سیٹ پہ منتقل کیا، قدر جتنا بھی بلبلائی تڑپی [illegible] مگر وہ اپنا کام کر چکا تھا، گاڑی اوپن تھی، اس سلگتے منظر کو حمدان نے اپنی نظروں سے دیکھا اور جیسے اندر تک انگاروں پہ لوٹ گیا، پولیس جیپ ان کی گاڑی کے سامنے ایک جھٹکے سے رکی سیاہ وردی اور سیاہ گلاسز میں حمدان کی موجودگی قدر کی روح فنا کر کے رکھ گئی، ایسے موقع پہ اس کی آمد قدر کی زندگی کی رہی سہی آسانیوں کو بھی ختم کر دینے کا اعلان کرتی تھی۔

"کیوں ایس پی منصف حمدان اب یقین آیا کہ تمہاری بیوی کے دل میں ابھی تک میری محبت ہے اور یہ مجھ سے ملاقات کو اپنی مرضی سے آئی ہے؟"

سوال کرتا ہوا وہ بالکل شیطان کا عکس لگتا تھا، قدر خزاں زدہ پتے کی مانند کانپنے لگی، رنگ اتنا زرد پڑ گیا تھا گویا لہو کا آخری قطرہ بھی نچوڑ کر نکال لیا گیا ہو، وہ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر اس کی زبان جیسے کسی دھات میں ڈھل گئی، وہ بول نہیں سکی، حرکت نہیں کر سکی۔

"اسے دوبارہ ہاتھ لگانے کی غلطی نہیں دہرانا اور گاڑی سے اپنا ناپاک وجود لے کر نیچے اتر جاؤ، ورنہ یہ بے آواز گولی تمہیں ہمیشہ کو چپ کروا دے گی اور مجھے بالکل افسوس نہیں ہوگا۔" حمدان نے جانے کہاں سے ایک دم ریوالور برآمد کر لیا، اس کی آواز پھنکارتی ہوئی تھی، علی شیر پھر بھی ڈرا

نہیں گھبرایا۔

"نہ نہ ایس پی صاحب، اتنا غصہ ٹھیک نہیں ہوتا، یہ آج تمہاری نام نہاد بیوی ضرور ہے، ماضی میں میری منگیتر ہوا کرتی تھی، محبوبہ تو اب بھی ہے، بھلے پوچھ لو، آنے والے وقتوں میں وہی ہو گی میری جو تمہاری ہے اور وہ بھی جو تم نے بنانا چاہا مگر یہ بنی نہیں، بھلا کیا...... تمہارے بچوں کی ماں...... مگر میرے بچوں کی بڑے شوق سے بنے......"

اس کی بات ادھوری رہ گئی، ریوالور نے شعلہ اگلا تھا اور اگلے لمحے علی شیر ڈیش بورڈ پہ گر گیا، قدر کو یقین نہیں آیا آیا وہ واقعی مر چکا ہے، علی شیر کی کنپٹی سے بہتی خون کی لکیر اسے سراسیمہ کر گئی تھی، وہ سکتہ زدہ سی اسے یوں لمحوں میں بے جان ہوتا دیکھتی رہی، اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں، حمدان نے اتر کر دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا، پہلے اسے بازو سے پکڑ کر بے دردی سے گھسیٹ کر نیچے کھڑا کیا پھر وہ فائل اپنے قبضے میں لے لی جو اس سے قبل قدر علی شیر کے پاس دیکھ چکی تھی۔

"کاش ایسا ہی انجام میں تمہارا بھی کر سکتا۔" وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ قدر کو لگا وہ اسے واقعی جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے، وہ جس پہ لمحوں میں طاری وہ جانے والی موت کا خوف سوار تھا، جو بے ساختہ سسک پڑی تھی کہ حمدان ان آنسوؤں سے کیا نتیجہ اخذ کرے گا جیسی نازکی پہ غور کیے بنا وہ [illegible] تھے۔

حمدان اسے کن خونخوار نظروں سے دیکھ رہا ہے اور کس بے ہنگم انداز میں اس کی سانسوں کا شور اٹھ رہا ہے اسے کچھ خبر نہ تھی، وہ بار بار غیر یقینی اور خوف سے لبریز نظروں سے علی شیر کے ساکت وجود کو دیکھتی تھی، جو واقعی مر چکا تھا اور اسے مارنے والا حمدان تھا، اس کا شوہر، اس کا محبوب، حمدان کو کیا خبر وہ کس فکر میں مبتلا ہوئی ہے، وہ تو بس اسے گھسیٹتا ہوا پولیس جیپ تک لایا تھا اور سیٹ پہ اسے دھکیلتے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی جیپ جو پہلے سے اسٹارٹ حالت میں تھی جھٹکے سے آگے بڑھا دی، دوسرے لمحے اس نے سارا غصہ اور وحشت ایکسلیٹر میں منتقل کر دیا، گاڑی مختلف سڑکوں پر طوفانی رفتار سے بگولے کی مانند اڑ رہی تھی، کسی بھی چیز کے آگے آنے پر گاڑی کے ٹائر زور سے چرچراتے اور اگلے لمحے جیپ پھر کسی کھلونے کی مانند اڑنے لگتی۔

"آپ نے اسے مار دیا، کیوں مار دیا؟" وہ جیسے ہی حواس بحال کر پائی بے تحاشا روتے ہوئے اس کا بازو جھنجھوڑ کر سوال کر گئی، حمدان نے جواباً اسے خون آلود نظروں سے دیکھا تھا۔

"یہ ملک کے اہم راز کی فائل تھی، جو میری ایمانداری و جانفشانی کے باعث امانتاً میرے سپرد کی گئی تھی کہ اسے آگے بڑے آفیسر تک پہنچا دوں، محض تمہاری حماقت کی وجہ سے وہ یہ فائل گھر سے چرا کر لے آیا تھا، صرف تمہاری خاطر تو اسے قتل نہیں کیا میں نے، وہ ملک و قوم کا بھی مجرم تھا، غدار تھا۔" ایک ایک لفظ پھنکار کر ادا کرتے ہوئے وہ پتا نہیں اس پہ اس کی اصلیت کھول رہا تھا یا علی شیر کی، قدر کی آنکھیں پھٹ سی گئیں، علی شیر اس حد تک بھی گر سکتا ہے اس کے لئے یہ یقین کرنا محال تھا۔

اسی شام کے اخباروں میں موٹی شہ سرخیوں کے ساتھ سیاسی جماعت کے راتوں رات شہرت حاصل کرنے والے مقام پانے والے علی شیر کی موت کی خبر چھاپی گئی، ساتھ ایس منصف

حیات کے کارنامے کو سراہا گیا تھا، جنہوں نے جان پہ کھیل کر ملک دشمن اور غدار کو موقع پہ پکڑا تھا، قدر کا ذکر گول ہو گیا، شاید یہ عزت کے تحفظ کی خاطر اپنائی گئی مصلحت تھی۔

☆☆☆

ملے کیسے صدیوں کی پیاس اور پانی ذرا پھر سے کہنا
بڑی مضطرب ہے یہ ساری کہانی ذرا پھر سے کہنا
کہاں سے چلا تھا جدائی کا سایہ نہیں دیکھ پایا
کہ رستے میں تھی آنسوؤں کی روانی ذرا پھر سے کہنا
ہوا یہ خبر سناتی رہے اور میں سنتا رہوں
بدلنے کو ہے یہ موسم خزانی ذرا پھر سے کہنا
نگر جانے والا کبھی زندگی خوشی پھر نہ پائے
یونہی ختم کر لیں چلو یہ کہانی ذرا پھر سے کہنا
سمے کے سمندر کہا تم نے جو بھی سنا پر نہ سمجھے
جوانی کی ندی میں تھا تیز پانی ذرا پھر سے کہنا

کتنے ... ان تک ... اس خوف [illegible] نہیں نکل سکی [illegible] علی شیر سنبھالا اور ہاتھ میں ریوالور لئے حمدان، وہ آنکھیں میچ لیتی، اضطراب سے کانپنے لگتی، اس کی حالت نہیں رہی تھی جب بہو نے خود اسے فون کر لیا تھا۔

"قدر...... وہ تمہاری وجہ سے برباد ہوا نہ تمہاری وجہ سے گیا، لیکن دل کو اک ملال ضرور ہے، کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔"

وہ بار بار روتی تھیں، اتنا کہ بات مکمل نہ کر پاتیں، قدر کیا کہتی، وہ تو خود کو مجرم سمجھتی تھی، بری الذمہ قرار ہی نہ دے پاتی، علی شیر وہ تھا جس سے اس کی شادی ہونی تھی، مگر حمدان سے ہو گئی اور حمدان کے ہاتھوں ہی علی شیر کی موت واقع ہو گئی، کتنی عجیب کہانی تھی اور تاسف و ملال سے بھری ہوئی بھی۔

"اس نے سارے ہی کام غلط شروع کر لئے تھے، ضد اور مخالفت میں وہ اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ پلٹ کر دیکھنا ہی یاد نہیں رہا، وہ اتنا بدل گیا تھا کہ مجھے یقین نہیں آتا تھا میرا بیٹا ہے علی شیر۔" ہو سسکیاں بھرتی تھیں، قدر کے آنسو بے آواز بہنے لگے۔

"ساری دنیا اسے مجرم سمجھتی ہے اور اس کی موت پہ ذرا برابر افسوس نہیں کرتی، مگر میں کیا کروں ایک ماں ہوں، جس کے آنسو اپنے بیٹے کی جوانی میں بہتے ہیں، بیٹا بھی وہ جس کی دنیا خراب ہوئی اور آخرت بھی مجھے یہ احساس اضطراب سے نکلنے نہیں دیتا کہ وہ بد نصیب اپنی حرکتوں سے عاقبت بھی داؤ پہ لگا گیا، مجھے کیسے چین آئے، کس طرح صبر آئے؟" ان کی آواز کی بلک اس کا دل رگیدنے لگی، قدر کیا جواب دیتی، اس کے پاس تو تسلی و ڈھارس کے الفاظ بھی باقی نہ رہے تھے۔

☆☆☆

بیگ کے ہینڈل پہ اس نے گرفت مضبوط کی اور پلٹ کر اک حسرت و یاس بھری نگاہ در و دیوار پہ ڈالی، ایک دن شام رخصت ہونے کو تھی، پھر لوٹ کر کبھی نہ آنے کے لئے، شاید اس کی طرح۔

اس نے سرد آہ بھری تھی اور پلٹ پلٹ کر دیکھتے قدم بڑھانے لگی تو آنکھ کی پور پہ مچلتا آنسو بے تابی سے پھسل کر قدموں میں رل گیا، اسے یاد آیا اس نے حمدان سے معافی مانگنے کی کوشش کی تھی۔

"علی شیر کی اصلیت کیا تھی میں لاعلم تھی اور......" وہ اس وقت اس کے کمرے میں آئی جب وہ صبح آفس جانے کو تیار ہو رہا تھا۔

اس صفائی یا وضاحت پہ ناپسندیدگی کا تاثر یوں دیا کہ ہاتھ میں موجود پرفیوم کی شیشی ناگواری سمیت ٹیبل پہ پٹخ دی تھی۔

"یہاں سے جاؤ، مجھے کسی آرگومنٹ کی ضرورت نہیں۔"

"لیکن مجھے ہے، آپ مجھے غلط سمجھیں، مجھے......"

"تم غلط ہو، تو تلی غلط...... اوکے۔" وہ غرایا تھا، اس کی آنکھوں میں کتنی نفرت تھی، قدر سناٹے میں گھر گئی۔

"حمدان میں......"

"میرا نام اپنی زبان پہ مت لاؤ، میں نے کہا یہاں سے چلی جاؤ، مجھے تمہاری صورت سے بھی نفرت ہے، اگر تم سر سلیمان کی بیٹی نہ ہوتیں تو اب تک اس گھر میں نظر نہیں آ رہی ہوتیں۔" حمدان کا لہجہ و انداز اس قدر روڈ اور سفاکانہ تھا کہ قدر روہانسی ہو گئی تھی۔

"آپ مجھ سے محبت کرتے تھے، اتنا کیسے بدل سکتے ہیں۔" سوال نہیں ہوا تھا، وہ تو نقصان کی شدت کی تاب نہ لاتے بلک پڑی تھی۔

"یہ سوال مجھ سے نہیں، اپنے ضمیر سے کرو، شاید تمہیں شرم آ جائے۔" جواباً اس کا قہر بار لہجہ کتنا سرد ہو گیا تھا جس کی تاب نہ لاتی وہ روتی ہوئی وہاں سے بھاگ آئی تھی اور پھر یہ حمدان کی بے اعتنائی ہی تھی کہ جس نے اسے اس فیصلے پہ مجبور کر دیا تھا، اس نے سلیمان خان کو فون کیا تھا۔

"مجھے یہاں سے لے جائیں پپا، ورنہ میں شاید زندہ نہ رہ سکوں۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی، سلیمان کو تو سب بھول گیا، انہیں بھلا ان کے درمیان ہونے والی چپقلش کا کیا پتا، وہ اگلے آدھے گھنٹے میں اس کے روبرو تھے۔

"ایسے کیوں کہا بیٹے، آخر ایسا کیا ہوگا؟ کیا حمدان سے کوئی شکایت ہے؟" وہ کتنے فکر مند تھے، قدر نے سرد آہ بھر لی تھی، خود کو سنبھال لیا، ہر دکھ اندر چھپا لیا۔

"میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں پپا، مجھے ایک بار صرف ایک بار میری ماں سے ملا دیں۔" ان کے گلے لگتی وہ زار و قطار رونے لگی، سلیمان کے اعصاب پہ سکوت چھا گیا۔

"ٹھیک ہے، میں تمہاری ٹکٹ اوکے کرا دوں گا، پاسپورٹ تو بنا ہوا ہی ہے تمہارا۔" خاصی تاخیر سے وہ بولے تو پھر وہاں مزید ٹھہرے بھی نہیں تھے، قدر کو یقین نہ آ سکا وہ مان گئے ہیں، اسے

یہ یقین کیسے آتا کہ وہ اپنی ماں کو زندہ سلامت دیکھے گی، اس سے ملے گی، پھر بعد کی معاملات میں ذرا دیر نہ لگی، پتا نہیں اس عجلت کی وجہ کیا ٹھہری ہو گی، شاید اب وہ عورت جو بیٹی سے ملنے کی خواہش میں دن شمار کرتی تھی، لمحوں کا حساب رکھتی تھی۔

جس وقت سلیمان خان نے اسے بتایا صبح اس کی فلائیٹ ہے جانے کس احساس نے اس کی آنکھیں بھگو ڈالی تھیں، وہ بہت دنوں بعد کھانے کی ٹیبل پہ آئی مگر حمدان نے کوئی رسپانس نہیں دیا، اس کا ہونا نہ ہونا اہمیت کھو گیا تھا، یہ خیال کتنا جان لیوا اور تکلیف دہ تھا۔

''میں نے پپا سے کہا تھا مجھے انگلینڈ بھجوا دیں، کل جا رہی ہوں۔'' اس کی توجہ نہ ملنے کے باوجود اس نے ڈھیٹ بن کر خود اسے مخاطب کیا، حمدان نے چھری اور کانٹا پلیٹ میں واپس رکھا، رومال اٹھا کر اس سے منہ پونچھا۔

''مجھے بتانے کا مقصد، اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہیں روکنے کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس خوش فہمی سے نکل آؤ۔'' وہ کتنی بے رخی سے بات کرنے لگ گیا تھا، قدر کچھ نہیں بولی، البتہ اس کی آنکھوں میں آنسو ضرور آ گئے تھے۔

''وہاں میری مدر ہیں، میں شاید ان کے پاس رہ جاؤں ہمیشہ کے لئے۔'' وہ پتھر تھا اگر تو قدر نے پتھر توڑنے ضرب لگانے کی کوشش جاری رکھی، امید رکھی ختم نہیں ہوتی ہونی بھی نہیں چاہیے۔

''تو مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟'' اس نے جواباً سرد مہری سے سوال کیا تو قدر کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا، حمدان سے اس درجہ بے رخی کی توقع رکھتے ہوئے بھی وہ قدم قدم پہ ہرٹ ہو رہی تھی، بکھر رہی تھی تو پتا نہیں کیوں...... حالانکہ کبھی وقت تھا وہ اس کے ساتھ یہ رویہ اپنائے ہوئے تھی اور کبھی اس کے احساسات پہ غور کیا تھا نا ہی اس کے دکھ کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''ہمارا ریلیشن اس قسم کا ہے کہ آپ کی اس بات پہ کوئی ایموشنل سین یا ڈائیلاگ کی آپ توقع رکھیں، میم...... میرے لئے آپ کا یہاں ہونا یہاں سے چلے جانا کوئی معنی نہیں رکھتا، آپ جو بھی فیصلہ کریں گی اپنے لئے کریں گی اس میں میرا کوئی بھی کسی قسم کا عمل دخل نہیں ہے۔'' ہنوز اس سرد لہجے میں وہ پتھر پھوڑ رہا تھا، قدر آنکھوں میں آنسو لئے کھڑی رہی، ہونٹ بھینچے ہوئے تھے سختی سے مگر پھر بھی کانپنے لگے تھے، وہ وہاں کھڑی نہیں رہ سکی، تیزی سے پلٹ کر وہاں سے نکل گئی، ساری رات وہ جاگی تھی اور ساری رات روئی، امید ایک فیصد بھی نہیں تھی مگر وہ منتظر تھی حمدان اس کے پاس آئے گا، کچھ کہے گا، اسے منائے گا، ایک ایک پل بھاری رہا مگر آنے والا نہیں آیا، دروازہ چوکھٹ اور راہداری حمدان کے قدموں کی آہٹ کی آس میں اس سمیت جاگتے رہے مگر آنے والا تمام راستوں پر برف گرا چکا تھا، دل پہ برف گرا چکا تھا، کیسے لوٹتا...... برف میں جذبوں کی لپک نہیں ہوتی، جامد ہو جانے والے احساس کہاں پگھلا کرتے ہیں۔

☆☆☆

جس کی آنکھوں میں بھی اشکوں کی روانی ہو گی
در حقیقت وہ محبت کی کہانی ہو گی
وہ جو بچپن ہی لگتا تھا مجھے جادوگر

کیا غم دیتا ہے ہو کا اب اس پہ جوانی ہو گی
عشق کرتے ہو تو پیغام رسائی کیسی ......
پیار کی بات غیروں کی زبانی ہو گی
کل مجھے کہنے لگی اس کے لہجے کی خوشبو
اس کی ہر یاد تجھے دل سے بھلانی ہو گی
خاک اڑتی ہوئی گلیوں میں وہ پھرتے ہوں گے
غم کے ماروں کی یہی مخصوص نشانی ہو گی

ڈرائیور کے ہمراہ وہ ائیر پورٹ پہنچی تو شدت گریہ سے اس کا چہرا اور آنکھیں ورم آلود تھیں، حمدان کی غیر موجودگی اور اس کی صورت سے ٹپکتی بے مائیگی کو سلیمان خان نے خصوصیت سے نوٹ کیا اور سیاہ گلاسز اپنی آنکھوں پر چڑھا کر ان میں اترنے والا اس کا درد اس سے چھپا لیا، سفید کاٹن کا سوٹ بلیک لیدر کے چپل میں ان کی سرخ و سفید رنگت دہک رہی تھی، اس سادگی میں بھی غضب کی مردانہ وجاہت و خوبروئی سمیت پورے ماحول پہ ان کی شخصیت کا تاثر پھیلا ہوا تھا۔

''حمدان کا آج بہت مصروف دن تھا پپا، انہیں ارلی مارننگ ہی ایمر جنسی میں کال کر لیا گیا تھا۔'' از خود وضاحت دیتی ہوئی اپنا اور شوہر کا بھرم باپ کے سامنے رکھتی ہوئی یہ وہ پہلے والی قدر نہ تھی، اس کے باوجود سلیمان کو انجانے دکھ نے گھیر لیا۔

''انسان کی لمحہ بھر کی خطا اس کی زندگی کا روگ بن جائے ایسا المیہ کوئی اور نہیں ہو سکتا، میری دعا ہے تم دونوں ہمیشہ ایسی خطا سے بچے رہو آمین۔'' اس وضاحت کے جواب میں انہوں نے جو کہا وہ قدر کو شرمسار کر گیا، انہوں نے الوداعی انداز میں اس کا سر تھپکا تو وہ ٹوٹی شاخ کی مانند ان کے ساتھ آ لگی تھی۔

''مجھے معاف کر دیجئے گا پپا، جانے انجانے میں آپ کو بہت دکھ دے چکی۔'' اس کی آواز اور گلا دونوں بھرا گئے، سلیمان خان نے محبت و شفقت کے ساتھ نرمی کے ساتھ اس کا سر تھپتھپایا۔

''والدین کے دل اولاد کے معاملے میں بہت وسیع ہوتے ہیں میری جان، ان کی خطاؤں کو یاد نہیں رکھتے ان کی معصوم اداؤں اور فرمانبرداری کے جال میں جکڑے رہتے ہیں، خوش رہتے ہیں، مجھے بھی تمہاری بچپن کی معصوم اداؤں اور جن مقامات پہ بھی تم نے فرمانبرداری و محبت کا ثبوت پیش کیا اسی سنہرے جال میں قید ہے اور یہ قید بہت دلربا ہوتی ہے، نکلنے کو دل نہیں مانتا...... خیر تم ابھی نہیں سمجھو گی، جب تم صاحب اولاد ہو گی از خود سمجھ آ جائے گی، آئی وش کہ اس موقع پہ حمدان تمہارے ساتھ ہوتا مگر اب جبکہ ایسا نہیں ہوا تو اس کی سزا بھی ہم تجویز کر چکے ہیں، یعنی وہ تمہاری واپسی کے وقت تمہیں لینے انگلینڈ جائے گا۔'' اس کا گال تھپک کر اسے بہلاتے ہوئے سلیمان خان کو دیکھتی اس کی نم آنکھوں میں آنسو مچل اٹھے، مگر وہ پھر بھی بڑی دقت سے مسکرا دی تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

بشریٰ ماہا

مکمل ناول

سال کی آخری رات تھی... نئے سال کا آغاز ہونے میں کچھ ہی گھنٹے رہ گئے تھے۔ لوگ جشن منا رہے تھے۔ شہر کے مختلف علاقوں میں مختلف اقسام کی New year پارٹیز اس وقت عروج پر تھیں سب خوش تھے خوشیاں منا رہے تھے جیسے سال نہیں زمانہ بدل رہا ہو۔ جیسے کلینڈر کے بدلنے سے محض کچھ گھنٹوں میں سب کچھ بدل جائے گا۔ لیکن حقیقت میں کہاں کچھ بدلتا ہے۔ موسم بھی وہی رہتا لوگ بھی وہی... آسمان بھی وہی.. چاند تارے بھی وہ ہی زندگی بھی وہ ہی بس زندگی میں خوشیوں کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے کچھ نئے موقع میسر آجاتے ہیں اور تو کچھ بھی نہیں بدلتا اور یہ صرف اس کی سوچ تھی... ایک ٹوٹی بکھری اداس لڑکی کی سوچ ضروری تو نہیں کہ ہر کوئی اتفاق بھی کرے۔ شہر بھر میں بلکہ ملک بھر میں جہاں اتنے لوگ جشن منا رہے تھے۔ خوشی میں جام نوش کر رہے تھے۔ جھوم رہے تھے۔ ناچ رہے تھے گا رہے تھے۔ وہیں اس ملک کے سب سے خوبصورت شہر کے۔ سب سے مہنگے علاقے میں واقع اس شاندار بنگلے کے اندر ایک کمرے میں بیٹھی وہ لڑکی اپنی ناتمام خواہشوں اور ادھوری محبت کا ماتم منا رہی تھی۔ شاید اس شہر میں اس وقت وہ واحد لڑکی تھی جس کی آنکھوں میں غم کے آنسو تھے اور جسے نئے سال کا نا انتظار تھا اور نا خوشی۔ اس کا وہ شاندار کمرہ اس وقت گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا صرف ایک سفید رنگ کی موم بتی تھی جس کی جلتی لو اس وقت اس اندھیرے کو دور کرنے میں ہلکان تھی۔ اور وہ خود اس موم بتی کی جلتی بڑھکتی لو پہ نگاہیں جمائیں بلکل ساکت بیٹھی تھی.... یوں جیسے۔ سانس لیا تو ارتکاز ٹوٹ جائے گا۔ جنبش کی تو سب کچھ بکھر جائے۔ گا۔ اور وہ چاہ کر بھی سمیٹ نا سکے گی۔

موم بتی قطرہ قطرہ کرکے ختم ہو رہی تھی اور خود وہ، وہ تو شاید بہت پہلے۔ ہی ختم ہو چکی تھی۔

کمرے میں ایک بار پھر وہ ہی مانوس مہک ہر شے پر حاوی تھی جس کی کبھی وہ دیوانی تھی لیکن وہ خوشبو اسے



سوائے۔ اذیت کے۔ اور کچھ نہیں دیتی تھی... لیکن اسے تو وہ اذیت بھی قبول تھی... اس کے آنے تک اس لڑکی کو ہر۔ درد قبول تھا۔

امپورٹیڈ شیشے کی بنی اس ٹیبل پہ اس وقت سوکھے گلاب، ہینڈ میڈ کارڈز اور فرینڈشپ بینڈز کا ڈھیر بکھرا پڑا تھا، یہ سب چیزیں یہ سب یادیں اس شخص سے وابستہ تھیں جو کبھی زندگی کی ضمانت تھا، اور جس سے ایک آخری بار ملنے کی چاہ میں وہ اب تک زندہ تھی۔

انتظار طویل تر تھا لیکن اب اختتام کی طرف گامزن تھا۔ اسے نا جانے کیوں یقین تھا کہ جس کی یاد میں آج وہ یہ شام ہجراں منا رہی تھی۔ وہ بھی دنیا کے کسی کونے میں اس ہی کی طرح اپنی زندگی کو سگریٹ کے دھویں میں منا رہا ہوگا۔ سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا آج وہ خود سے بھاگ رہا ہوگا۔

اسے کامل یقین تھا کہ ایک دن وہ لوٹ کر ضرور آئے گا، وہ شخص جو اس کی زات کو جلتے الاؤ کے حوالے کر گیا تھا وہ ہی شخص ایک دن اس سے اپنے سکون کی بھیک مانگنے ضرور آئے گا۔ اور وہ تب... اس سے کوئی حساب نہیں مانگے گی، نا اپنے۔ آنسوؤں کا اور نا اپنی تنہائیوں کا، نارسوائیوں کا اور نا ہی دھتکارے جانے کا وہ تب سب کچھ بھول جائے گی اور اسے معاف کردے گی۔

لیکن شاید تب وہ خود اپنے آپ کو نہ معاف کر سکے گا۔

دسمبر کی شب آخر نا پوچھو کس طرح گزری
یہ ہی لگتا تھا ہر پل وہ ہمیں کچھ پھول بھیجے گا

****

وہ ہاتھوں میں تازہ پھولوں کا بکے تھامے انجان چہروں میں اک شناسا چہرہ تلاش کر رہی تھی.... وہ ہی شناسا چہرہ جو اسے تنہائیوں سے نکال کر اس محفل میں لانے کا سبب تھا۔

عروب what a pleaseant suprize,
کسی کی شوخ آواز اس کی پشت پر ابھری۔ آواز میں خوشی اور حیرانی دونوں کے۔ رنگ بے حد واضح تھے۔

اس کی تلاش [illegible]

اور اپنے سامنے کھڑے اس شاندار پرسنالٹی والے شخص کو دیکھ کر مسکرائیں۔

اس کی تلاش مکمل ہو چکی تھی۔ یہ ہی وہ شناسا تھا جس کے لیے وہ اس وقت یہاں تھی۔

مجھے ذرا بھی یقین نہیں تھا کہ تم یہاں آؤ گی حالانکہ میں نے تم سے اس فنکشن میں آنے کے لیے بے حساب منتیں بھی کی تھیں۔ پھر بھی دیکھو میں حیران ہوں۔ وہ مسکراتا ہوا بولا، مسکرانے سے اس کے۔ دائیں گال میں ایک ہلکا سا ڈمپل پڑ رہا تھا۔

اوہ پلیز عفان۔۔۔ اب آپ اتنا حیران ہو کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔۔۔ وہ شرمندہ سا ہو کر اپنے کانوں میں پہنے ایئر رنگ کو بلا مقصد ٹھیک کرنے لگی۔

اچھا سوری۔۔۔ آؤ میں تمہیں آج کے فنکشن کی اہم ہستیوں سے ملواتا ہوں۔ میرا مطلب ہے۔ بھیا بھابھی سے۔۔۔ وہ شرارتی انداز میں باتیں کرتا اسے اسٹیج تک لایا تھا۔

عفان واحد اور عروب احسان۔ وہ دونوں ایک ہی فرم میں کام کرتے تھے۔ وہ اسے پچھلے تین سال سے جانتی تھی۔ اس کے جیسا زندہ دل ہنس مکھ انسان عروب احسان نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی نیچر اتنی تو سوفٹ تھی کہ اس جیسی روکھی پھیکی اور خاموش لڑکی کے دل میں بھی وہ اپنے لیے تھوڑی ہی سہی مگر جگہ بنا چکا تھا۔ وہ اسے دوست نہیں سمجھتی تھی تو کبھی اجنبی بھی نہیں سمجھا۔ اس نے بن کہے عروب کی ہزار بار مدد کی تھی۔ وہ ہر شے میں ماہر تھا۔

وہ کبھی کسی بھی طرح کی سوشل گیدرنگز میں شرکت نہیں کرتی تھی... لیکن عفان کے۔ بھائی بھابھی کے ریسپشن۔ کے فنکشن میں آنے پر مجبور ہو گئی تھی... یا شاید عفان کے خلوص کے سامنے ہار گئی تھی جو بھی تھا۔ پر وہ اس شخص کے لیے اس انجان لوگوں کی محفل میں ان کی خوشیوں کا حصہ بننے چلی آئی تھی۔

ان سے ملیں نوشین بھابھی یہ عروب

ہیں... میری کولیگ پلس بہت اچھی فرینڈ۔

اسٹیج پر اس وقت صرف بھابھی تھیں۔ بھائی اپنے کچھ فرینڈز کے ساتھ مصروف تھے۔ اس لیے اس نے عروب کو سب سے پہلے ان سے ہی متعارف کرایا تھا۔

اسلام وعلیکم۔ اس نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے انہیں سلام کرا اور بکے ان کی طرف بڑھایا۔

وعلیکم اسلام اور بہت بہت شکریہ۔ ان خوبصورت پھولوں کے لیے۔ بھابھی نے جواباً بہت محبت سے جواب دیا۔ عفان ان سے پہلے بھی کئی بار عروب کا ذکر کر چکا تھا اور اس ہی لیے اس وقت انہیں وہ بلکل اجنبی نہیں لگی تھی۔

عروب تو تمہاری باتوں سے۔ بھی کئی زیادہ پیاری اور معصوم ہے عفان اس سے ملنے کے بعد مجھے یوں لگ رہا ہے۔ جیسے تم اس کی تعریفوں میں بہت ہی کنجوسی سے کام لیتے رہے ہو، وہ اب عروب کو دیکھتے عفان سے مخاطب تھیں۔

ان کی باتیں سن کر عروب کے گال بے اختیار سرخ ہوئے۔

اس وقت وہ سفید کلر کی پیروں تک آتی گھیر دار فراک میں ملبوس تھی... میک اپ کے نام پر اس نے صرف ایک لپ اسٹک اور لائنر لگایا تھا۔ اور اپنے خوبصورت بالوں کو شانوں پہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اور بس اتنی سی تیاری میں بھی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ شاید جو لوگ کبھی نہیں سجتے وہ ہلکا سا بھی تیار ہو جائیں تو بے حد حسین لگنے لگتے۔ وہ بھابھی کی بات پر بلش ہوتی عروب کو دیکھ کر یوں مسکرایا جیسے بھابھی نے عروب کی نہیں اس کی تعریف کی ہو۔

آؤ عروب تمہیں باقی گھر والوں سے بھی ملواتا ہوں۔ ویسے تو بھابھی کی طرح وہ لوگ بھی پہلے سے تم سے واقف ہیں... لیکن بس کبھی دیکھا نہیں ہے۔ وہ مسکراتا ہوا بولتا اسے لے کر اپنی ماما کے پاس آیا تھا۔ اس کی ماما کسی خاتون سے باتوں میں مصروف تھیں۔ عفان کے متوجہ کرنے پر انہوں نے اس خاتون سے معزرت کر

لی تھی اور ان دونوں کے قریب چلی آئیں۔۔۔

آہاں تو یہ ہے عروب۔۔۔ ماشاء اللہ۔۔۔ وہ بنا عفان کے تعارف کرائے ہی اسے پہچان گئی تھیں۔ اور ماشاء اللہ کہتے اسے گلے سے لگا لیا۔۔۔ کچھ ہی دیر میں اس کے دیگر بہن بھائی بھی وہیں چلے آئے تھے۔ سب اس سے یوں مل رہے تھے جیسے وہ کوئی وی آئی پی ہو یا وہ لوگ اسے پہلے سے جانتے ہوں، سب کی اتنی محبت اور توجہ عروب کو اچھی لگ رہی تھی، وہ سب لوگ بہت اچھے اور پر خلوص تھے۔

عروب آپی۔۔۔ بھائی نے آپ کی اتنی تعریفیں کی تھیں کہ ہم لوگ تو بے چین۔ ہو گئے تھے آپ سے ملنے کے لیے، اور سب سے زیادہ تو مجھے خواہش تھی آپ سے ملنے کی، آخر میں بھائی کی بیسٹ فرینڈ جو ہوں۔ عفان کی چھوٹی بہن ایکسائیٹڈ سی بولی، عروب کو جب سمجھ نہیں آیا کہ جواب کیا دے تو وہ محض مسکرا دی تھی۔

وہ سب لوگ ایک ہی ٹیبل کے گرد جمع تھے، عفان بھی اپنی ماما کے برابر بیٹھا مسکراتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں آج بھی محبت کے وہ ہی دیے روشن تھے جن سے عروب کبھی انجان نہیں رہی۔ اس کا ہر انداز مسکرا مسکرا کر اس سے کہتا تھا کہ اے بے پرواہ لڑکی مجھے تم سے۔ محبت ہے۔۔ عشق کی حدوں کو چھوتی محبت۔۔۔۔

لیکن وہ سب کچھ جان کر بھی انجان بن جاتی۔ جو لوگ محبت کے ستائے ہوں وہ پھر یوں ہی محبت کے احساس سے ڈرنے لگتے ہیں۔

نفیس مرد وہ ہوتا جو آپ کو یوں چاہے کہ آپ کو اپنا آپ اس کی محبت کی چادر اوڑھ کر معتبر لگنے لگے۔

اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ عفان واحد کی محبت میں عزت کے رنگ بھی بے حد روشن ہیں۔

یہ اس کی محبت کا اعزاز ہی تو تھا کہ اس کے گھر والے اسے یوں عزت دے رہے تھے، پیار دے رہے تھے۔۔۔ جیسے وہ کوئی بہت ہی معتبر ہستی ہو۔

وہ سب عفان کی محبت سے واقف تھے، انہیں معلوم تھا یہ لڑکی عفان کے دل کے سنگاسن پر راج کرتی ہے، جتنا اسے وہ چاہتا ہے۔ اب کسی کو نہیں چاہے گا۔ وہ جتنا اس کا ہے کسی کا نہیں ہے۔ جب ہم ایک بار کسی کے بن جاتے ہیں تو پھر عمر بھر کسی دوسرے کے نہیں بن پاتے۔ دل کی صاف سلیٹ پر جو پہلا نام لکھا جاتا پھر وہ مرتے دم تک نہیں مٹتا، اور یہ سب جانتے ہوئے بھی وہ اس سے حسد کر رہے تھے اور نہ نفرت۔۔۔ بلکہ وہ تو اسے اتنا پیار اور اپنا پن دے رہے تھے کہ وہ حیران رہ گئی تھی۔

یہ کیسے لوگ تھے۔ عروب کو لگا جیسے وہ کسی اور ہی جہاں میں آ گئی ہو۔

اسے آج احساس ہوا کہ عفان اتنا نائس ہے تو کیوں۔ کیوں کہ اس کی پرورش کرنے والے ہاتھ جو اتنے اعلیٰ تھے۔

انسان کے انداز و اطوار اس کے خاندان کا چیخ چیخ کر بتاتے ہیں کہ وہ کسی سے اس کے ظرف کے مطابق نہیں بلکہ اپنے۔ ظرف کے مطابق ملتا ہے اور اس بات پر عروب کو آج یقین آ گیا تھا۔

اس نے اپنی زندگی کا ایک یادگار وقت ان سب کے ساتھ گزارا تھا اور پھر ڈنر کے بعد ان سب سے اجازت چاہی تھی۔

سب کو اللہ حافظ کہنے کے بعد وہ عفان کے ساتھ پارکنگ تک آئی اور اسے بھی گڈ بائے کہا۔
تھینکس عفان اتنے اچھے اور پیارے لوگوں سے ملوانے کے لیے، اگر آج میں آپ کی بات مان کر یہاں نہ آتی تو یقیناً ایک بہترین وقت اپنے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسال دیتی۔ وہ مسکرا کر بولتی اپنی کار کی طرف بڑھی۔

اوہ پلیز عروب۔۔۔ اب تو اتنے بھاری بھر کم لفظ استعمال نا کرو۔ اور ہاں گڈ بائے تم مجھے تب کہنا جب میں تمہیں تمہارے گھر تک پہنچا دوں، وہ مسکراتا ہوا بولا۔

کیا مطلب۔۔۔ اس نے چونک کر عفان کا چہرہ دیکھا۔

مطلب یہ کے، میں آپ کو اتنی رات گئے اکیلے نہیں جانے دے سکتا، میں جانتا ہوں آپ بہت بہادر ہیں اور اکیلی جا سکتی ہیں لیکن میں اتنا بہادر ہرگز نہیں کہ اپنی اتنی اچھی فرینڈ کو اتنی رات گئے اکیلے جانے دوں۔۔۔۔ اس نے شرارتی انداز میں بولتے اس کے ہاتھ سے کار کی چابیاں لیں، اور لاک کھولنے لگا۔

جب کہ عروب بنا بحث کیے دوسری طرف سے پینجر سیٹ پہ آ بیٹھی۔

ریسیپشن کا فنکشن شہر سے باہر واقع فارم ہاؤس میں آرگنائز کیا گیا تھا اور اب جب رات اتنی گہری ہو چکی تھی تو وہ خود بھی اکیلے جاتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

وہ دونوں پہلی بار ایک ساتھ سفر کر رہے تھے، کار میں مہیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی جسے توڑنے کے لیے عروب نے ایف ایم آن کیا۔

پندرہ منٹ کا وہ سفر ان دونوں نے ایف ایم پر چلتے گانوں کو انجوائے کرتے طے کیا تھا۔ ان گزرے پندرہ منٹ میں دونوں میں سے کسی نے بھی اس خاموشی کو توڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جو نا ہوتے ہوئے بھی کہیں ان کے درمیاں ہی رہ گئی تھی۔

آپ چاہیں تو میری کار لے جا سکتے ہیں عفان۔۔۔ واپسی کے سفر میں آپ کو آسانی رہے گی۔ گھر کے گیٹ پر پہنچ کر یہ پہلی بات تھی جو عروب نے عفان سے کی تھی۔

نہیں۔۔ میں ڈرائیور کو کال کر رہا ہوں، وہ کچھ دیر میں مجھے پک کر لے گا۔ اس نے مسکرا کر سہولت سے انکار کیا اور گاڑی سے اتر گیا، عروب بھی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر تب تک اتر چکی تھی۔

تاروں بھرے سیاہ آسمان پر اک بھرپور نگاہ ڈالنے کے بعد اس نے اک سرسری نظر عروب پر ڈالی تھی اور یوں لگا جیسے کوئی پری سفید پوشاک پہنے آج زمین پر اتر آئی ہو، اونچے اونچے پام کے درخت جیسے اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں۔ کم از کم عفان کو تو اس سیاہ رات میں اس پل وہ اک پری ہی لگی تھی۔

بس ایک نظر تھی جو اس نے عروب پر ڈالی تھی اگلے ہی لمحے میں وہ اپنے خیالوں پر ہنستا آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا اس تک آیا تھا اور کی رنگ اس کی طرف بڑھائی تھی۔

تھینک یو عفان۔۔۔ مجھے سچ میں آپ کی ضرورت تھی آج۔۔۔ اس نے مسکرا کر کی رنگ تھامتے اقرار کیا۔

جانتا تھا، اور یہ بھی جانتا تھا تم کبھی یہ بات خود سے نہیں کہتیں، وہ عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔

تم جانتی ہو عروب میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟ اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

نہیں تو۔۔۔ عروب نے دھیرے سے نفی میں سر ہلا کر بولا۔

میری سب سے بڑی خواہش ہے کہ یہ جو اک تکلف کی دیوار ہے ناں ہمارے درمیان۔۔۔ یہ نہ رہے۔۔۔ میں کبھی بن کہے تمہاری مدد کروں تو تم جواب میں مجھے کبھی تھینکس نا بولو۔ لیکن خیر، چھوڑو۔ شاید ہر خواہش کی قسمت میں تکمیل نہیں ہوتی وہ اذیت سے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا تھا۔ جواب میں عروب بس اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا۔ اور خود عفان نے بھی اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا تھا۔۔ وہ اک آخری نظر اس پر ڈال کر واپسی کے راستے پر پلٹ گیا تھا۔ عروب احسان کی نظروں نے اس کا دور تک تعاقب کیا تھا۔۔۔ وہ تب تک وہیں کھڑی رہی تھی جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد عروب نے بھی گھر کے دروازے کی طرف جاتی سیڑھیوں پر قدم رکھ دیے تھے۔

جس وقت اس نے لاؤنج میں قدم رکھے رات کے گیارہ بج رہے تھے اور پاپا لاؤنج میں بیٹھے اشفاق احمد کی زاویہ پڑھنے میں مصروف تھے، یا شاید کوشش

کرر ہے تھے خود کو مصروف رکھنے کی۔

باباجان، آپ اب تک جاگ رہے ہیں تین انچ کی اس پینسل ہیلو سے اس کے پیروں میں سخت درد شروع ہو گیا تھا اس لیے آتے ساتھ سب سے پہلے اس نے سینڈل کی قید سے اپنے پیروں کو آزاد کیا تھا۔ وہ جوگرز پہنے کی عادی تھی اس لیے اس نازک ہیل نے اسے کچھ ہی گھنٹوں میں تھکا دیا تھا۔

ارے تم اتنی جلدی آگئیں بیٹا، وہ اس کا سوال سرے سے نظر انداز کرتے حیرانی سے بولے، آپ انتظار کر رہے تھے نا میرا۔ ٹھنڈے ٹھار ماربل کے فرش پر پیر رکھتے ہی تازگی کا فرحت بخش احساس اس کی روح تک میں اتر گیا تھا۔

نہیں تو، میں تو اشفاق احمد کی یہ کتاب پڑھ رہا تھا۔ بہت انٹرسٹنگ ہے یہ بیٹا، تم بھی ضرور پڑھنا۔ انہوں نے فوراً نفی میں سر ہلاتے بات بدلنے کی کوشش کی۔

آپ میرا انتظار کرتے ہوئے یہ کتاب پڑھ رہے تھے پاپا، اور یہ بات میں جانتی ہوں۔ وہ وہیں قالین پر ان کے قدموں کے پاس بیٹھی تھی اور اپنا سر ان کے گھٹنوں پر ٹکا دیا تھا۔ اس بار وہ بنا کچھ بولے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے تھے شفقت سے۔

یہ صرف اس کے باباجان نہیں تھے، یہ اس کی طاقت اس کا مان اس کے دوست اس کی جان، سب کچھ تھے اس کے۔

جانتے ہیں پاپا آج میں جس مقام پر ہوں اس کی وجہ آپ ہی ہیں اگر آپ کی محبت آپ کا یقین نا ہوتا میرے ساتھ تو میں تو کئی سال پہلے ہی مر چکی ہوتی میری دعا ہے کہ اللہ آپ جیسا باپ ہر بیٹی کو دے، بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی جسے اس نے اپنی چھوٹی انگلی سے صاف کیا۔

بس کرو عروب، جو گزر گیا وہ بھول جاؤ۔ زندگی میں آگے بڑھو جیسے سب بڑھ گئے ہیں۔ میں تمہیں سب سے پیچھے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی آنکھوں کی نمی انہیں اذیت میں مبتلا کر گئی تھی۔

بھول تو چکی ہوں پاپا، دیکھیں آپ کی عروب زندگی میں کتنی آگے بڑھ چکی ہے، آج وہ جہاں ہے کوئی بھی تو نہیں ہے وہاں، اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے اپنی بات مکمل کی۔

جب تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا تو کوشش کیوں کرتی ہو جھوٹ بولنے کی، وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کر قرب سے بولے تھے۔ اور بولنے کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ وہ غلط وقت پر غلط لفظ استعمال کر چکے ہیں۔

یہ تو آپ کہتے ہیں نا باباجان کہ مجھے جھوٹ بولنا نہیں آتا، دنیا کی نظر میں تو عروب احسان جھوٹ ہے، اک فریب ہے، وہ نا چاہتے ہوئے بھی بولتے بولتے سسک پڑی تھی اور اگلے ہی پل روتے ہوئے وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔ اب باقی کی ساری رات اس کی یوں ہی گزرنی تھی وہ جانتے تھے۔ اے میرے اللہ میری بچی کی زندگی میں سچی محبت بھر دے یا اللہ، اس کے ہر آنسو ہر تکلیف کا ازالہ کر دے یا اللہ، اسے کوئی ایسا ہمسفر عطا کر دے جو اسے مجھ سے بھی زیادہ چاہے، سچے دل سے انہوں نے اس پل بیٹی کے لیے دعا کی تھی، اور شاید یہ وقت قبولیت کا تھا۔

****

نئی صبح اپنے ساتھ انداز بھی کچھ نئے ہی لائی تھی۔ رات گزر گئی تھی اور اپنے سنگ اداسیوں کی وہ تاریکی بھی لے گئی تھی۔ آنے والی صبح اب نکھری نکھری تھی، کیوں کہ باقی رہ جانے والے درد اب دلوں میں قید ہو گئے تھے۔

وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ڈائننگ حال میں آئی تو وہاں پہلے ہی سب ناشتے میں مصروف تھے۔ گرم گرم پراٹھوں اور چائے کی خشبو فضا میں گھلی ہوئی تھی۔

اسلام وعلیکم۔۔۔ وہ سب کو سلام کرتی اپنی کرسی کھینچ کر بیٹھی اور جلدی جلدی سلائس پر شہد لگانے لگی۔ اسے دیکھ کر رابعہ بیگم بوائل ایگ اور کافی کا کپ ٹرے میں سجا کر لے آئیں، جسے اس نے شکریہ کے ساتھ پکڑ لیا

تھا۔ جب سے ماما اب اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔

کیسا گزرا رات کا فنکشن عروب تم نے انجوائے تو کیا ناں۔۔۔ وہ اب اس کی طرف دیکھتی پوچھنے لگیں، جی بہت انجوائے کیا، ماما اگر آپ چلتیں تو آپ کو بھی بہت اچھا لگتا۔ وہ نرمی سے مسکراتی انہیں بتانے لگی اور ساتھ ہی اُبلے ہوئے انڈے پر نمک اور کالی مرچ بھی چھڑکنے لگی۔

آہاں کل تو تمہیں بہت دیر ہو گئی تھی عروب، ماما اگر تمہارے ساتھ چلی جاتیں کل تو یقیناً آج کی ان کی امپورٹینٹ میٹنگ انہیں کینسل کرنی پڑتی۔ یہ تو بس تمہارا ہی حوصلہ ہے کہ رات رات بھر جاگ کر بھی اپنے وقت پر صبح اٹھ جاتی ہو، زیب ایک بھرپور طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے عروب سے بولی تھی، اور جسے سن کر عروب کا کافی کا کپ اٹھاتا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔

ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم زیب، یہ عروب کا ہی حوصلہ ہو سکتا ہے، کیوں کہ وقت کی پابندی کرنا اور وقت پر اپنی جگہ پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

زیب کے طنز کا جواب پاپا نے دیا تھا، ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی اس کی ڈھال بن گئے تھے۔

جی بلکل، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پاپا۔۔۔ میری پیاری بہن عروب ہے ہی اتنی اچھی، بلکہ دنیا میں سب سے اچھی سب سے نائس اور سب سے بیسٹ۔

مزے سے فرنچ ٹوسٹ کھاتا عمیر بھی عروب کو دیکھ کر محبت سے بولا تھا، اور ان سب کی باتیں سن کر جہاں عروب کی روح تک میں سکون اترا وہیں زیب جل بھن سی گئی تھی۔

تھینک یو عمیر۔۔۔ تم بھی دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہو، اور زیب مجھے اتنی دیر تو بلکل نہیں ہوئی تھی کہ جتنی کبھی تم کر دیا کرتی تھیں نہ جانے ہم دوسروں پر انگلی اٹھاتے اپنا وقت کیوں بھول جاتے ہیں۔۔۔ ہیں نا ماما۔۔۔ اس نے مسکراتے ہوئے پہلے بھائی کو دیکھا اور پھر دوبارہ ناشتے کی طرف متوجہ ہوتی سنجیدگی سے بولی۔

جب ہمارے سامنے اپنوں کا اصل چہرہ آجاتا ہے نا تو ہم چاہ کر بھی ان کے سامنے محبت اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہر نہیں کر پاتے۔ جو دکھوں کے برزخ میں دھکیل دیں ہاتھ۔ ان ہی ہاتھوں میں کوئی چاہتوں کے پھول تھمائے بھی تو کیسے۔

ارے یاد آیا ماما۔۔۔ کل حسام بتا رہے تھے کچھ ہی ماہ میں انصر واپس پاکستان آرہا ہے۔ اور اس ہی لیے پھوپھو نے اس کے لیے لڑکیاں دیکھنا بھی شروع کر دی ہیں۔ اور آج کل وہ اس کام میں اتنی مصروف ہو چکی ہیں کہ مجھے بھی بھول سی گئی ہیں۔ زیب سے زیادہ دیر تک عروب کا سکون برداشت نہیں ہوا تھا اس لیے وہ عام سے انداز میں روانی سے بولتی اس ٹیبل پر موجود ہر شخص کا سکون غارت کر گئی تھی اور اپنی بات ختم کر کے اس نے یوں سوری بولا جیسے یہ بات غلطی سے اس کے منہ سے نکل گئی ہے۔

او کے پاپا میں چلتی ہوں، مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ دعا کیجیے گا۔ ڈائننگ ٹیبل پر پھیلے اس سکوت کو عروب کی ہی آواز نے توڑا تھا۔ وہ یوں اٹھی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کا سکون تھا یا شاید اب اسے اپنے تاثرات چھپانے کا ہنر آگیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد عمیر اور پاپا دونوں نے زیب کو خشمگیں نظروں سے دیکھا تھا اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔

جب کہ اب وہ لاپرواہی سے بیٹھی مزے سے ناشتہ کرنے لگی۔ ماما نے اسے کچھ کہنے کا سوچا لیکن پھر اس کی حالت کے پیش نظر لب بھینچ کر رہ گئیں۔

****

احسان ملک اسلام آباد کی ایک مشہور یونیورسٹی کے ڈین تھے۔ ماہ روز ان کی محبت ہی نہیں ان کی بے حد پیاری بیوی بھی تھیں۔ جن کے ساتھ نے ان کی زندگی کو جنت کا نمونہ بنا دیا تھا۔ وہ ایک بے حد پرسکون اور مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔ اللہ نے۔ ان کی

خوشیوں میں عروب کی صورت میں اضافہ کیا۔
ماہ روز اور احسان جیسے بیٹی کو دیکھ کر جیتے تھے، دونوں کی ہی عروب میں جان تھی اور اتنی محبت نے بھی اسے بگاڑا نہیں، وہ ایک بہت پیاری اور فرمانبردار بچی تھی۔ تھوڑی شرارتی اور کچھ نٹ کھٹ۔۔۔ لیکن اس کی شرارتیں بھی کبھی کسی کا دل دکھانے کا موجب نہیں بنیں۔
اور پھر عروب پانچ سال کی تھی جب ماہ روز ان دونوں کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے دنیا سے چلی گئیں۔
پہلے پہل تو ان دونوں کو ہی یقین نہیں آیا کہ ماہ روز چلی گئی ہیں۔ ایک کار ایکسیڈینٹ ان کی خوشیوں کو ہمیشہ کے لیے ان سے دور لے گیا ہے۔ ایک سال یوں ہی گزر گیا۔ احسان ملک عروب کے لیے ماں اور باپ دونوں بن گئے۔
ان کے بہت سے دوستوں اور عزیز و اقارب نے انہیں دوسری شادی کا مشورہ دیا لیکن وہ اپنی بیٹی کے لیے کسی صورت سوتیلی ماں لانے کو راضی نہیں ہوئے۔
اور پھر عروب چھے سال کی تھی جب اس کی کلاس میں ایک نئی بچی کا اضافہ ہوا۔ اور وہ بچی زیب تھی۔
حساس اور معصوم سی عروب کو وہ سنجیدہ سنجیدہ سی اداس اداس سی زیب پتا نہیں کیوں مگر بہت اچھی لگی تھی۔
بہت جلد دونوں میں دوستی ہو گئی اور یہ ہی دوستی اسکول سے بڑھ کر گھر تک پہنچ گئی۔
زیب کی ماما عروب کا بھی زیب کی طرح خیال رکھتیں اس سے اتنے ہی پیار سے پیش آتیں۔ اور عروب کو لگتا جیسے ماہ روز رابعہ آنٹی کی صورت میں واپس لوٹ آئی ہوں.... ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ ان سے اٹیچ ہوتی گئی اور یہ اٹیچمنٹ اتنی بڑھی کہ ایک دن عروب نے پاپا سے ایک عجیب فرمائش کر دی۔
بابا جان۔۔۔ زیب کے پاپا نہیں ہیں، اسے اپنے پاپا کی کمی محسوس ہوتی ہے۔
میری ماما جان نہیں ہیں اور مجھے ماما جان کی کمی محسوس ہوتی۔
مجھے رابعہ آنٹی بہت پسند ہیں بابا جان۔۔۔ کیوں نا ہم انہیں میری ماما جان بنا کر اس گھر میں لے آئیں۔
وہ سنجیدگی سے بولتی ہوئی انہیں حیران کر گئی تھی۔ وہ چھ سال اور چار ماہ کی ایک چھوٹی سی بچی تھی۔ اس نے اتنی بڑی بات کیسے سوچ لی تھی۔
رابعہ فاروق اور احسان ملک تو آج تک کبھی ملے تک نہیں تھے۔ پھر یہ خیال۔۔۔۔
وہ اس کی بات سن کر پریشان ہو گئے۔
عروب بیٹا یہ بات آپ سے کس نے کہی ہے۔ انہوں نے بے حد پیار سے پوچھا۔
میرے دل نے بابا جان۔۔۔ آنکھیں پٹپٹاتے معصومیت سے جواب دیا گیا۔
لیکن بیٹا آپ کی تو ماما ہیں اور وہ بہت پیار بھی کرتیں ہیں آپ سے۔۔۔ بس کچھ دور چلے گئی ہیں۔ انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
نہیں بابا جان وہ تھوڑی نہیں۔ بہت دور چلے گئی ہیں اتنی ہی دور جتنی دور زیب کے پاپا چلے گئے ہیں۔ اور اب وہ دونوں کبھی لوٹ کر نہیں آسکتے۔ وہ ان سے زیادہ سمجھداری کی باتیں کر رہی تھی۔
اور پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی فرمائش ضد میں بدلتی چلے گئی اور یہ ہی ضد انہیں رابعہ فاروق کے دروازے تک لے گئی جو ایک مشہور سائیکیاٹرسٹ تھیں۔
قدرت نے انہیں ملوانا تھا۔ ان کا جوڑ پہلے ہی لکھا تھا اور اس ہی لیے وہ ان کی زندگی میں چلی آئیں اور یہیں سے عروب کے برے دن شروع ہوئے۔
احسان ملک تو اس سے بہت محبت کرتے ہی تھے لیکن اب رابعہ بیگم بھی اسے۔ ایک ماں کی طرح ہی چاہنے لگیں۔ پہلے وہ صرف زیب کی ماں تھیں اب عروب کی بھی بن گئی تھیں۔ توجہ بٹی اور اختلاف شروع ہوا۔ قدرت نے ان کی زندگی میں عمیر کی صورت میں اپنی نعمت بھیجی اور اس طرح زیب پر سے رابعہ بیگم کی توجہ کم ہوتی چلے گئی۔ وہ پہلے باپ کے لیے ترستی

تھی اب جیسے ماں بھی پرائی ہو گئی تھی جب کہ عروب اس کے بابا جان اسے اب پہلے سے بھی زیادہ چاہنے لگے۔ چاہتے تو وہ زیب کو بھی تھے لیکن اپنا خون تو اپنا ہی ہوتا۔
وقت گزرتا رہا، عروب کی ذہانت، خوبصورتی اس کا خلوص اس کا اپنا پن، سادگی ہر طرف زیب کو شکست دیتا چلا گیا اور اس طرح زیب کے دل میں حسد اور پھر نفرت کا جذبہ پلتا چلا گیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ آنے والا کل اس حسد کے اور انتقام کے ہاتھوں عروب کی زندگی کیسے تباہ کرنے والا تھا۔
زیب فاروق کیسے عروب احسان کی زندگی کو برزخ میں تبدیل کرنے والی تھی۔

****

عروب کیا میں تمہارا لیپ ٹاپ استعمال کر سکتا ہوں۔ دراصل مجھے ایک بے حد ضروری میل کرنی ہے لیکن میرے۔ لیپ ٹاپ کی بیٹری ڈیڈ ہو گئی ہے۔ عفان فائل پر نظر دوڑاتا مصروف سے انداز میں اس کے آفس میں داخل ہوا تھا۔
آہاں جی ضرور اس نے اپنا لیپ ٹاپ اس کی طرف کر کے اپنی نگاہیں فائل پر مرکوز کی تھیں وہ ایسا نہیں کرتی تو عفان اس کی ڈسٹربینس محسوس کر لیتا اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔
آج باوجود کوشش کہ وہ اپنا دھیان کام پر مرکوز نہیں رکھ پا رہی تھی۔ بار بار اس کی توجہ بھٹک رہی تھی۔ صبح ناشتے کی میز پر ہونے والی بدمزگی اب تک اس کے اعصاب پر چھائی ہوئی تھی میز پر پھیلی کتنی ہی فائلز اس کی توجہ کی محتاج تھیں اسے آج سائٹ پہ وزٹ کرنے بھی جانا تھا اس کے علاوہ ایک ضروری میٹنگ بھی اٹینڈ کرنا تھی لیکن اب یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔
وہ پاکستان آرہا ہے۔ وہ زندگی میں آگے بڑھ چکا ہے۔ صرف یہ ہی دو خیال تھے۔ اس کے علاوہ اس کا ذہن اس پل کچھ سوچنے کے قابل نہیں تھا۔
عروب۔۔۔ عروب۔ وہ ایک بار پھر سوچوں کے اژدھام میں گم ہو گئی تھی اور اس ہی لیے وہ عفان کی پکار بھی نا سن سکی تھی.... اسے احساس تب ہوا جب عفان نے اس کی آنکھوں کے آگے اپنا ہاتھ لہرایا۔
آہاں۔ جی۔ بولیں۔ وہ چونک کر حال میں لوٹی۔
میں آپ کو پچھلے پانچ منٹ سے پکار رہا تھا۔ آپ کہاں تھیں عروب وہ حیرانی سے اس کا زرد ہوتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔
کہیں نہیں میں فائل پڑھ رہی تھی سوری آپ کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔ وہ شرمندہ ہوئی۔
آپ ٹھیک ہیں عروب؟ اگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو آپ آف لے لیں۔ وہ فکرمندی سے بولا تھا۔ اس نے عروب کو یہ جتانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس نے تو فائل ہی الٹی پکڑی ہوئی ہے۔ ایسے میں بھلا وہ کیا پڑھ رہی تھی۔
میں ٹھیک ہوں، ڈونٹ وری۔ اس نے مسکرا کر عفان کو طمینان دلانے کی کوشش کی۔
لیکن ایسا لگ نہیں رہا۔ خیر۔۔۔ چار بجے ہمیں سائٹ پر جانا ہے۔ آپ کو یاد ہے ناں۔ وہ مطمئن تو نہیں ہوا تھا لیکن اس نے بات بدل دی تھی۔ اور عروب نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔
چار بجے وہ لوگ سائٹ پر آئے۔ روزانہ کے برعکس آج موسم۔ خوشگوار تھا دھوپ کھل کر نکلی تھی جب کہ سرد ہوا بھی چل رہی تھی۔ ان کا پروجیکٹ آدھے سے زیادہ مکمل ہو چکا تھا۔ سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا یہ ایک سرکاری مدرسہ کم یونیورسٹی کی عمارت تھی۔ وہ اور عفان اس عمارت کا اندر سے جائزہ لے رہے تھے۔ جب اس کے پیر میں کوئی نوکیلی چیز چبھی درد بھرے تاثرات فوراً اس کے چہرے پہ آئے اور زبان سے چیخ نکلی۔
اس کا دھیان شاید کہیں اور ہی تھا تب ہی تو اسے کسی نوکیلے پتھر سے ٹھوکر لگی توازن پھسلا اور اس کا پیر سیمنٹ اور بجری کے اس ڈھیر کے پاس پڑے کانچ

کے ٹکڑے پر پڑ گیا۔ درد کی لہر اسے کے پورے جسم میں دوڑ گئی تھی۔ باوجود ضبط کے بھی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔

اس کی چیخ سن کر اس سے کچھ قدم آگے چلتے عفان نے پلٹ کر دیکھا۔

یہ کیا کرا ہے تم نے عروب، وہ اس کے پیر سے خون نکلتا دیکھ گھبرا سا گیا تھا۔

او گاڈ تم اتنا بڑا کانچ نہیں دیکھ سکیں عروب... کہاں گم ہو آخر تم آج غصے سے بولتا وہ دوڑ کر اس کے پاس آیا۔ اور نیچے بیٹھ کر اس کی پیر اپنے گھٹنے پر رکھا۔ وہ تین انچ لمبا ایک شیشے کے گلاس کا ٹکڑا تھا جو اس کی ایڑھی میں چبھا تھا۔

باوجود ضبط کے بھی عروب کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہنے لگے۔ اب نا جانے یہ کانچ چبھنے کے درد کے سبب تھے یا پھر دل کا درد کم کرنے کا بہانہ مل گیا تھا۔

عفان نے کانچ نکال کر اس کے پیر پر اپنا رومال باندھ دیا تھا اور پھر سہارہ دے کر کار تک لایا۔ وہ وہاں سے اسے سیدھا ہاسپٹل لایا۔ اور پراپر طریقے سے اس کے پیر کی بینڈج کرائی۔

وہ یہ سارے کام بے حد سنجیدگی اور فکر مندی سے کر رہا تھا۔ اس نے عروب کو گھر ڈراپ کرنے سے پہلے فارمیسی سے اس کے لیے میڈیسن خریدی تھیں۔

پلیز اب اپنا خیال رکھنا عروب جو بھی پریشانی ہے پلیز اسے کچھ وقت کے لیے بھول جاؤ۔ میڈیسنز وقت پر لینا وہ ضروری ہدایت کے بعد وہاں سے چلا آیا تھا۔ اس کا یہ انداز عروب کے لیے نیا نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی اتنی ہی فکر کرتا، خیال رکھتا، عزت دیتا۔ وہ ہر بار اس کے خلوص کو محسوس کرتی اور اسے احساس ہوتا وہ اتنی محبت کے قابل تو نہیں۔ اب بھی ایک بار پھر اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں یہ سوچ کر کہ اتنا خلوص تو اسے وہاں سے بھی نہیں ملا تھا جہاں اس نے محبتیں نچھاور کرنے کی حد کو دی تھی اس نے شکستہ قدموں سے چلتے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کی اور لاؤنج میں قدم رکھا۔

حد ہے بھئی لوگوں کی قسمت تو کیا خوب بنائی ہے اللہ نے ایک جاتا ہے اور دوسرا ہمدرد پہنچ جاتا ہے۔

یہ زیب کے زہر میں بجھے لفظ تھے جو اس کو دیکھتے ہی تیر کی طرح نکلے تھے۔ غالباً وہ لاؤنج کی گلاس ونڈو سے عفان کو دیکھ چکی تھی۔

عروب نے بنا کچھ کہے ایک سرد نگاہ زیب کے چہرے پر ڈالی اور اگلے ہی پل آہستگی سے اپنے کمرے کی اور چل دی۔

****

ڈاکٹر نے شاید اسے پین کلر کے ساتھ نیند کی بھی ٹیبلیٹ دی تھی۔ اس ہی لیے وہ شام کی سوئی صبح اٹھی تھی۔ لمبی اور پرسکون نیند کے بعد اب وہ خود کو کافی تر و تازہ اور فریش محسوس کر رہی تھی۔ پیر کا زخم بھی اب بہتر تھا اور درد بھی کچھ کم تھا۔ کاش دل کے زخم بھی کسی دوا سے مندمل ہو سکتے اور ان کے درد میں بھی کمی آ سکتی۔

اس نے اپنی انگلیوں سے پیر سہلاتے افسردگی سے سوچا اور پھر منفی سوچوں کو ذہن سے جھٹکتی کھڑی ہوئی۔ وہ فریش ہو کر جس وقت واش روم سے نکلی صبح کے سات بج رہے تھے اور اس کا فون مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے دیکھا، عفان کی کال تھی۔

السلام علیکم۔۔۔ اس نے یس کا بٹن پریس کر کے سیل فون کان سے لگایا اور سلام کیا۔

وعلیکم السلام..... اب کیسی طبیعت ہے تمہاری عروب۔ وہ فکر مندی سے بولا۔

الحمدللہ اب تو بہت بہتر ہوں۔۔۔ زخم بھی کافی بہتر ہے۔ لیکن شاید آج آفس نا آ سکوں۔ وہ فون کان سے لگائے لگائے اب کھڑکیوں کے پردے سمیٹ رہی تھی۔ باہر لان میں بڑی خوبصورت صبح جلوہ افروز تھی۔

ہاں پریشان مت ہو۔ میں لیو دے دوں گا۔ ویسے بھی آج کے دن تو کم از کم تمہیں ریسٹ کرنا چاہیے۔

وہ سنجیدگی سے بولتا اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

تھینک یو سو مچ عفان۔ وہ اب دیوار سے ٹیک لگائے

[illegible]

کس لیے۔ دوسری طرف وہ حیران ہوا۔

ہر اس چیز کے لیے جو آج تک آپ نے بنا کسی رشتے کے میرے لیے کی اوہ پلیز۔۔۔ تمہیں کس نے کہہ دیا ہمارے درمیاں کوئی رشتہ نہیں۔ تم دوست ہو میری جس سے میں بہت محبت کرتا ہوں اس لیے دوبارہ کبھی یہ بھاری بھرکم جملے بول کر میرے جذبوں کا مذاق مت اڑانا۔ اب کی بار وہ سنجیدہ مگر دوٹوک لہجے میں بولا اور پھر بنا کچھ سنے فون کاٹ چکا تھا۔ جب کہ عروب اب تک حیران پریشان ساکت سی اس دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

یہ کیا کہہ دیا تھا عفان نے۔

محبت۔۔۔ کیا یہ اظہار تھا۔ وہ اظہار جس سے ہمیشہ عروب نے پہلو بچایا تھا اور آج وہ ہی اظہار عفان نے کس موقعے پر کر دیا تھا۔ وہ کیسے بتاتی اسے کہ محبت اس کی منزل نہیں، اور اگر ہے بھی تو منزل کی عروب کو خواہش نہیں۔ وہ کیسے کہتی کہ اپنے حصے کی محبت وہ کر چکی ہے اور اب اس کی زندگی میں کسی محبت کی گنجائش نہیں بچی۔ وہ کیسے بتاتی اسے یہ سب اس نے تو سننے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں فون چھپائے ایک بار پھر آنسو بہانے لگی تھی۔ ہاں ہر دم خوش رہنے والی لڑکی کو تب سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں آتا تھا۔

****

سیاہ بادلوں کی اوٹ میں چھپا آسمان شہر کی خوبصورتی میں اداسی کے رنگ شامل کر رہا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں، ساتھ ہی دن میں رات کا سماں بندھ گیا تھا۔ ایسے میں وہ دونوں آفس سے سیدھے قریبی پارک چلے آئے تھے۔ آج عروب عفان سے کچھ ضروری بات کرنا چاہ رہی تھی اور وہ بات آفس کے مصروف ماحول میں کرنا ممکن نہیں تھی۔ وہ عفان کو کلیئر کرنا چاہتی تھی کہ اس کے دل میں اس کی زندگی میں عفان کی بالکل گنجائش نہیں۔ عفان ایک اچھا انسان تھا

[illegible] نہیں چاہتی تھی کہ وہ لاحاصل کے پیچھے بھاگے۔

وہ اسے صاف بتا دینا چاہتی تھی کہ اس کا دل پتھر بن چکا ہے اور اس کے کانچ سے جذبات اس پتھر سے ٹکرا کر چکنا چور ہو جائیں گے۔ عفان آپ اپنے انمول جذبے غلط لڑکی پر لٹا رہے ہیں۔ میری زندگی میں کبھی آپ کی جگہ نہیں بن سکتی۔ آپ مجھ سے جو چاہتے ہیں وہ ہونا ناممکن ہے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ صاف گوئی سے بولی۔

عفان نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس سے اتنی صاف گوئی کی امید نہیں کر رہا تھا۔

کیا چاہ رہا ہوں میں تم سے عروب۔۔۔ اس نے عروب کی آنکھوں میں دیکھ کر سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

آپ اچھے سے جانتے ہیں۔ اس نے نگاہیں چرائیں۔

نہیں میں نہیں جانتا۔ تم بتاؤ میں کیا چاہ رہا ہوں۔

اس بار عروب اسے بس دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اس کی سنجیدگی نے عروب کو نگاہیں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔ آفس کی ہزار باتیں اس سے کرنا آسان تھیں لیکن اس ایک موضوع پر بات کرنا بہت مشکل۔

اس کی جھکی نظروں کو عفان نے لمحے بھر کو دیکھا اور ایک لمبی سانس بھر کے سامنے دیکھنے لگا۔ اس کی نظریں سامنے کھیلتے بچوں پر جم گئی تھیں۔

میں شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے عروب۔ اور یہ فیصلہ میں نے۔ بہت سوچ سمجھ کر لیا ہے۔ وہ اب بہت سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

عفان۔۔۔ عروب نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

پہلے میری سن لو عروب مجھے گول مول باتیں کرنی نہیں آتیں۔ میں جس طرح کا بندہ ہوں تم اچھے سے جانتی ہو۔ ہم بچکانہ دور سے نکل چکے ہیں۔ اس ایج میں کوئی بھی سمجھدار بندہ شادی جیسا اہم فیصلہ محض پسندیدگی یا محبت کی بنا پر نہیں لیتا۔

میں تمہیں پچھلے چار سالوں سے جانتا ہوں۔ کہتے ہیں کسی کو جاننا ہو تو اس کے ساتھ سفر کر لو۔ ہم بھی تو پچھلے

چار سال سے زندگی کا سفر ایک ساتھ کر رہے ہیں۔ میں تمہاری ہر اچھی بری عادت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اور سب سے بڑی بات یہ جو تمہارا چہرہ ہے ناں یہ ایک مکمل کتاب ہے۔ جسے میں نے ان چار سالوں میں بارہا پڑھا ہے۔ تمہاری ان گہری جھیل سی آنکھوں میں ہلکورے لیتے درد اور اداسی سے کب میری دوستی ہوئی مجھے پتا ہی نہیں چلا۔

میں نے تمہیں پسند کیا اس کی وجہ تمہارا ظاہری حسن نہیں تمہاری چھپی ہوئی خوبیاں ہیں۔ میں ظاہری حسن پر مر مٹنے والا بندہ ہوتا اور نا ہی خوبصورتی میری ترجیحات میں شامل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اب تک اکیلا نہیں ہوتا۔ وہ بہت آرام آرام سے بول رہا تھا۔

تم پیاری ہو بلکہ بہت زیادہ پیاری ہو اور تمہیں پیارا تمہارے چہرے کی خوبصورتی نہیں بلکہ آنکھوں کی حیا اور کردار کی مضبوطی بناتی ہے۔ تمہارے کردار کی گواہی تو میں قسم کھا کر بھی دے سکتا ہوں عروب احسان۔ وہ اب اس کی خوبیاں بیان کر رہا تھا۔

عروب کو پتا نہیں چلا کب اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ ایسی باتیں کر کے اسے کمزور کر رہا تھا۔

ہر انسان کا ماضی ہوتا ہے۔ میرا بھی ہوگا۔ تمہارا بھی ہوگا۔ لیکن ماضی جب حال کو تباہ کرنے لگے تو اسے پیچھے ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ تمہارے گزرے کل میں تم نے کیا کرایا تمہارے ساتھ کیا ہوا مجھے اس سے نہ غرض ہے نہ واسطہ۔ میں تمہارے ساتھ اپنا مستقبل اور حال دیکھتا ہوں۔ مجھے تمہارے کل میں نہیں جینا۔ مجھے تمہارے آج میں زندہ رہنا ہے۔

جو کل گزر چکا اس پر رونے کے بجائے اگر ہم اپنا آج آنے والے کل کو خوبصورت بنانے میں گزاریں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

عفان کی باتیں اس کے آنسوؤں میں مزید شدت پیدا کر رہی تھیں۔

اس کی ہر بات پر عروب کو وہ یاد آ رہا تھا۔ جس سے پندرہ سال کا تعلق تھا۔ اور ایک عفان تھا جس سے محض چار سال کی آشنائی تھی۔ پندرہ سال بار کے تھے۔ چار سالوں کا ساتھ سبقت لے چکا تھا۔

عروب نے اسے کبھی اتنا سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ لیکن عفان بنا دیکھے بھی جان گیا کہ وہ رو رہی ہے۔

آنسو الجھنوں کا حل نہیں ہوتے... پھر کیوں ہم بات بے بات کثرت سے انہیں بہانے لگتے ہیں۔ میں انسان ہوں فرشتہ نہیں کہ آنسوؤں اور خاموشیوں کا مطلب بھی سمجھ سکوں۔

مجھ سے بات کرو عروب۔ مجھے satisfy کرو لائل کے ساتھ اپنے انکار کی وجہ دو۔ وہ اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔

عروب نے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو صاف کیے۔ اور گلا کھنکار کے بولنے کی کوشش کی۔

وہ اب دور لگے املتاس کے درخت پر چہکتی چڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔

میرا جواب اب بھی ناں ہے، تمہیں ٹھوس جواز چاہیے نا تو یہ رہا وہ جواز۔۔۔ عروب نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھا کر اس کی نظروں کے سامنے کیا۔ جس میں ایک نازک سی ہیرے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔

اس کا مطلب تو سمجھتے ہو نا عفان۔۔۔

نہیں۔۔۔ عفان نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

اس کا مطلب ہے میں کسی سے منسوب ہوں۔ عفان کسی کی امانت ہوں میں ہماری راہیں کبھی ایک نہیں ہو سکتیں۔

یہ جھوٹ ہے عروب، تم جھوٹ بول رہی ہو ناں۔ مجھے یقین نہیں۔ اس نے نفی میں یوں سر ہلایا جیسے اس کے انکار پر وہ کہہ دے گی یہ جھوٹ ہے عفان۔

یہی سچ ہے عفان ایک حقیقت جسے نا تم جھٹلا سکتے ہو اور نہ ہی میں تو تم نے پہلے کبھی کیوں نہیں آشکار کی یہ حقیقت عروب احسان وہ کمزور پڑا اس کی جذبوں سے بوجھل آواز میں ویرانیاں جھلکنے لگیں۔

بتانے کے لیے ایسا کچھ تھا ہی کیا؟ وہ بڑبڑائی۔

[illegible] جتنا میں تمہیں چاہتا ہوں اتنا تمہیں اور کوئی نہیں چاہ سکتا تمہاری خوشیاں مجھ سے ہی منسوب ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو ہم ملتے ہی کیوں؟

اور جواباً عروب نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

ہمارا ساتھ بس اتنا ہی تھا۔ اب ہمیں اپنے اپنے راستوں پر چلنا ہوگا عفان سب بھول کر تمہیں ایک نئی زندگی شروع کرنی ہے وہ اب بینچ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اس وقت عروب کی آنکھیں ضبط کی انتہا سے سرخ ہو رہی تھیں جیسے کوئی انگارہ دہک رہا ہو۔ اس کے قدم تیزی سے واپسی کی اور اٹھنے لگے۔

عروب۔۔۔ وہ ابھی عفان سے کچھ قدم کے فاصلے کی دوری پر ہی تھی جب اس نے ایک بار پھر عروب کو پکارا۔ اس کا لہجہ شکستہ تھا۔ ہارا ہوا سا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ عمر بھر کی پونجی لٹا آیا ہو۔

عروب نے پلٹ کر دیکھا۔ اس نے ہمیشہ عفان کو نک سک سے تیار فریش دیکھا تھا۔ آج پہلی بار وہ اسے ٹوٹا ٹوٹا بکھرا بکھرا لگا۔

زندگی میں کسی بھی موڑ پر اگر تمہیں میری ضرورت محسوس ہو تو پلٹ کر ضرور دیکھنا عروب احسان میں تمہیں اس ہی موڑ پر ملوں گا جہاں تم مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو۔

عروب نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔ لبوں کو زخمی مسکراہٹ نے چھوا اور اس نے منہ پھیر لیا۔ اگر وہ ایسا نا کرتی تو ضبط ٹوٹ جاتا اور ایسے ٹوٹتا کہ دیکھنے والے بکھر جاتے۔

***

زندگی عروب احسان پر کسی بے پناہ محبت کرنے والی ماں کی طرح مہربان تھی۔ اور زیب وہ خود کو کسی درخت سے گرے خزاں رسیدہ پتے کی طرح تصور کرتی تھی۔ اور تب ہی النصر بہار کے خوشگوار جھونکے کی صورت ان کی زندگی میں آیا تھا۔ النصر عالم کرنل عالم اور شافیہ عالم کا لاڈلا بیٹا زیب کا پھوپھو زاد اور بہت اچھا ... سب ...

عالم انکل فوج میں تھے ان کی زندگی کا بڑا حصہ مختلف علاقوں میں پوسٹنگ میں گزرا تھا۔ اور اب جب وہ ریٹائر ہو چکے تھے تو ایک بار پھر وہ اپنے آبائی شہر... شہر اقتدار اسلام آباد شفٹ ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس ہی کالونی میں گھر بنوایا تھا جہاں احسان ملک اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ ان لوگوں کے اسلام آباد شفٹ ہونے کے بعد زیب کا زیادہ تر وقت وہیں گزرنے لگا۔ ان کے بڑے بیٹے حسام اور چھوٹے بیٹے النصر دونوں ہی سے اس کی خوب دوستی تھی۔ جب کہ شافیہ بیگم اکلوتے بھائی کی اس اکلوتی نشانی پر جان نچھاور کرتی تھیں۔ ان کے اسلام آباد شفٹ ہونے کے بعد سے زیب بہت خوش رہنے لگی تھی۔ اور عروب اسے یوں لگتا کہ ان لوگوں نے میری پیاری بہن کو مجھ سے دور کر دیا ہے۔ وہ ایک بار بھی ان کے گھر نہیں گئی تھی جب کہ حسام اور النصر دونوں ہی اکثر ان کے گھر آتے رہتے تھے۔ شافیہ اور رابعہ کی تو پہلے ہی کافی دوستی تھی۔ لیکن اب احسان ملک اور عالم حیات بھی کافی اچھے دوست بن چکے تھے۔ ایسے میں بس ایک وہ ہی تھی جو ان سب سے دور دور رہتی...

اس دن زیب اسکول سے آنے کے بعد سیدھی اپنی پھوپھو کے گھر چلی گئی تھی۔ اس کا ارادہ آج ان کے ساتھ لنچ کرنے کا تھا۔ جب کہ عروب وہ اپنے کمرے میں بیٹھی سخت بور ہو رہی تھی۔ کرنے کو کچھ بھی نا تھا۔ اپنے اسکول کا ہوم ورک تو وہ اسکول میں ہی کر لیتی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد سب آرام کر رہے تھے۔ ماما نے اسے بھی آرام کرنے کا کہا تھا۔ لیکن جب کافی دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد بھی نیند کی دیوی اس کی آنکھوں پر مہربان نا ہوئی تو وہ اپنی سائیکل لے کر باہر چلی آئی تھی۔ یوں ہی کالونی کی سڑکوں پر بھری دوپہر میں سائیکل دوڑانا اس کا روز کا معمول تھا۔ ابھی وہ کچھ دور ہی گئی تھی کہ اس کی سائیکل کی چین اتر گئی تھی۔

سائیکل اسٹینڈ بائے کرنے کے بعد اس نے گھٹنوں

کے بل بیٹھ کر دوبارہ چین لگانے کی کوشش کی تھی۔
گرمیوں کا موسم تھا۔ اور سورج آگ برسا رہا تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں محوِ آرام تھے۔ خود وہ بھی ذرا سی دیر میں پسینے میں بھیگ گئی تھی۔ لیکن چین تھی کہ لگ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ اف خدایا یہ لگ کیوں نہیں رہی۔ اس نے پریشان ہو کر خود کلامی کی۔
کیا میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں عروبہ وہ انصر تھا جو ہاتھ میں بک تھامے اس کی طرف ہی آتا بولا شاید وہ اس کی بلند آواز میں کی گئی خود کلامی سن چکا تھا۔
وہ چپ چاپ کھڑی ہوئی کندھوں کو اچکایا اور سائیکل کی طرف اشارہ کرتی ایک طرف ہو گئی۔
انصر نے اپنی بکس اسے پکڑائیں اور خود ایک گھٹنے پر زور دیتا زمین پر بیٹھ گیا۔ اُسے بس دو منٹ لگے تھے۔ اور وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ چین لگ گئی تھی۔
کچھ کام صرف لڑکے ہی کر سکتے ہیں۔ وہ ہاتھ جھاڑتے شرارت سے بولتا کھڑا ہوا۔
تھینک یو اس نے بنا مسکرائے شکریہ ادا کیا۔
تھینکس کی کوئی ضرورت نہیں ہم پڑوسی ہیں اور ساتھ ہی تم میری بیسٹی کی بہن بھی ہو تمہاری مدد کرنا تو میرا فرض تھا۔ خیر چلتا ہوں لیٹ ہو رہا ہوں اس نے مسکرا کر اس سے بکس لیں اور آگے بڑھ گیا۔ اور وہ بھی کندھے اچکاتی ایک بار پھر سنسان سڑکوں پر سائیکل دوڑانے لگی۔

****

اس دن ماما نے رول پراٹھا اور چکن روسٹ فرائے کیے تھے۔ ساتھ فرنچ فرائز اور آلو بخارے کی چٹنی بھی تھی۔ عروب کچن میں کھڑی ان کی چھوٹی موٹی مدد کرا رہی تھی اور ساتھ ہی مسلسل فرنچ فرائز اور گارلک کیچپ سے انصاف بھی۔ زیب کچھ دیر پہلے ہی شافیعہ آنٹی کی طرف سے آئی تھی اور اب اپنے روم میں بیٹھی اسکول کا کام کر رہی تھی۔
زیب جتنی مصروف رہتی تھی عروب کے پاس اتنا ہی زیادہ وقت ہوتا تھا۔ پڑھائی کو تو خیر وہ کبھی اپنے اوپر حاوی نہیں کرتی تھی۔ سائیکلنگ کے علاوہ اس کا دوسرا کوئی مشغلہ بھی نا تھا۔ اس کا سارا دن گھر میں ماما کے ساتھ ہی گزرتا تھا اور یہ ہی وجہ تھی کہ وہ زیب کی نسبت ان سے زیادہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔
عروب بیٹا ایک کام کرو گی میرا وہ کیچپ میں ڈپ کرتی فرائز کہہ رہی تھی جب ماما نے مصروف سے انداز میں اسے پکارا
جی ماما بولیں وہ فوراً ہاتھ روک کر تابعداری سے بولی۔
انصر کو رول پراٹھا بہت پسند ہے یہ تم اسے دے آؤ انہوں نے رومال سے ڈھکی ایک ٹرے اس کی طرف بڑھائی جس میں یقیناً رول پراٹھے کے ساتھ روسٹ اور فرائز بھی تھے۔
لیکن ماما آپ جانتی ہیں نا میں وہاں نہیں جاتی آپ زیب کو بھیج دیں پلیز۔
زیب ہوم ورک کر رہی ہے عروب تم جلدی سے جاؤ اور جلدی سے آؤ تب تک میں کھانے کی ٹیبل سیٹ کرتی ہوں۔ وہ مان سے بولیں تو اس بار عروب انکار نا کر سکی اور چپ چاپ اس نے وہ ٹرے پکڑ لی۔
چوکیدار چاچا اسے گیٹ تک چھوڑنے آئے تھے۔
واہ شافیعہ آنٹی کا تو گھر بہت پیارا ہے کتنے پیارے پیارے پھول لگئے ہوئے ہیں ان کے لان میں وہ ستائشی انداز میں ہر ایک چیز دیکھتی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ جہاں حسام اور عالم انکل بیٹھے کوئی ٹاک شو دیکھ رہے تھے۔ البتہ شافیعہ آنٹی وہاں نہیں تھیں۔
واہ آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔ سب سے پہلے اس پر حسام کی نظر پڑی تھی اور وہ مسکرا کر بولا۔
اس نے عالم انکل کو سلام کیا تھا اور وہیں سامنے رکھے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ جب کہ حسام کچن سے شافیعہ آنٹی کو بلا لایا تھا۔
ارے عروب آئی ہے وہ پرجوش سی خیر مقدمی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کی اور بڑھی تھیں عروب بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ بہت پیار سے اس سے ملی تھیں۔ اور عروب کو لگا جیسے وہ صرف زیب کی ہی نہیں

اس کی بھی پھوپھو ہوں۔
کھانے کی ٹرے اب تک اس کے پاس ہی تھی۔ ماما نے کہا تھا انصر کے لیے لے جاؤ تو اس نے سوچا تھا وہ انصر کو ہی یہ ٹرے دے گی۔
اور پھر وہ بھی آ ہی گیا تھا جس کی وہ منتظر تھی فٹ بال سے کھیلتا مصروف سا۔
انصر دیکھو آج ہمارے گھر کون آیا ہے۔ اسے لاؤنج میں داخل ہوتا دیکھ حسام بولا تھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا حیرت سے پہلے اسے دیکھا اور پھر اس کے برابر رکھی رومال سے ڈھکی ٹرے کو۔ ارے واہ عروب تم میرے لیے کچھ لائی ہو نا وہ فٹ بال ایک طرف دھکیلتا بنا ہائے ہیلو کیے نادیدے پن سے بولتا اس کے پاس آیا اور جھٹ سے وہ ٹرے اٹھا لی۔
لیکن انصر یہ تو ماما نے حسام بھائی کے لیے بھیجا ہے۔ نا جانے اسے کیا ہوا تھا کہ وہ بے اختیار بول پڑی۔
لیکن تب تک وہ ٹرے سے رومال ہٹا چکا تھا۔ رول پراٹھوں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکی تھیں وہ وہیں صوفے پر بیٹھ کر مزے سے کھانے شروع ہو چکا تھا۔
عروب یہ ممانی نے انصر کے لیے ہی بھیجا ہو گا۔ بہت لاڈلا ہے وہ ان کا اس کی پسند ناپسند سے وہ اچھے سے واقف ہیں۔ حسام مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔ جب کہ انکل آنٹی اور انصر نا جانے کیوں مسکرا رہے تھے۔
اپنے جھوٹ پر وہ اندر ہی اندر شرمندہ سی ہوئی۔
کچھ ہی دیر میں آنٹی اس کے انکار کرنے کے باوجود اس کے لیے آئسکریم لے آئی تھیں۔ انصر کے علاوہ وہ سب اس سے ہلکی پھلکی گپ شپ کر رہے تھے۔
اس نے آئسکریم ختم کی اور جانے کے لیے کھڑی ہوئی تب تک انصر بھی سب کچھ چٹ کر چکا تھا۔
حسام جاؤ اور جا کر عروب کو گھر تک چھوڑ آؤ۔ آنٹی نے اسے پیار کرتے حسام کو تاکید کی۔
مام میں چھوڑ آتا ہوں عروب کو ویسے بھی وہ میرے ہی لیے آئی تھی انصر کھانے سے فارغ ہو کر بولا۔
لیکن میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ بس دو گلیاں چھوڑ کر ہی تو گھر ہے ہمارا۔ ۔۔اس نے انصر کے ساتھ جانے سے انکار کیا لیکن آنٹی نا مانیں اور وہ مجبوراً خالی برتن لیے اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔
تم نے جھوٹ کیوں بولا تھا عروب وہ گلی کا موڑ کاٹ رہے تھے جب انصر سنجیدگی سے بولا۔
کونسا جھوٹ۔ وہ حیران ہوئی۔
یہ ہی کہ تم یہ سب حسام کے لیے لائی تھیں۔ اس نے خالی برتنوں کی طرف اشارہ کیا۔
کیوں کہ تم مجھے بلکل اچھے نہیں لگتے۔ اب کی بار وہ صاف گوئی سے بولی۔
کیا کہا تمہاری نظر کمزور ہے وہ چلا اٹھا تھا۔
نہیں۔ وہ بنا متاثر ہوئے اطمینان سے بولی۔
پھر تمہیں ایک ڈیشنگ ہینڈسم لڑکا برا کیسے لگ سکتا ہے۔ وہ چڑ کر بولا۔ اور عروب اس کی چڑچڑاہٹ سے محظوظ ہوئی۔
پہلی بات انصر عالم تم ڈیشنگ نہیں ہو اور دوسری بات تم نے مجھ سے میری بہن چھین لی ہے اس لیے تم مجھے سخت برے لگتے ہو۔ عروب کا گھر آ گیا تھا اس نے انصر سے خالی برتن لیے اور سنجیدگی سے بولتی اندر بڑھ گئی۔
خیر میری تو نا دور کی نظر خراب ہے اور نا پاس کی اور اس ہی لیے مجھے تو تم بہت اچھی لگی ہو عروب احسان وہ اس کی پشت پر چلا کر بولا تھا۔ عروب نے حیرت سے مڑ کر دیکھا۔ وہ اب سیٹی بجاتا واپس جا رہا تھا۔ ایک انوکھی مسکراہٹ نے عروب کے لبوں کا گھیراؤ کیا تھا۔

****

انصر اور عروب کی عادتوں میں بہت فرق تھا۔ وہ سنجیدہ اور کم گو تھی تو انصر شوخ اور باتونی سا لڑکا لیکن اس کے باوجود وہ بہت جلد عروب کو اپنا دوست بنانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا کہتے ہیں نیت صاف ہو تو صحرا میں بھی پھول کھل ہی جاتے پھر عروب تو ایک معصوم سی لڑکی تھی۔ اب بھری دوپہر میں جب وہ سائیکلنگ

کے لیے نکلتی تو تنہا نہیں ہوتی تھی۔ انصر خود [illegible] ہی اس نے عروب کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ وہ بھی اب خوب بولنے لگی تھی اپنے اسکول کی ایک ایک بات وہ اس سے شیئر کرتی چاہے وہ بات کتنی ہی بے تکی کیوں نا ہوتی۔ اور وہ بھی یوں سنتا جیسے ان باتوں سے اہم تو کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ انصر نے عروب کی خواہش پر ان کے لان میں لگے درخت پر جھولا باندھا تھا۔ جسے پھر انہوں نے پھولوں کی مصنوعی بیل سے سجایا تھا۔ زیب کو ان دونوں کی دوستی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی تاہم اس نے کبھی اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وقت گزرتا گیا۔ وہ لوگ بچپن کو پیچھے چھوڑ کر لڑکپن کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ان کی دوستی میں اب محبت کے پکے رنگ بھی شامل ہو چکے تھے۔ انصر عروب کے معاملے میں حد سے زیادہ پزیسیو تھا۔ اس کی زندگی میں عروب کے سوا کوئی لڑکی نہیں تھی۔ اس کی ہر بات عروب سے شروع ہوتی۔ اور ہر بات اس پر ہی ختم۔ وہ عروب سے بھی یہ ہی وفاداری کی امید کرتا تھا۔

عروب کی چھوٹی سے چھوٹی خوشی بھی اس کے لیے بہت اہم ہوتی۔ وہ اس کی ہر کامیابی پر خود اپنے ہاتھ سے اس کے کارڈ بنا کر اسے وش کرتا کہیں بھی جاتا عروب کے لیے گفٹس لانا نا بھولتا وہ خود تو خوشبوؤں کا دیوانہ تھا ہی مگر اس نے اب عروب کو بھی پرفیومز کا دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ خود اپنے لیے جو پرفیوم لاتا اسے آدھا استعمال کر کے پھر عروب کو دے دیتا اور وہ پھر ان خشبوؤں کو اپنی الماری میں سنبھال کے رکھ لیتی۔ یہ جیسے ان کی دوستی اور محبت کی نشانیاں تھیں وہ جھولا پرفیومز ہاتھ کے بنے کارڈز... انصر کے ہر انداز سے اس کی محبت جھلکتی تھی۔

اور خود عروب تو انصر سے بھی زیادہ دیوانی تھی اس کے لیے۔ اس کی پسند ناپسند سب کچھ اس نے اپنا لیا تھا۔ انصر کھانے کے معاملے میں بہت چوزی تھا اور عروب وہ ہر روز کچھ نا کچھ ماما سے سیکھتی پھر ٹرائے کرتی [illegible] جاتی۔ اور جب وہ اس کے سامنے وہ کھاتا پھر تعریف کرتا تو وہ خوشی سے پاگل ہی ہو جاتی۔

زیب اور اس نے ایف ایس سی کر لیا تھا۔ ایف ایس سی کے بعد زیب تعلیم کو خیر باد کہہ چکی تھی جب کہ وہ انجینیرنگ یونیورسٹی میں ایڈمشن کی تیاری کر رہی تھی۔ انصر کا یونیورسٹی میں لاسٹ سمسٹر چل رہا تھا۔ اور آج کل وہ ایز اے انٹرن ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا۔ کیوں کہ وہ پڑھائی میں بہت اچھا تھا اور اس کے گریڈز بھی ہمیشہ اے ون آئے تھے۔ اور پھر آفس میں اس کے کام نے اس کے باس کو کافی متاثر کیا تھا اس ہی لیے یونیورسٹی کے بعد اس ہی کمپنی میں مستقل اور اعلیٰ عہدے پر جاب آفر ہوئی تھی۔

یہ ان ہی دنوں کی بات ہے جب شافیہ آنٹی اور عالم انکل اپنے ساتھ مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے لے کر زیب کے لیے حسام کا رشتہ لائے تھے۔ احسان ملک اور رابعہ بہت خوش تھے۔ حسام ہر لحاظ سے بہترین جوڑ تھا زیب کے لیے۔ ہینڈسم اور ڈیشنگ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک نیورو سرجن تھا۔ ایک بہترین ہاسپٹل میں اس کی جاب تھی۔ اس کا کردار اخلاق سب کچھ بہت اعلیٰ تھا اور سب سے بڑی بات وہ زیب سے محبت کرتا تھا۔ اور خود رابعہ بیگم کے لیے اس سے بڑی اور کیا بات ہوتی کہ ان کی بیٹی اپنوں میں بیاہی جائے۔ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ ان دنوں زندگی بہت حسین تھی۔

****

وہ ایک بہت خوبصورت رات تھی... فضا محبت کے نغموں سے گونج رہی تھی۔ آج زیب اور حسام کی مہندی کا مشترکہ فنکشن تھا۔ عروب نے اپنی اور زیب کی تمام سہیلیوں کو انوائٹ کیا ہوا تھا۔ اب وہ سب مل کر خوب مزے مزے کے گیت گا رہی تھیں۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ اور انصر مہندی کی رسم کر کے اسٹیج سے اترے تھے۔

[illegible] کیا کی تھی شرارتیں ہی کی تھیں؟ دلہا دلہن سے زیادہ [illegible] ایک دوسرے کو ہلدی لگائی تھی۔ اور اب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر لڈی ڈال رہی تھی جب رابعہ بیگم مسکراتی ہوئی آئی تھیں اور اسے اپنے ساتھ اسٹیج کی طرف لے گئی تھیں۔

ماما کہاں لے جا رہی ہیں اتنا مزہ آ رہا تھا۔ ویسے بھی مہندی کی رسم تو میں کر چکی ہوں مووی کے ساتھ خوب ڈھیر ساری تصویریں بھی بنوائی ہیں ہم نے۔ وہ مسلسل بول رہی تھی۔ جب کہ رابعہ بیگم معنی خیز سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے خاموشی سے اسے اسٹیج پر لے آئی تھیں۔ کچھ ہی لمحوں بعد شافیہ آنٹی بھی انصر کا ہاتھ پکڑ کر وہیں چلی آئی تھیں۔ دونوں کو ساتھ بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ گنگ سی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جتنی وہ حیران تھی اتنے ہی حیران حسام اور زیب بھی لگ رہے تھے۔ جب کہ انصر مسلسل مسکرا رہا تھا۔

شافیہ آنٹی نے ہیرے کی وہ نازک سی انگوٹھی انصر کی طرف بڑھائی... جب کہ ماما نے مخروطی انگلیوں سے سجا عروب کا بایاں ہاتھ آگے کیا۔ ایک حسین لمحہ آیا اور وہ انگوٹھی عروب کے ہاتھ میں سج گئی۔

پھر رابعہ بیگم نے نیلم سے سجی چاندی کی ایک انگوٹھی عروب کی طرف بڑھائی تھی جسے اس نے انصر کے ہاتھ میں پہنا دی تھی۔ تالیوں اور ہوہو کا شور سا مچ گیا تھا ہر طرف کچھ دیر سب کی نظروں کا مرکز بنے رہنے کے بعد وہ دونوں اسٹیج سے نیچے اتر آئے تھے۔

تو کیسا لگا سرپرائز میری ہونے والی پیاری وائف انصر کی آواز اس کے کانوں میں مدھر نغمے کی طرح گونجی۔

سرپرائز... وہ سحور سی اسے حیرت سے دیکھتے بولی۔

ہاں سرپرائز... میں نے ہی ماما سے فرمائش کی تھی کہ وہ حسام کی مہندی کے فنکشن میں ہمیشہ کے لیے تمہیں میرے نام کرا دیں۔ میرے اور ماما پاپا کے علاوہ کسی کو اس بارے میں معلوم نہیں تھا۔ احسان انکل اور رابعہ آنٹی سے بھی ریکوسٹ کی تھی کسی کو نا بتائیں۔ میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا عروب [illegible] بھی مسکرا دی۔

اب بتاؤ ناں کیسا محسوس کر رہی ہو میرے نام کی انگوٹھی پہن کر اس نے سوال پھر دہرایا

کیسا محسوس کر رہی ہوں یہ بتانا تو بہت مشکل ہے انصر بس یقین نہیں آ رہا مجھے اب تک پھر بھی بہت بہت خوش ہوں یوں لگ رہا ہے جیسے میں ہواؤں میں اڑ رہی ہوں ہر طرف تتلیاں ہیں جگنو ہیں پھول ہیں خشبو ہیں زندگی خوبصورت لگ رہی ہے انصر بہت بہت زیادہ۔ وہ سحر زدہ سی بول رہی تھی۔

انشاءاللہ زندگی اور بھی حسین ہو جائے گی عروب بس کچھ وقت کی بات ہے اس نے عروب کی آنکھوں میں دیکھ کر یقین دلایا تھا۔ اور وہ ایک بار پھر مسکرا دی تھی۔

****

یونیورسٹی لائف شروع ہوتے ہی وہ تھوڑی مصروف ہو گئی تھی۔ روزانہ کی ملاقاتیں تو ویسے بھی انگیجمنٹ کے بعد سے ختم ہو گئی تھیں۔ تاہم موبائل پر اب بھی ان دونوں کی لمبی لمبی گفتگو ہوتی۔ وہ زندگی کا سب خوبصورت پریڈ تھا... ہر روز وہ مل کر اپنے مستقبل کے حوالے سے ہزاروں خواب سجاتے ان میں رنگ بھرتے۔

زیب کی اور حسام کی شادی کو بھی دو سال گزر چکے تھے۔ وہ ایکسپیکٹ کر رہی تھی اور ان دنوں بس خود میں ہی مگن تھی۔ حسام کی اور آنٹی کی بے لوث محبتوں نے اسے پہلے سے بھی زیادہ حسین بنا دیا تھا۔ کچھ وقت کے لیے وہ اپنے سوا سب کچھ بھول گئی تھی۔

جب کہ عروب نے انٹرن شپ کے لیے کمال ایسوسیٹس اینڈ کنسلٹنگ انجینئرز میں جاب اسٹارٹ کر دی تھی۔ اور وہیں اس کی ملاقات عذیر کمال سے ہوئی تھی جو کہ اس کا باس اور اس فرم کا مالک تھا۔ وہ عمر میں عروب سے چند سال ہی بڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اسے بہت جلد اپنے لیے اسے کچھ خاص نظر آ گیا تھا۔ اسے کچھ ہی دنوں میں محسوس ہونے لگا کہ عذیر کمال اسے کچھ خاص انداز سے دیکھتا ہے لیکن کیوں

کہ اس نے زبان سے کبھی کچھ نہیں کہا تھا اس ہی لیے عروب بھی خاموش تھی۔ ویسے بھی عذیر ہمیشہ اس سے بے حد احترام سے پیش آتا تھا۔ اس ہی لیے عروب نے بھی یہ بات نظر انداز کر دی تھی۔ یہ ایک مشہور فرم تھی صرف ایک ماہ میں وہ کافی کچھ سیکھ گئی تھی اکثر عذیر اور دیگر کولیگز کے ساتھ وہ سائٹ پر بھی جاتی تھی۔ اسے اچانک کام میں بے حد مزہ آنے لگا تھا۔ آفس میں بیٹھ کر ڈرائنگز بنانے اور انہیں چیک کرنے سے زیادہ انٹرسٹنگ کام سائٹ پر جا کر اپنے ڈیزائنز کو خود اپنی آنکھوں سے بنتے دیکھنا ہوتا۔

****

اس دن وہ عذیر کمال کے ساتھ فیکٹری کی سائٹ پر آئی ہوئی تھی واپسی پر ان لوگوں کی بلڈرز کے ساتھ میٹنگ تھی میٹنگ سے جب تک وہ فارغ ہوئے شام ہو چکی تھی۔

عروب ہم ایسا کرتے ہیں آپ کو اب گھر ہی ڈراپ کر دیتے ہیں ویسے بھی آفس ٹائمنگ تو ختم ہو چکے اور شام بھی گہری ہو گئی ہے۔ واپس گاڑی میں بیٹھتے عذیر کمال بے حد سنجیدگی سے بولے تھے۔

نہیں سر آپ کو زحمت ہو گی میں بابا کو کال کر لیتی ہوں وہ پک کر لیں گے مجھے، اس نے سہولت سے انکار کیا۔

زحمت کیسی مس عروب آپ ہماری فرم میں کام کرتی ہیں اور اس ہی کے کاموں میں آپ لیٹ ہوئی ہیں تو ہمارا بھی فرض بنتا کہ آپ کا خیال کرا جائے۔ وہ ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے اب بھی اس ہی سنجیدگی سے بات کر رہے تھے جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

عروب نے اس بار اعتراض کیے بنا انہیں ایڈریس سمجھا دیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ گھر پہنچ چکی تھی عذیر کمال کی گاڑی اسے گھر کے گیٹ پر چھوڑ کر جا چکی تھی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے سر پر سے پی کیپ اتاری اور تھکے تھکے قدموں سے اندر چل دی۔ لیکن لاؤنج میں قدم رکھنے کے بعد سامنے موجود صوفے پر بیٹھی زیب اور الفر کو دیکھتے ہی اس کی ساری تھکن ختم ہو چکی تھی دھول مٹی سے اٹے چہرے پر لمحے بھر میں گلابیاں جھلکنے لگی تھیں آج کتنے عرصے بعد اس نے الفر کو اپنے گھر میں دیکھا تھا۔ منگنی کے بعد وہ پہلی بار آیا تھا۔

اسلام وعلیکم وہ پر جوش انداز میں سلام کرتی زیب کے گلے سے لگ گئی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے مہینوں بعد مل رہی ہو حالانکہ ہر دوسرے دن زیب گھر آتی رہتی تھی۔

اف پیچھے ہٹ جاؤ یار جا کے پہلے فریش ہو کر آؤ زیب نے منہ بنا کر اسے پیچھے ہٹایا تھا۔ اس کے انداز پر الفر کو بھی بڑے زور کی ہنسی آئی جب کہ عروب بنا برا مانے اب ان کے سامنے والے سنگل صوفے پر دھم سے گر گئی تھی۔ احسان ملک اور رابعہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

اف بابا آج تو بہت تھک گئی ہوں اب تو بس آپ مجھے اچھی سی کار لے دیں، آج بھی سر عذیر نے ڈراپ کیا تھا۔ پانی کا گلاس بھرتے اس کی زبان مسلسل چل رہی تھی۔

اوہ تو وہ ہینڈسم سا بندہ تمہارا باس تھا عروب زیب نے بھی حیرت زدہ انداز میں بولتے گفتگو میں حصہ لیا بالکل وہ مسکرائی اور سامنے رکھی فروٹ باسکٹ میں سے سیب اٹھا کر کھانے لگی جب کہ الفر کے چہرے سے اچانک مسکان غائب ہو گئی تھی۔

اچھا انکل اب میں چلتا ہوں انشاء اللہ پھر ملاقات ہو گی وہ فوراً اٹھا تھا اور احسان ملک سے مصافحہ کرنے کے بعد چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد عروب بھی فریش ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جب کہ معنی خیزی سے مسکراتی زیب کا دماغ تیزی سے سوچنے لگا تھا۔

****

عروب کے کمرے کا بیک ڈور لان میں کھلتا تھا۔ وہ اکثر رات کو اس ہی دروازے کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر آفس کا کام کرتی تھی۔ چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی اور

خوشبو سے مہکی ہوائیں جب سانسوں سے ٹکراتی تھیں تو روح تک میں تازگی کا احساس اتر جاتا تھا۔ اس وقت بھی کانوں میں ہیڈ فونز لگائے وہ لیپ ٹاپ پر کام کر رہی تھی جب اسے سیل پر الفر کی کال موصول ہوئی اس نے مسکرا کر فون کی اسکرین کو دیکھا اور پھر ہیڈ فونز اتار کر ایک طرف رکھتے کال ریسیو کی۔

السلام علیکم اس نے بڑے فریش موڈ میں سلام کیا۔

وعلیکم السلام یا کر رہی تھیں دوسری جانب سے اس کی سنجیدہ سی آواز ابھری۔

آفس کا کام کر رہی تھی تم بتاؤ موڈ کیوں آف ہے تمہارا، اس نے سر دروازے سے ٹکاتے آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھ کر پوچھا۔ وہ اس کی آواز سن کر ہی سمجھ گئی تھی کہ الفر کا موڈ خراب ہے۔ اتنے عرصے کا ساتھ تھا ان کا وہ بہترین دوست ہونے کے ساتھ ساتھ مزاج آشنا بھی تو تھے۔

تم عذیر کمال کے ساتھ کیوں آئی تھیں عروب وہ فوراً پوائنٹ پر آیا تھا۔

اوہ تو اس وجہ سے تمہارا موڈ آف ہے لیکن الفر یہ اتنی بڑی بات تو نہیں تھی اس نے گہری سانس بھرتے حیرانی سے کہا۔

اتنی بڑی بات نہیں تھی کیسے اتنی بڑی بات نہیں تھی تم میری منگیتر ہو عروب بہت جلد ہماری شادی ہونے والی ہے لیکن اگر تم یہ بات بھول گئی ہو تو میں یاد کروا دیتا ہوں وہ فوراً غصے میں آتا مزید بولا

مجھے بالکل پسند نہیں کہ میری ہونے والی بیوی یوں کسی غیر مرد کے ساتھ گھومتی پھرے۔

کیا ہو گیا ہے الفر اتنی سی بات پر اتنا غصہ کیوں ہو رہے ہو مجھے دیر ہو گئی تھی... سیل کی بیٹری بھی ڈیڈ تھی اوپر سے شام بھی ہو گئی تھی تو ایسے میں اگر باس کی حیثیت سے عذیر کمال نے مجھے ڈراپ کر دیا تو مجھے نہیں لگتا کہ یہ اتنی بڑی بات ہے جس پر تم اتنا ہائپر ہو وہ حیران حیران سی بولی تھی الفر کا یہ انداز تو اس نے پہلی بار دیکھا تھا

او کے فائن یہ نہیں ہے نا بڑی بات تو جاؤ گھومتی پھرو اپنے باس کے ساتھ اس کی بات کے جواب میں الفر نے بے حد بد تمیزی سے بولتے کال کاٹ دی تھی۔

عروب نے بوکھلا کر سیل اسکرین دیکھی اور پھر الفر کا نمبر ڈائل کیا۔ لیکن دوسری طرف فون بند جا رہا تھا۔ حیرانی کی جگہ پریشانی نے لے لی تھی۔ اور پھر پوری رات وہ وقفے وقفے سے نمبر ڈائل کرتی رہی تھی مگر سیل آف ہی ملا تھا۔

****

دوسرے دن وہ ناشتے سے بھی پہلے الفر سے ملنے گئی تھی۔ لاؤنج میں ہی اس کی ملاقات زیب سے ہوئی تھی۔ اتنی صبح عروب کو اپنے گھر میں دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

تم یہاں اس وقت خیریت تو ہے نا عروب وہ فطری حیرانی سے بولی۔

ہاں ٹھیک ہے سب تم بتاؤ الفر کہاں ہے وہ بامشکل مسکرائی۔

الفر تو شاید ٹیرس پر ہے زیب گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے بولی۔

جب کہ عروب جواب سنتے ہی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی تیز تیز چلتی وہ ٹیریس پر پہنچی تھی اوپر پہنچتے ہی اسے الفر نظر آ گیا تھا۔

اسے دیکھ کر عروب کو یوں محسوس ہوا جیسے نا جانے کب سے صحرا میں سفر کرتے کرتے نخلستان نظر آ گیا ہو۔ الفر سیل کیوں آف تھا تمہارا۔۔۔ اتنا بھی کیا غصہ کہ کسی کو پریشان ہی کر دو، وہ بہت خفگی سے بولی اس کی طرف بڑھی تھی۔ جب کہ الفر نے نا اس کے چہرے پہ پھیلا اضطراب دیکھا تھا اور نہ ہی اس کے لہجے کی پریشانی پر غور کیا تھا۔ بلکہ عروب کو اپنے سامنے دیکھ کر آج پہلی بار اس نے اپنا منہ پھیر لیا تھا۔

کیا اتنا خفا ہو مجھ سے کہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں۔ اسے یوں منہ پھیرتا دیکھ وہ بھیگے لہجے میں بولی۔۔۔ اس نے بامشکل اپنے آنسوؤں پر ضبط کیا تھا

میرے خفا ہونے سے کون سا تمہیں فرق پڑتا ہے۔ وہ حد سے زیادہ بدگمان تھا۔

ہاں واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو انصر میں اگر ساری رات پریشانی سے سو نہیں سکی تو کیا ہوا... مجھے تو پریشان ہونے کا شوق ہے نا... صبح سویرے میں اگر یہاں اس وقت تمہارے سامنے کھڑی ہوں تو میں تو شوقیہ کھڑی ہوں مجھے کہاں تمہاری ناراضگی سے فرق پڑتا ہے۔ اسے یکدم غصہ آیا تھا تب ہی تو طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔ باوجود ضبط کہ اس بار آنسو پلکوں کی باڑ توڑتے چلے آئے تھے۔

عروب میں ایک سیدھا سادھا بندہ ہوں مجھے گھما پھرا کے باتیں نہیں کرنی آتی ہیں، سیدھی اور صاف بات ہے میں تمہیں کسی بھی دوسرے انسان کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ کر وہ ساری ناراضگی بھول کر نرمی سے بولا تھا۔

تو تم یہ بات مجھے آرام سے بھی سمجھا سکتے تھے ناں۔ اتنا غصہ کرنا ضروری تھا؟ آنسو صاف کرتے وہ بھی نرم پڑی۔

کوشش کی تھی یار آرام سے سمجھانے کی مگر۔۔۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ ناشتہ کیا؟ اس نے موضوع بدلتے اب کی بار پیار سے پوچھا۔

نہیں۔۔۔ تم خفا ہو تو راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے ایسے میں کچھ کھانا کہاں یاد رہتا ہے۔ وہ اب ہنس رہی تھی۔ جھگڑا ختم ہوتے ہی تب اسے سب اچھا لگ رہا تھا۔ انصر مسکراتا ہوا اسے اپنے ساتھ لے کر ڈائننگ حال میں پہنچا تھا جہاں عروب اور انصر کی ماما مل کر ناشتے کی ٹیبل سیٹ کر رہی تھیں۔

ماما پلیز جلدی سے میرے اور عروب کے لیے گرما گرم ناشتہ تیار کر دیں۔ سچ بہت بھوک لگ رہی ہے۔

وہ ہنس کر بولتا اب عروب کے لیے چیئر آگے کر رہا تھا۔ زیب نے دونوں کو ایک نظر دیکھا تھا اور پھر برا سا منہ بناتے واپس اپنے کام میں لگ گئی تھی۔ اسے کچھ دیر پہلے کے برعکس اب ہنستی کھلکھلاتی عروب کو دیکھ کر سخت غصہ آ رہا تھا۔

****

اس دن کے بعد وہ دوبارہ آفس نہیں گئی تھی۔ اس نے ای میل کے ذریعے ان لوگوں کو مطلع کر دیا تھا۔ ویسے بھی چھٹیاں ختم ہونے میں محض کچھ دن رہ گئے تھے۔ پھر ویسے بھی اس کا لاسٹ سمسٹر اسٹارٹ ہونا تھا اور اس کے بعد ایک شاندار سی گورنمنٹ جاب اس دن سنڈے تھا۔ وہ دیر سے سو کر اٹھی تھی۔ بارہ بجے تک اس نے ناشتہ کیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد اپنی اسائمنٹ پر کام کیا تھا۔ دو بجے قریب وہ ایک بار پھر فارغ ہو چکی تھی۔ گھر پر بھی کوئی نہیں تھا۔ ماما سو رہی تھیں۔ بابا اور عمیر باہر گئے ہوئے تھے۔ کچھ دیر ٹی وی دیکھنے کے بعد اس نے موبائل اٹھایا اور پھر انصر کو کال لگائی۔

کیا کر رہے تھے۔۔۔ سلام کے بعد اس نے انصر سے پوچھا۔

بور ہو رہا تھا۔ جواباً وہ چڑ کر بولا تھا۔

اوہ ایک منٹ مجھے یقین کرنے دو تم یعنی محترم جناب انصر عالم بھی بور ہو سکتے ہیں وہ اس کا مذاق اڑاتے ہنسی تھی۔ ساتھ ہی چپس کے باؤل سے بھی بھرپور انصاف کیا جا رہا تھا۔

کیوں میں بور نہیں ہو سکتا صرف تم ہی ہو سکتی ہو بور اس کا مذاق اڑاتا انداز محسوس کر کے انصر کا منہ مزید بن گیا تھا۔ جو کہ عروب کو بھی محسوس ہو گیا تھا۔ تب ہی سنجیدہ ہوتے بولی۔

خیر یہ بتاؤ آج کیا کھایا۔۔۔

قیمہ کریلے بنائے تھے امی نے اپنے لاڈلے کی فرمائش پر اس وقت منہ مزید بنا تھا۔ عروب اچھے سے جانتی تھی کہ وہ کریلوں سے کتنا چڑتا تھا۔ اور شاید اس وقت اس کے خراب موڈ کی وجہ بھی یہ کریلے ہی تھے۔

اوہ لاڈلے کی فرمائش مطلب۔۔۔ تمہاری فرمائش اس نے چپس منہ میں رکھتے اسے چڑانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ اور وہ چڑ بھی گیا تھا جب ہی تو غصے سے اس نے کال بھی ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

تو جناب انصر عالم بھوکے بیٹھے ہیں اس لیے اتنے غصے میں ہیں۔ وہ خود سے بولتی کھڑی ہوئی اور مسکراتے ہوئے اس نے کچن کی طرف قدم بڑھائے۔ جلدی سے فریج سے بون لیس چکن نکال کر اس نے مسالحے لگائے اور پھر میرینیٹ کرنے کے لیے چھوڑ کر میدا نکال کر گھوندنے لگی۔ میدا گھوندنے کے بعد اس نے فریج سے فرائز نکال کر فرائے کیے۔ پھر میرینیٹ کیا چکن فرائے کیا اور جلدی جلدی بل والے پراٹھے بنا کر کیچپ اور مایونیز اور فرائیڈ چکن رکھ کر اس نے بٹر پیپر کے ذریعے پراٹھے کو رول کیا۔ آدھے گھنٹے کے اندر وہ رول پراٹھے اور فرنچ فرائز بنا کر تیار کر چکی تھی۔ ٹرے میں سجانے کے بعد اس نے چوکیدار کے ساتھ انصر کے لیے کھانا بھجوایا اور پھر جلدی جلدی کچن سیٹ کیا۔ ابھی وہ گندے برتن دھو کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ اس کے سیل پر انصر کی کال موصول ہوئی۔

عروب نے گیلے ہاتھوں کو ٹاول سے خشک کرتے اس کی کال ریسیو کر لی تھی۔

مجھے لگتا ہے میں دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان ہوں۔ تب ہی تو میری پیاری منگیتر میرے اتنے لاڈ اٹھاتی ہے۔ ورنہ عام طور پر تو مرد بیچارے ہی اپنی منگیتروں کے لاڈ اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ فون کے دوسری طرف سے اس کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

تو جناب کا غصہ اتر چکا ہے؟ لگتا ہے کریلے آج بہت مزے کے بنائے تھے آنٹی نے۔۔۔ وہ صوفے پہ بیٹھتے ایک بار پھر اسے تنگ کرنے لگی تھی۔ لیکن اس بار وہ بنا چڑے مسکراتا ہوا اس کی بات سن رہا تھا۔

کریلوں کا تو پتا نہیں لیکن رول پراٹھے بہت مزے کے بنے ہیں۔ بہت بہت شکریہ مجھ سے اتنی محبت کرنے کے لیے اور میرا اتنا خیال کرنے کے لیے۔

اچھا۔ اب بس بھی کرو پہلے ہی مکھن مہنگا ہو چکا ہے اور کتنا لگاؤ گے۔ وہ ہنسی تھی۔ اور اس کی باتیں سن کر وہ خود کو بے حد ترو تازہ محسوس کرنے لگی تھی۔

مکھن نہیں لگا رہا یار۔۔۔ کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں اگر تم میری زندگی میں نہیں ہوتیں تو میری زندگی تو ایک دم بے رنگ سی ہوتی۔ کچھ بھی نہ ہوتا اگر تم نہ ہوتیں۔۔۔ آج میں اقرار کرتا ہوں عروب احسان کہ تم میری زندگی میں مثل بہار بن کر آئی ہو تم اتنی اچھی ہو کہ میں تم سے عشق کرنے پر مجبور ہوں۔ وہ رول پراٹھے سے انصاف کرتا بے حد سنجیدگی سے بولتا عروب احسان کے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ اس کی یہ ہی باتیں تو تھیں جو عروب احسان کو روز بروز اس کا دیوانہ بنا رہی تھیں۔ اس کا خوش رنگ احساس اس کے ہر طرف پھیلنے لگا تھا۔ اور وہ انصر عالم کے محبت بھرے لفظوں کو سن کر موم کی طرح پگھل رہی تھی۔

****

یونیورسٹی کا لاسٹ سمیسٹر شروع ہو گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر بہت مصروف ہو گئی تھی۔ عذیر کمال جاب چھوڑنے کے ساتھ ہی اس کے ذہن سے نکل چکا تھا۔ لیکن شاید وہ ابھی اس کی زندگی سے نہیں نکلا تھا تب ہی تو عروب کی اس سے ایک بار پھر اپنی ہی یونیورسٹی میں ملاقات ہوئی تھی۔

عذیر کمال اس کی یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تعینات ہوا تھا۔ اور وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی یہ بات جان کر۔

اتنی بڑی کمپنی کا مالک آخر اس معمولی جاب میں کیوں انٹرسٹڈ تھا۔ عروب کو یہ سوال بے چین کر گیا تھا۔ اور اس ہی بے چینی کو دور کرنے وہ ایک بار پھر عذیر کمال کے آفس میں کھڑی تھی۔

سر آپ یہاں جاب کیوں کر رہے ہیں۔ آپ تو اتنی شاندار فرم کے مالک ہیں پھر آپ کو اس جاب کی آخر کیا ضرورت پڑ گئی۔ اس نے دو ٹوک لہجے میں سوال کیا۔

آہاں اچھا سوال ہے مس عروب۔ لیکن کیا ضروری ہے

میں آپ کو اس کا جواب بھی دوں۔ اس کے سنجیدگی بھرے لہجے پر عذیر کمال نے اک لمحے کو حیرت سے عروب کو دیکھا لیکن اگلے ہی پل وہ اس ہی سنجیدگی سے بولے جو ان کی شخصیت کا حصہ تھی۔

نہیں سر۔۔۔ ضروری تو نہیں ہے۔ خیر اچھا لگا آپ کو دیکھ کر۔ میں چلتی ہوں۔ نہ جانے کیوں اسے عذیر کمال کا انداز طنزیہ لگا تھا۔

کیا واقعی آپ کو اچھا لگا مجھے یہاں دیکھ کر اس کے اٹھنے سے پہلے ہی عذیر کمال نے بے ساختہ سوال کیا تھا۔ انداز بے یقینی لیے تھا۔

جی سر اس نے سر اثبات میں ہلاتے جواب دیا۔

چلیں آپ کہہ رہی ہیں تو یقین کر لیتا ہوں ورنہ آپ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ آپ مجھے یہاں دیکھ کر حیران سے زیادہ پریشان لگ رہی ہیں وہ اب کی بار ساری گفتگو میں پہلی بار مسکرائے اور ان کے انداز نے عروب کو بھی ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ ویسے میں یہاں صرف کچھ ہفتوں کے لیے ہوں وہ بھی اس یونیورسٹی کے ڈین کی ریکویسٹ پر وہ اب مسکراتے ہوئے اسے تفصیل بتا رہے تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ عذیر کمال اتنے برے ہیں نہیں جتنا وہ انہیں سمجھتی ہے۔ اچھے خاصے سلجھے ہوئے۔ انسان لگے تھے وہ انہیں۔

****

وہ ایک گرم اور حبس زدہ دن تھا۔ لو کے تھپیڑوں کے ساتھ ساتھ دھول مٹی کا بھی طوفان آیا ہوا تھا۔ وہ جب اپنی اسائمنٹ بنا کر لائبریری سے نکلی تھی تو دوپہر کے تین بج رہے تھے؟ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتی وہ پارکنگ میں آئی تھی۔ لاک کھول کر وہ کار میں بیٹھی اور اگنیشن میں چابی گھمائی۔ مگر یہ کیا کار گھر گھر کی آواز نکال کر خاموش ہو گئی تھی۔ اس نے پھر کوشش کی مگر اس بار بھی کار اسٹارٹ نہیں ہوئی تھی۔

اوہ گاڈ اسے بھی ابھی خراب ہونا تھا۔ اس نے کوفت سے سوچا اور پھر بیگ اور فائل اٹھا کر کار لاک کر کے باہر چلی آئی۔

اسکیوزمی۔۔۔ یہاں کیوں کھڑی ہو عروب۔ اسے یہاں کھڑے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ عذیر کمال کی کار اس کے پاس رکی تھی۔ اور انہوں نے حیرت سے دریافت کیا۔

وہ سر دراصل میری کار اسٹارٹ نہیں ہو رہی۔ کچھ مسئلہ ہو گیا ہے اس میں۔ اس لیے یہاں کھڑی رکشے۔ کا انتظار کر رہی ہوں۔ اس نے سنجیدگی سے پریشانی کی وجہ بتائی۔

اوہ تو آپ میرے ساتھ آ جائیں۔ میں ڈراپ کر دیتا ہوں آپ کو۔ انہوں نے فوراً مدد کی آفر کی۔

نہیں سر۔۔۔ ابھی رکشہ مل جائے گا تو میں چلی جاؤں گی۔ اسے انھر کی خفگی یاد تھی اس لیے فوراً انکار کر دیا۔

لیکن آپ کب تک کھڑی رہیں گی یہاں اتنی گرمی ہو رہی ہے اوپر سے یہ روڈ بھی اس وقت سنسان پڑا ہے آپ ضد نہ کریں آ جائیں عروب انہوں نے اصرار کیا۔

لیکن سر اس طرح میں کیسے جا سکتی ہوں آپ کے ساتھ آپ پریشان مت ہوئیں میں کال کر رہی ہوں بابا کو وہ آ جائیں گے اس نے اس بار بھی انکار میں سر ہلاتے کہا۔ عروب ضد مت کریں ہم دونوں انجان تو نہیں ہیں جو آپ یوں انکار کر رہی ہیں اور سچ کہوں تو مجھے آپ کو اس طرح اکیلے روڈ پر کھڑا دیکھ کر بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ آپ پلیز آ جائیں انہوں نے اس بار قدرے سختی سے کہتے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔ اور اس بار عروب بھی انکار نہیں کر سکی تھی وہ چپ چاپ عذیر کمال کی کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت اگر عروب کو ذرا سا بھی خیال ہوتا کہ یہ عمل اس کی زندگی میں کتنا بڑا طوفان لانے والا ہے تو وہ اس سنسان سڑک پر کھڑے کھڑے گرمی سے مرنا تو پسند کرتی مگر عذیر کمال سے لفٹ لینا نہیں۔

****

اس کے سامنے بیڈ پر پوری وارڈ روب کے کپڑے بکھرے پڑے تھے۔ جنہیں وہ سلیقے سے جما جما کر دوبارہ الماری میں رکھ رہی تھی جب کی استری شدہ کپڑے وہ کچھ دیر پہلے ہی ہینگ کر چکی تھی۔ آج سنڈے تھا اور چوں کہ کافی دن بعد آج وہ فارغ ہوئی تھی اس لیے اب اس فارغ وقت کو وہ کمرے کی صفائی ستھرائی میں صرف کر رہی تھی۔ کمرے میں موجود ساؤنڈ سسٹم پر اس کا پسندیدہ گیت ہم بے وفا ہرگز نہ تھے مدھم سروں میں چل رہا تھا۔ جب کہ اس کے لبوں پر ایک بھرپور مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

کپڑے سلیقے سے جمانے کے بعد وہ بک ریک میں بکھری کتابوں کی طرف بڑھی تھی۔ اور جب ہی رابعہ بیگم بھی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

عروب بیٹا مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ فارغ ہو۔ وہ بیڈ کے سرہانے بیٹھتے سنجیدگی سے بولیں۔

جی ماما بس فارغ ہی سمجھیں۔ آپ بتائیں کیا بات کرنی ہے۔ اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

تم عذیر کمال کو جانتی ہو عروب۔ انہوں نے بنا کسی تاثر کے سپاٹ انداز میں سوال کیا۔

جی جانتی ہوں۔ وہ میرے باس ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر کے۔ فرائض بھی سر انجام دے چکے ہیں۔ لیکن آپ کیسے جانتی ہیں انہیں۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا اور ساتھ ہی بیڈ پر رکھی باقی کتابیں بھی اٹھائیں۔

رابعہ بیگم بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں لیکن جب وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ اخذ نہ کر سکیں تو ڈائریکٹ اس سوال کی طرف بڑھیں جس کے لیے وہ اس وقت اس کے کمرے میں موجود تھیں۔

عذیر کمال نے اپنا پرپوزل بھجوایا ہے تمہارے لیے عروب۔ اس کے ہاتھ میں موجود ساری کتابیں دھم کر کے قالین پر گری تھیں۔ اس کے چہرے پر بے یقینی بھرے تاثرات آئے تھے۔ وہ جیسے سن سی ہو کر رہ گئی تھی۔

رابعہ بیگم نے پہلے اس کے ہاتھوں سے گرتی کتابوں کو دیکھا اور پھر اس کے فق ہوتے چہرے کو۔ فکر نہ کرو تمہارے بابا نے ان لوگوں کو انکار کر دیا ہے۔ مجھے تو اس بات کی حیرانی ہے۔ کہ آخر وہ لوگ ایک منگنی شدہ لڑکی کے۔ لیے رشتہ لے کر کیسے آ گئے۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ تم پہلے سے کسی سے منسوب ہو اب کی بار وہ ہلکے پھلکے لہجے میں سرسری انداز میں بول رہی تھیں۔

ماما میرا ان سے کبھی ایسا رشتہ نہیں رہا کہ میں انہیں اپنی منگنی کا بتاتی پھروں۔ وہ صرف میرے لیے ایک باس تھے اور میں ان کی انٹرن اس کے علاوہ اور کچھ نہیں حتیٰ کہ مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح میرا رشتہ بھجوا دیں گے۔ میرا یقین کریں ماما میں نے محبت کا تعلق بس اک شخص سے ہی قائم کیا ہے جس کا نام میرے دل پر لکھا ہے۔ اس نے رابعہ بیگم کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ تھے۔ جب کہ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

رابعہ بیگم نے اس کی بات سن کر اطمینان بھری گہری سانس لی اور پھر محبت سے اسے۔ گلے لگاتے پیٹھ تھپتھپائی عروب ہم سب کو تم پر پورا یقین ہے۔

پریشان مت ہو۔ سمجھو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ انہوں نے اسے تسلی دی۔

اور ان کی بات سن کر عروب کو لگا جیسے وہ جھلستی دھوپ سے ٹھنڈی پھوار میں آ گئی ہو۔

لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اصل برزخ تو اس کے بعد آنا تھا۔

****

شام میں موسم بہت سہانا ہو رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے آج بادل ٹوٹ کے برسیں گے۔ موسم کے انداز دیکھتے اس نے زیب سے اپنی چائے باہر لان میں ہی لانے کا کہہ دیا تھا۔ جب کہ اب خود مزے سے کانوں میں ہینڈ فری لگائے موسم انجوائے کر رہا تھا۔

آہ بھائی زندگی کتنی حسین ہے ناں۔ اس نے زیب کو آتے دیکھ ہانک لگائی۔

ہاں واقعی بہت حسین ہے زندگی۔ اس نے چائے کے ساتھ فروٹ کیک اور رینبو سینڈوچز کی پلیٹ بھی اس کے سامنے رکھی۔

اور میری بھابھی اس سے بھی زیادہ حسین۔ اپنے فیورٹ سینڈوچ دیکھ کر تو وہ کھل ہی اٹھا تھا۔

بھئی بھابھی ہو تو زیب تمہارے جیسی۔ کیک کا سلائس موہ رکھتے وہ خوش مزاجی سے بولا۔ اس کا موڈ زیادہ اچھا ہوتا تو وہ زیب کو بھابھی ہی کہتا تھا۔ ورنہ عام دنوں میں وہ اسے نام لے کر بلاتا تھا۔ ان دونوں کے درمیاں جو دوستی کا رشتہ تھا وہ اب تک برقرار تھا۔

اور بھائی ہو تو تمہارے جیسا۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی سنبھالتے مسکرائی۔

النصر مزے سے چائے کے ساتھ سینڈوچ کھا رہا تھا جب کہ زیب کچھ سوچتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

کیا بات ہے زیب کیا سوچ رہی ہو۔ النصر نے اس کی خاموشی کو محسوس کرتے پوچھا۔

سوچ رہی ہوں کہ کسی منگنی شدہ لڑکی کے لیے پروپوزل آنا کیسی بات ہے۔ وہ عام سے لہجے میں بولی۔ اس کی نظریں اب بھی النصر کے چہرے پر جمی تھیں۔

بہت بری بات لیکن تم مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو۔ وہ صاف گوئی سے بولا۔

ویسے ہی۔ خیر تم یہ تو بتاؤ مجھے کہ اگر کوئی لڑکا کسی ایسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جائے جو پہلے سے کسی سے۔ منسوب ہو تو بتاؤ اس میں غلطی کس کی ہو گی اس میں۔ وہ بہت سوچ سوچ کر الفاظوں کا استعمال کر رہی تھی۔ جال پھینکا جا چکا تھا۔

یقیناً لڑکی کی بھئی جب لڑکی کسی کو وجہ نہیں دے گی تو کوئی کیسے دیوانہ ہو گا۔ اور جب بات پروپوزل کی آئے اس کا مطلب لڑکی بھی اس لڑکے میں برابر انوالو ہے۔ اور میری نظر میں ایسی لڑکی جو رشتوں کی پاکیزگی کا خیال نا رکھے قابل نفرت ہے۔ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

کیوں قابل نفرت کیوں ہے بھئی اگر لڑکا کسی لڑکی کو پرپوز کر رہا تو اس میں لڑکی کا کیا قصور، وہ معنی خیز انداز سے مسکرائی۔

یار سیدھی سی بات ہے۔ جس لڑکی کو منگنی کے بعد بھی دوسرے لڑکے پرپوز کر رہے اس کا کردار مشکوک تو ہو گا نا۔ اور میرے نزدیک تو قابل افسوس ہے وہ لڑکا جس کے نصیب میں ایسی ہلکے کردار کی لڑکی ہے۔

اسے بھی اب ان باتوں میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ اس ہی لیے وہ کھل کر اپنی سوچ کا اظہار کر رہا تھا۔

اور اگر تم ایسی لڑکی کے منگیتر ہوتے تو زیب نے اس بار بغور النصر کے تاثرات جانچتے سوال کیا۔

تو میں لعنت بھیجتا ایسی لڑکی پر منگنی کی انگوٹھی اس کے منہ پر مار کر اپنی زندگی سے نکال دیتا اسے لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے میری عروب ایسی نہیں ہے۔ وہ تو در نایاب ہے۔ وہ پر یقین لہجے میں بولا۔ ساتھ ہی محبت کا ایک دلفریب احساس اس کے چہرے پہ جھلکا۔

ویسے یہ تو بتاؤ تم اتنی دیر سے بات کس لڑکی کی کر رہی ہو زیب اسے اچانک اس لڑکی کا نام جاننے کا شوق ہوا۔

عروب احسان کی۔ تمہاری معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے بتاتی چلوں کہ تمہاری پیاری عروب کو اس کے باس عذیر کمال نے پرپوز کیا ہے۔ اوہ میرا مطلب پروپوزل بھیجا ہے اس کے لیے؟ وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولتی اس کے دل کی دنیا ہلا گئی تھی۔

النصر کی نظروں کے سامنے کچھ دن پہلے کا منظر لہرایا تھا۔ جب اس نے عروب کو عذیر کمال کی گاڑی میں دیکھا تھا۔ وہ دونوں کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔ النصر نے اس بارے میں عروب سے یہ سوچ کر نہیں سوال کیا تھا کہ وہ خود ہی بتا دے گی مگر اس نے نہیں بتایا اور اب اسے اب بھی زیب کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ تب ہی تو وہ چلا کر بولا تھا۔

تم جھوٹ بول رہی ہو زیب، عروب مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔

اور جاؤ اور جا کر عروب سے ہی کنفرم کر لو کہ کیا جھوٹ ہے کیا سچ۔۔۔ اب کی بار وہ بھی تیز آواز میں بولی تھی۔

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

وہ اسے سامنے لان میں لگے جھولے پر ہی بیٹھی مل گئی تھی۔ مسکراتا چہرہ، ہوا کے دوش پر اڑتے بال، چہرے پر پھیلی معصومیت۔ لمحہ بھر کو اس کے قدم ڈگمگا سے گئے تھے۔

دل نے کہا محبوب پر شک کرنے سے پہلے تم مر کیوں نہیں گئے مگر دماغ میں زیب کی باتیں آئیں تو دل کو نظر انداز کر دیا گیا۔

وہ عروب کی طرف یوں بڑھا جیسے سامنے آئی ہر چیز کو روند ڈالے گا۔

عروب کے کانوں میں ہینڈ فری تھے اس کی نظریں فون کی ٹچ اسکرین پر جمی تھیں۔ جب کہ اس کی پشت گیٹ کی طرف تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہ النصر کو آتا دیکھ ہی نا سکی۔

مجھے تم سے بات کرنی ہے عروب۔ اس نے جھٹکے سے عروب کے ہاتھ سے موبائل فون چھینا۔

یہ کیا طریقہ ہے النصر اسے اس طرح موبائل چھینے جانا سخت برا لگا تھا۔ وہ بنا اس کے تاثرات کو اہمیت دیے ناگواری سے بولی۔

اور یہ ہی بات النصر کا دماغ مزید گھما گئی تھی۔

ہاں اب تو مجھے طریقے ہی سکھاؤ گی آ ہر دوسرا بکرا جو پھانس لیا ہے۔ وہ اس کا موبائل پوری طاقت سے زمین پر پھینکتا جاہلانہ طریقے سے چلایا۔

النصر کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔؟ ہوش میں تو ہو۔۔۔؟ یوں جاہلوں کی طرح چلا کر کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔ وہ اس کے انداز اور تیور دیکھ کر حیران ہی تو رہ گئی تھی۔ یہ کونسا روپ تھا مہذب اور شائستہ اطوار کے حامل النصر عالم کا۔

تم نے مجھے دھوکا دیا ہے عروب۔ محبت کے نام پر اتنے سال تک میرے جذبات سے کھیلتی رہیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ جس لڑکی میں نے چاہت کی آخری حدوں تک چاہا وہ کردار کی اتنی ہلکی نکلی ہے وہ اب بنا سوچے سمجھے بول رہا تھا۔

تم جیسی لڑکیاں محبت کے قابل ہی نہیں ہوتیں۔ تم جیسی لڑکی کا دل کبھی ایک مرد کی محبت سے بھرتا ہی نہیں ہے۔

وہ بول نہیں رہا تھا خنجر کے وار کر رہا تھا اس کے دل پر۔ اس کے وجود پر تیزاب پھینک رہا تھا۔

عروب جواب تک اسے سنتی جا رہی تھی اس کے آخری جملے پر بلبلا ہی تو اٹھی تھی۔

شٹ اپ النصر عالم۔۔۔ تم میری یوں تذلیل نہیں کر سکتے۔ وہ چلا اٹھی تھی۔

بارش کا پہلا قطرہ اس کے گال پر گرا تھا اور پھر تڑاتڑ طوفانی بارش برسنے لگی۔

یو شٹ اپ عروب احسان۔ وہ اور زور سے چلایا۔ تم اپنے باس کے ساتھ تفریح کر سکتی ہو۔ اس کے ساتھ پورے شہر میں گھوم سکتی ہو اور میں کچھ بول بھی نہیں سکتا تمہارے اس گھٹیا اعمال پر۔ تم میرے نام سے منسوب ہو کر لوگوں کو محبت کے جھانسے دو اور میں پھر بھی خاموش رہوں۔ وہ استہزائیہ ہنسا۔

النصر تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے شاید تم۔۔۔ اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی لیکن اس وقت النصر کچھ سننے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ بس آج سنانے آیا تھا۔

تم عروب احسان سراسر جھوٹ اور دھوکا ہو۔ تمہارے خوبصورت چہرے کے پیچھے ایک شاطر اور نفس کی ماری بھوکی عورت چھپی ہے اور ایسی گھٹیا لڑکی سے آج میں اپنا ہر تعلق ہر رشتہ ختم کرتا ہوں۔ اب چاہے تمہیں عذیر کمال پروپوز کرے یا کوئی اور۔ مجھے کوئی سروکار نہیں۔ وہ نفرت سے بولتا سب کچھ ختم کر گیا تھا۔ لیکن دلوں کی محبت لفظوں سے کہاں ختم ہوتی ہے۔

اور عروب وہ حیرت سے ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔ النصر کا ہر اٹھتا قدم اسے عروب سے دور لے جا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب النصر نے کہا ہے۔

اس کے کردار پر انگلی اٹھانے والا الفر عالم ہے۔ اس کی ایک ایک بات عروب کے کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔ اس کا ذہن یہ سب قبول نہیں کر سکا تھا۔ وہ چکرا کر گری اور ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

****

اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ تین دن بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کا وجود ہاسپٹل کے بیڈ پر پڑا تھا۔ ہاتھ کی نس میں کینولا لگا ہوا تھا۔ اس کا سارا جسم درد کی مکمل تفسیر بنا ہوا تھا۔ وہ رات کا نا جانے کون سا پہر تھا ہر سو گہری خاموشی کا راج تھا۔ بلکل ویسی ہی خاموشی جواب اس کے دل پر بھی چھا چکی تھی۔ اس نے بمشکل گردن گھما کر بائیں طرف دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر اس نے ہمت کی اور دائیں طرف دیکھا۔ سامنے ہی صوفے پر اس کی زندگی اس کے بابا جان ہاتھ میں تسبیح لیے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ وہ دور سے بھی دیکھ سکتی تھی ان کی آنکھیں نم ہیں۔
اس کی پلکیں بھی بھیگنا شروع ہو گئیں۔
بابا جان... اس نے بے حد مدھم آواز میں پکارا۔ آواز اتنی ہلکی تھی کہ وہ خود بھی نا سن سکی۔
لیکن شاید ماں باپ کو کسی آواز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے دل کے تار تو اولاد کے دل سے جڑے ہوتے ہیں۔ تب ہی تو اگر اولاد کسی مشکل میں ہو اور وہ انہیں پکارے بھی نا تب بھی انہیں خبر ہو جاتی اور وہ اس کے پاس دوڑے چلے آتے ہیں۔
عروب میری جان میری چندا۔۔۔ میری شہزادی۔ انہوں نے اس پر پھونک مار کر دم کرنے کے بعد اسے محبت سے پکارا اور اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔
بابا جان۔۔۔ وہ بھی انہیں دیکھ کر سسک پڑی۔
بابا جان وہ مجھ سے کیوں بدگمان ہو گیا۔ بابا جان وہ کیوں میری محبت کو بے مول کر گیا۔ وہ شخص جسے زندگی سے بڑھ کر چاہا تھا میں نے۔ اسے اپنے خسارے یاد آئے تھے۔ ساتھ ہی وہ شخص بھی یاد آیا جو جان سے پیارا تھا۔
انہوں نے بنا کچھ کہے بیٹی کو گلے لگا لیا تھا۔ ساری زندگی بیٹی کی آنکھ میں آنسو نا دیکھ سکنے والا باپ چاہتا تھا کہ آج اس کی بیٹی کو جتنا رونا ہے رو لے۔ کیوں کہ آنکھ سے نکلنے والا آنسو اپنے ساتھ دل کا درد بھی تو لے جاتا ہے۔ لیکن جو آنسو آنکھ میں پتھر ہو جائیں وہ پھر روح کو گھائل کرنے لگتے ہیں۔

****

وہ پندرہ دن ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہی تھی۔ اور ہر روز اس نے الفر کا انتظار کیا تھا۔ نا جانے اسے یہ کیسا یقین تھا کہ وہ لوٹ آئے گا۔ اور پھر ہر بدگمانی آنسوؤں کی طرح بہہ جائے گی وہ بنا اس کے معافی مانگے الفر کو معاف کر دے گی۔ مگر وہ نہیں آیا تھا۔ وہ گھر واپس آئی تو اسے وہ تمام کارڈز اور گفٹس اپنی ٹیبل پر بکھرے نظر آئے جو کبھی اس نے الفر کو دیے تھے۔
تو کیا واقعی اب سب ختم ہو گیا ہے۔ اسے ایک بار پھر رونا آیا۔ اور اب شاید رونا ہی مقدر بن گیا تھا۔
اسے اپنے کمرے میں بیٹھے کچھ دیر ہی گزری تھی جب وہاں زیب چلی آئی تھی۔ اسے یاد آیا صرف الفر ہی نہیں زیب بھی تو اس سے ملنے نہیں آئی تھی۔
کیسی ہو عروب۔ اس نے عروب کے پیلے زرد چہرے پر مسکراہٹ سے بھرپور نگاہ ڈالی۔
ٹھیک ہوں۔ وہ بمشکل مسکرائی۔ مسکرانے سے اس کے جبڑوں میں درد ہوتا تھا۔ اور یہ سب کمزوری کی وجہ سے تھا۔
لیکن لگ تو نہیں رہی ہو۔ وہ اس کے قریب بیٹھتے سرسری لہجے میں بولی۔
زیب الفر کیسا ہے۔ وہ مجھ سے ملنے ہاسپٹل کیوں نہیں آیا۔ کیا اب تک وہ خفا ہے مجھ سے۔۔۔ عروب اس کی بات نظر انداز کرتے بے قراری سے بولی۔ وہ بہن ہونے کے ساتھ دوست بھی تو تھی۔
وہ پاکستان میں ہوتا تو ملنے آتا نا تم سے عروب۔۔۔ عجیب انداز میں گویا ہوئی۔

کیا مطلب۔۔۔ عروب کا دل بری طرح دھڑکا۔
مطلب یہ کہ وہ تمہیں چھوڑنا چاہتا تھا اس لیے یہ ملک ہی چھوڑ گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر یہاں رہا تو کبھی تمہیں بھول نہیں سکے گا۔
یہ کیا کہہ رہی ہو زیب۔۔۔ وہ کیوں مجھے بھولنا چاہے گا۔ وہ تڑپ اٹھی۔
تم جانتی ہو عروب۔ پھر کیوں بات دہرانا چاہتی ہو۔ اس کا ولہجہ اب کی بار کاٹ دار تھا۔
میں کچھ نہیں جانتی زیب۔ مجھے بتاؤ زیب۔ الفر کہاں گیا ہے اور کیوں گیا ہے۔ وہ اب کی بار ساری ہمت جمع کر کے تیز آواز میں بولی۔
کیوں کہ وہ تم سے نفرت کرتا ہے۔ اتنی نفرت کہ دوبارہ تمہارا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ بقول اس کے تم ایک بدکردار لڑکی ہو۔ اس نے کہا کہ عرب اگر تمہارے لیے کسی اور کا پروپوزل آیا ہوتا تو شاید وہ یہ بات فراموش بھی کر دیتا۔ مگر جس مرد کے ساتھ اس نے تمہیں کئی بار گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔ کلس شخص کا اتنا بڑا اسٹیپ نہیں بھول سکتا۔ وہ تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ وہ تمہیں بے وفا سمجھتا ہے عروب۔ وہ اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر ترشی سے بولی۔
عروب اس کا ایک ایک انداز غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کا اطمینان اس کی آواز کی تازگی چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ یہ آگ زیب کی ہی لگائی ہوئی ہے۔
یہ آگ تم نے لگائی ہے ناں زیب۔ یہ تم تھیں ناں جس نے الفر کو مجھ سے بدگمان کیا۔ یہ تم ہی تو تھیں جو ہمارے رشتے سے بالکل خوش نہیں تھیں۔ وہ پورے یقین سے زیب کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔
جواباً زیب مسکرائی اور اس کے مزید قریب ہوتے بولی۔
لیکن مجھے موقع دینے والی تو تم تھیں عروب احسان تم نے مجھ سے میری ماں کی ممتا اور محبت چھینی تھی میں نے تم سے تمہاری چاہت تمہارا الفر چھین لیا۔ حساب برابر۔
اور اس وقت زیب فاروق بھول گئی تھی کہ حساب برابر کرنے والی تو رب کائنات کی ذات ہے۔

****

ایک وقت آتا ہے جب انسان کی ساری اکڑ ساری انا سارا اتن فن پانی کی طرح بہہ جاتا ہے۔ باقی رہ جاتا ہے اگر کچھ تو پھر سزا کاٹنے کا عمل۔ یہ انسان کے زوال کا وقت ہوتا ہے۔ ایک ایسا وقت جب اسے ان تمام زیادتیوں اور گناہوں کی سزا ملتی ہے جو کبھی اس نے بڑے غرور سے بنا اللہ سے ڈرے کیے ہوتے ہیں۔
زیب فاروق کے بھی زوال کا وقت ان لمحے سے شروع ہو چکا تھا جب اس نے ہاسپٹل کے آپریشن تھیٹر میں ایک مردہ بچے کو جنم دیا۔ لیکن ندامت اور پچھتاوا اسے تب بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اسے تو یہ اللہ کی زیادتی لگ رہی تھی۔ وہ بھول چکی تھی کہ اللہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ برا صرف انسان ہی اپنے ساتھ کرتا ہے۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ یہ اس کے اعمال کی سزا تھی۔ عروب نے بے شک اسے کوئی بددعا نہیں دی تھی مگر اس کے دل کی آہ تو اللہ تک پہنچ گئی تھی نا۔ اور وہ ہی آہ زیب کو لگ گئی تھی جس کی پاداش میں اسے حاصل ہوئی نعمت سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔ اللہ نے اسے اپنی نعمت سے نوازا اور پھر فوراً اسے واپس بھی چھین لیا۔ ممتا کا پہلا احساس پہلا لمس وہ محسوس تک نا کر سکی۔ کیسی سزا تھی کہ وہ اپنی اولاد کا چہرہ تک نا دیکھ سکی۔ اس دن پہلی بار اسے درد کا مطلب سمجھ آیا تھا۔ پہلی بار وہ دھاڑیں مار مار کے زار و قطار روئی تھی۔

****

عروب کی زندگی الفر کے جانے کے بعد جیسے رک سی گئی تھی۔ وہ ہنسنا باتیں کرنا خوش ہونا جیسے بھول ہی گئی تھی۔ عمیرا اور احسان ملک اپنا سارا وقت اس کے پاس گزار دیتے۔ عمیرا اسے ہنستا دیکھنے کے لیے بونگیاں

مارتا۔ لمبی لمبی گپ چھوڑتا اور پھر خود ہی زور زور سے ہنستا۔۔ انصر کو گئے ایک ماہ ہو گیا تھا لیکن وہ اب تک نہیں سنبھل سکی تھی۔ خود رابعہ بیگم بھی زیب کو سنبھالنے میں مصروف تھیں۔ حسام اپنا غم بھول کر زیب کو دلاسے دیتا لیکن اس کی فرسٹریشن کم ہونے کا نام نا لیتی۔ وہ سوتے سوتے اٹھ جاتی اور رونے لگتی۔ آدھی آدھی راتوں کو اٹھ کر ننھے بچے کے لیے کی گئی شاپنگ کھول کر بیٹھ جاتی۔ اس کی زندگی اب بس فقط ایک حرف پر رک گئی تھی۔ اس نے عروب سے انصر کو چھینا تھا اور اللہ نے اس سے اس کی پیاری اولاد چھین لی تھی۔

اس دن رابعہ بیگم اور عمیر زیب سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ جب کہ احسان ملک اپنے دوست کی طرف گئے ہوئے تھے۔ وہ گھر میں اکیلی تھی اور اس تنہائی میں انصر کی یاد شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے رونے لگی تھی۔ احسان ملک جب گھر آئے اور انہوں نے اسے یوں روتا دیکھا تو ان کا دل کرب سے سکڑ کر رہ گیا۔ اولاد کا درد اتنا بڑا ہوتا ہے کہ پھر اس کے آگے دنیا کا ہر درد معمولی محسوس ہوتا ہے۔

عروب میری جان۔ کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگے۔

بابا میں نے تو کبھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ کبھی کسی کے ساتھ غلط نہیں کیا پھر اللہ نے مجھے اتنی بڑی سزا کیوں دی بابا۔ وہ سسک سسک کر رو دی تھی۔ اسے اس طرح روتا دیکھ ان کی خود کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔ انہیں سمجھ نہیں آیا کہ اسے تسلی دیں تو کس طرح۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں آنے والی خوشیوں کو اپنا حق سمجھ کر بنا شکر کیے وصول کیے ہی چلے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ تو اللہ کی نعمتیں ہیں اور اگر نعمتوں کا شکر نا ادا کیا جائے تو وہ چھن بھی جاتی ہیں۔ اور پھر ایک وقت آتا کہ ہم اللہ کی طرف سے کسی آزمائش میں گھر جاتے ہیں ہمارے مسائل ہمیں پہاڑ کی طرح بڑے اور وزنی لگنے لگتے ہیں۔ اور ہم جو خوشی کے وقت شکر ادا کرنا بھول گئے ہوتے ہیں۔ پریشانی کے آتے ہی اللہ سے شکوہ کرنے لگتے ہیں۔ اللہ سے سوال کرنے لگتے ہیں کہ آخر ہم ہی کیوں۔۔۔ ہم سے ایسا کونسا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں تو نے ہمیں اس مشکل میں ڈال دیا ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ شکر ادا نا کرنا بھی تو ایک بیماری ہے جو دیمک کی طرح ساری نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ اور پھر جو انسان خوشیوں پر شکر نا ادا کر سکے وہ آزمائش پر کیا خاک صبر کرے گا۔ اسے تو مشکلات سزا ہی لگیں گی۔ وہ سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر بولتے اسے بہت کچھ سمجھا گئے تھے۔ وہ انہیں سے گئی تھی۔

اور پھر بیٹا جو شخص تمہارے شفاف دامن کو الزامات کی بوچھاڑ سے داغدار کر گیا اس کی یادوں میں مرنے کا کیا مطلب۔ میں اگر تمہاری جگہ ہوتا تو ایک آنسو بھی اس کے نام پر نا بہاتا۔ میں زندگی کو تمہاری طرح اس بے قدرے شخص کے لیے روک نہیں دیتا۔ میں تمہاری طرح اپنے ماں باپ اور بھائی کی محبتوں سے منہ نا موڑتا۔ وہ آج بے حد صاف گوئی سے اسے سب کچھ سمجھا رہے تھے۔ وہ سب بھی جو وہ اب تک نہیں سمجھ سکی تھی۔

اور پھر یہ ہوا تھا کہ وقت پر لگا کر اڑنے لگا۔ وہ ایک بار پھر زندگی کی مصروفیت میں کھو سی گئی۔ سول انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اس نے جاب شروع کر دی تھی۔ اس دوران اس کے کئی رشتے آئے لیکن اس کا دل کسی کے لیے مانا ہی نہیں۔ وہ اب کسی کے سامنے روتی نہیں تھی مگر یاد تو رہ اب بھی تھا۔ اور ساتھ انتظار بھی۔ گزرے ساڑھے پانچ سال میں انصر کے جانے کے بعد اس کی زندگی میں عفان آیا۔ وہ شخص جو سراپا محبت تھا۔ جس کا موازنہ ہمیشہ اس نے انصر سے کیا۔ عفان کا پلڑا نہ جانے کیوں ہمیشہ انصر سے بھاری رہا۔ وہ عزت دینا محبت دینا جانتا تھا مگر ہم بھی بے مراد رہا۔

اور [illegible] اولاد کے لیے تڑپتی رہی۔ لیکن اللہ اس پر مہربان نا ہوا۔ لیکن شاید پھر اللہ کو حسام پر ترس آ گیا اور تین ماہ پہلے ایک بار پھر اس کی زندگی میں خوشخبری نے دستک دی۔

****

وہ ایک لمحہ جس کے بارے میں اسے گمان رہا تھا کہ جب وہ لمحہ آئے گا تو شاید سانسیں تھم جائیں گی۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس ایک لمحے میں گزرے تمام سالوں کا سفر سمٹ آیا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا اور عروب کو کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا۔

نا اسے دیکھ کر اور نا ہی اس کی آواز سن کر وہ سارے لمحے دل میں کہیں چھپ گئے تھے جب اس نے انصر کے لوٹ آنے کی دعا کی تھی۔

مجھے صرف کچھ لمحے دے دو اپنی زندگی سے عروب میں جانتا ہوں تمہاری زندگی کے اک پل پر بھی اب میرا حق نہیں لیکن پھر بھی صرف کچھ پل دے دو۔ وہ اس کے سامنے کھڑا التجا کر رہا تھا۔

ابھی کل رات کی فلائٹ سے ہی تو وہ پاکستان واپس آیا تھا۔ اور آج اس کے سامنے کھڑا تھا۔

وہ کیوں کھڑا تھا یہاں اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔

مجھے معاف کر دو عروب میں نے تمہارے کردار پر شک کیا میں نے تمہارا اعتبار میں نے تمہیں معاف کیا انصر وہ اس کی بات کاٹ کر سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

ہاں واقعی وہ اسے معاف کر چکی تھی۔

کیا واقعی اف مجھے یقین نہیں آ رہا کیا واقعی تم نے مجھے معاف کر دیا عروب۔ وہ بے یقین لگ رہا تھا۔

ہاں مجھے تمہیں معاف کرنا ہی تھا۔ وہ اب کے بولی تو آواز میں خالی پن نمایاں تھا۔

وہ اس ہی انداز میں مزید گویا ہوئی ساڑھے پانچ سال انتظار کیا تھا تمہارا اس ہی اک پل کے لیے مجھے معلوم تھا انصر تم لوٹ آؤ گے؟ محبت میں راستہ بدلنے والے اک موڑ پر پلٹ کر آتے ہی ہیں۔

میں بھی اکیلا رہ کر تھک چکا تھا۔ تم سے بچھڑ کر بھی تمہاری ہی یاد میں جلتا رہا۔ عروب کے خاموش ہوتے ہی وہ بول اٹھا تھا۔

ساڑھے پانچ سال لگے لیکن میں جان گیا ہوں کہ کبھی کبھی آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا بھی سچ نہیں ہوتا۔

میں جان گیا ہوں کہ میں غلط تھا۔ لیکن تم نے بھی تو مجھے دوبارہ پکارا ہی نہیں۔ وہ اس کو شکوے کا موقع دیے بغیر خود گلا کر رہا تھا۔

ایک منٹ انصر۔ تم میری معافی کا غلط مطلب لے رہے ہو۔ شاید تمہیں دھوکا ہوا ہے یا شاید میری خاموشی نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سب پہلے جیسا ہو گیا ہے۔ سچ کہوں تو مجھے اک ایسے شخص کی اپنی زندگی میں کوئی ضرورت نہیں جسے میری پاکیزگی پر یقین کرنے میں ساڑھے پانچ سال لگ گئے۔ اور تمہیں میرے کردار کی سچائی پر یقین آیا بھی تو کیسے جب تم نے اتنے سال گزرنے کے بعد بھی مجھے تنہا دیکھا۔ ایک ایسا شخص جو اس لڑکی پر یقین نہیں کر سکا جس سے اسے محبت کا دعوا تھا اسے میں اپنی زندگی میں دوبارہ شامل کرنے کی غلطی کیسے کر سکتی ہوں میں تمہیں معاف کرنے کا تو ظرف رکھتی ہوں انصر مگر ایک بار پھر تمہارے ہاتھوں اپنی زندگی تباہ کروانے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں تم مجھے محبت تو دے سکتے ہو مگر تمہاری ان آنکھوں میں مجھے اب یقین نہیں دکھائی دیتا۔ وہ کاٹ دار لہجے میں بولتی رکی اور اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی سے وہ انگوٹھی نکالنے لگی جو کبھی پوری چاہ اور محبت سے اسے سامنے کھڑے شخص نے پہنائی تھی۔

یہ رہی تمہارے نام کی انگوٹھی جس نے میری زندگی کی ساری خوشیوں کو جلا کر بھسم کر دیا اس نے انصر کا ہاتھ تس کے پہلو سے اٹھایا اور ہتھیلی پر وہ انگوٹھی رکھی۔

اک آخری بات زندگی میں جس کو بھی شامل کرواسے محبت سے پہلے اعتبار کا زیور پہنانا اور وہ اعتبار اتنا تو مضبوط ہو کے شک کی کوئی آندھی اس تک نہ پہنچ سکے۔

کیوں کہ محبت بنا اعتبار کے دیمک لگی کھوکھلی لکڑی کی طرح ہوتی۔ بظاہر خوبصورت مگر اندر سے بھر بھری۔

وہ اپنی بات مکمل کر کے لمبے لمبے ڈگ بھرتی اسے شاکڈ چھوڑ کر چلے گئی تھی۔ اور آج النصر کو احساس ہوا تھا کہ اس نے ایک سیپ میں بند موتی کو کھو دیا ہے۔

وہ جانتی تھی ایک دن النصر لوٹ کر ضرور آئے گا۔ لیکن وہ اتنی جلدی اس کے سامنے آجائے گا یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ اسے حیرت تھی کہ وہ کتنی آسانی سے سب کچھ پھر سے جوڑنے کی بات کر رہا تھا۔ کیا ٹوٹے رشتے اتنی آسانی سے جڑ جاتے۔ اور اگر ٹوٹے رستے آسانی سے جڑ بھی جائیں لیکن وہ تعلق پھر کبھی نہیں جڑتا جس میں آپ

اپنے ساتھی کو بے عزت کر کے اس پر الزامات لگا کر اس کے دامن پر کیچڑ اچھال کر چلے جائیں۔ کیوں کہ ایک عورت محبت کے بغیر تو رہ سکتی ہے مگر عزت اور یقین کے بغیر نہیں۔ جو مرد اس پر شک کرتا ہے وہ اس کے دل اور نظر دونوں سے گر جاتا ہے۔

وہ ٹھیک سوچتی تھی کہ ایک دن النصر لوٹ آئے گا۔
وہ یہاں بھی ٹھیک تھی کہ وہ النصر کو معاف کر دے گی۔
اور وہ یہاں بھی ٹھیک تھی کہ پھر النصر خود کو کبھی معاف نہیں کر سکے گا۔

*****

اس دن زیب کی طبیعت صبح سے بہت خراب تھی۔ اس کو سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔ دل بھی گھبرا رہا تھا۔ اور ساتھ ہی دوسری تکلیف بھی بہت تھی۔ حسام کے ساتھ جب وہ ہاسپٹل آئی تو اس کی ڈاکٹر اب تک ہاسپٹل نہیں آئی تھیں۔ کچھ دیر تو ان دونوں نے ویٹنگ روم میں انتظار کیا مگر جب زیب سے درد کے مارے بیٹھنا مشکل ہو گیا تو وہ لوگ ڈیوٹی پر موجود دوسری گائنا کولوجسٹ کے پاس چلے آئے تھے۔ ڈاکٹر رخشندہ بھی ایک نہایت قابل ڈاکٹر تھیں۔ انہوں نے چیک اپ کے فوراً زیب کا الٹرا ساؤنڈ کیا تھا۔

آپ کا بے بی ٹھیک سے سانس نہیں لے رہا۔ اس کی حالت بہت خطرے میں ہے۔ فوراً آپریشن نہیں کیا گیا تو بچے اور ماں دونوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

چیک اپ کے بعد ڈاکٹر سنجیدگی سے بولی تھیں۔

کیا ایک بار پھر میں اپنے بچے کو کھونے والی ہوں خوف کی ایک لہر اس کے سارے جسم میں سرائیت کر گئی تھی۔ اس کے مساموں میں سے پسینہ پھوٹنے لگا تھا۔

یا اللہ نہیں اس بار مجھے اپنی نعمت دے کر مت چھین وہ سسک ہی تو پڑی تھی۔ آنکھوں کے آگے نا جانے کیوں اچانک سے عروب کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ آیا تھا۔ مجھے اس سے معافی مانگنی ہوگی۔ جب تک وہ مجھے معاف نہیں کرے گی اللہ بھی نہیں کرے گا۔ اسے اپنے سارے ستم پوری شدت سے یاد آئے تھے۔

****

میں زیب فاروق ہوں۔ اپنے باپ کی شہزادی۔ میں چار سال کی تھی جب میرے بابا مجھے ہمیشہ کے لیے تنہا چھوڑ گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد میری ماما رابعہ فاروق مجھے پہلے سے زیادہ چاہنے لگی تھیں۔ لیکن ایک ماں کی محبت باپ کی کمی کہاں پوری کر سکتی ہے؟ بابا کے بعد میں بلکل خاموش ہو گئی تھی۔ ہنسنا رونا سب کچھ بھول چکی تھی۔ میں فطرتاً جذباتی لڑکی تھی۔ اور میری دنیا بابا کے بعد رک سی گئی تھی۔ اور پھر میں عروب احسان سے ملی۔ وہ مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ اور یوں ہم دونوں کی دوستی ہو گئی تھی۔ اس کی ماما نہیں تھیں اور میرے بابا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنے دل کی باتیں شیئر کرنے لگے تھے۔ ہماری دوستی گہری ہوتی گئی۔ وہ میرے گھر آتی میں اس کے گھر جانے لگی۔

اس کے بابا بلکل میرے بابا جیسے تھے وہ بھی عروب کو اتنا چاہتے تھے جتنا میرے بابا مجھے۔

عروب جب ہمارے گھر آتی تو ماما ہمیشہ اس سے بہت محبت سے ملتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں عروب ایک بن ماں کی بیٹی ہے اس لیے وہ اسے اور زیادہ توجہ دیتی تھیں۔

آہستہ آہستہ میری ماں اسے بہت اچھی لگنے لگیں اور اس طرح اس کی خواہش پر اس کے بابا نے میری ماں کو اس کی ماما بنا دیا۔ شروع شروع میں مجھے بھی یہ سب اچھا لگا تھا۔ لیکن جب ماما عروب کو مجھ سے زیادہ چاہنے لگیں۔۔۔ اپنے شوہر کے دل میں جگہ بنانے کے لیے وہ اپنی ساری توجہ عروب پر نچھاور کرتی چلے گئیں اور اس طرح میں باپ کے بعد ماں سے بھی محروم ہو گئی۔ عمیر کے دنیا میں آنے کے بعد تو ماما مجھے بھول ہی چکی تھیں۔ اور یہیں مجھے عروب سے نفرت ہونے لگی۔ کچھ عرصے بعد شافیعہ پھوپھو اپنی فیملی کے ساتھ ہمارے ہی علاقے میں شفٹ ہوئیں اور ان کے آنے کے بعد میری محرومیوں میں کچھ کمی آئی۔ شافیعہ پھوپھو مجھے اپنے بچوں کی طرح چاہتی تھیں۔ میں جب تک وہاں ہوتی خوش رہتی۔ شافیعہ آنٹی ہمیشہ کہتی تھیں زیب یہ تمہارا گھر ہے اور میرا اپنے اس گھر سے جانے کا پھر دل ہی نہیں کرتا تھا۔ میں سارا سارا دن وہاں گزار دیتی تھی۔ حسام مجھ سے شروع سے بہت محبت سے پیش آتے جب کہ النصر تو تھا ہی میرا بہترین دوست۔ لیکن پھر میرے بہترین دوست کی زندگی میں عروب آگئی۔ اور میری جیلیسی میں مزید اضافہ ہوا۔ وہ میری دنیا تھی اور اب اس دنیا میں عروب کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ میرے رشتے تھے میں کیسے انہیں عروب کے ساتھ بانٹتی۔ وقت گزرا میری اور حسام کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں لیکن یہ کیا النصر اور عروب کے رشتے کا سب کیسے سوچ سکتے ہیں۔ کیوں عروب میرا کہیں پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میں النصر کی زندگی سے عروب کو نکال کر رہوں گی اور پھر مجھے وہ موقع مل بھی گیا تھا۔

النصر عروب کے معاملے میں حد سے زیادہ پزیسیو تھا۔ اور پھر اس کی جذباتی طبیعت میں نے ان دونوں باتوں سے فائدہ اٹھایا اور عروب کو النصر سے الگ کر دیا۔ میں نے عروب سے اپنی تمام محرومیوں کا بدلا لے لیا تھا۔ النصر اسے ٹھکرا کر چلا گیا تھا۔ میں خوش تھی۔

لیکن میری خوشی زیادہ دن برقرار نا رہی۔
اللہ نے مجھے کیا خوب سزا دی تھی کہ جس اولاد کو پانے کے لیے میں نے تکلیفیں اٹھائیں۔ میں اس کا چہرہ تک نا دیکھ سکی۔ میرے ہوش میں آنے سے پہلے۔ ہی اسے دفنا دیا گیا۔ لیکن میں تب بھی نہیں سنبھلی اور عروب کو طعنے مار مار کر اذیتیں دیتی رہی۔
اور پھر شاید اللہ ایک بار پھر میری۔۔۔
لیکن نہیں میں اس بار کچھ غلط نہیں ہونے دوں گی۔
میں عروب سے معافی مانگ لوں گی۔ اور پھر کبھی کسی کا دل نہیں دکھاؤں گی۔

****

تین سال بعد۔۔۔۔
زندگی میں ملنے والی بہت سی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ آپ کا شوہر آپ سے۔ محبت کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی عزت اور آپ پر یقین۔ بھی کرے۔ اور میں یعنی عروب عفان اس معاملے میں بہت خوش نصیب تھی۔
آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں عروب احسان سے عروب عفان کب بنی تو چلیں میں آپ کو بتاتی ہوں۔
وہ تین سال پہلے کی ایک خاموش شام تھی۔ میں لان میں لگے جھولے پر بیٹھی ڈھلتی شام کے سائے دیکھ رہی تھی جب حسام بھائی میرے پاس آئے تھے۔ ان کا کہنا تھا زیب مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ تم دونوں کے درمیاں جو بھی اختلاف ہے اسے ایک طرف رکھ کے مجھے ان کے ساتھ چلنا چاہیے۔
اور پھر میں ان کو انکار کیسے کرتی، میں نے ہمیشا نہیں بڑے بھائیوں کا درجہ دیا تھا۔ میں بنا کچھ کہے ان کے ساتھ ہاسپٹل چلی آئی تھی۔ عمیر اور ماما وہاں پہلے سے موجود تھے۔ ان دونوں نے مجھے حسام بھائی کے ساتھ آتے حیرت سے دیکھا تھا۔
ہم جس وقت پہنچے زیب کا آپریشن ہو چکا تھا۔ اور ساتھ ہی اسے روم میں بھی شفٹ کر دیا تھا۔ بے بی اور ماں دونوں بہتر تھے۔
مجھے دیکھتے ہی زیب کی آنکھوں سے۔ آنسو بہنے لگے تھے۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں نے آگے بڑھ کر اس لیٹے رہنے کا کہا۔
عروب میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے ساری زندگی تمہارے ساتھ برا کیا۔ تمہارا دل دکھایا۔ یہاں تک کہ تمہاری محبت تک تم سے چھین لی۔ پلیز مجھے اب کوئی بد عامت دینا، میں اب مزید کچھ کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی، وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔
زیب میں تو تمہیں کب کا معاف کر چکی ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں، تم اس عورت کی بیٹی ہو جس نے مجھے کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی ایک ایسی بے مثال عورت کی بیٹی کو میں کیسے بد دعا دے سکتی ہوں۔ میں سچے دل سے بولی تھی۔
درحقیقت میں تمہاری شکر گزار ہوں۔ تم اگر میرے ساتھ وہ سب نا کرتیں تو انصر کا اصل چہرہ شاید کبھی میرے سامنے۔ نہ آتا۔ وہ کبھی میری زندگی سے۔ نہ جاتا اور میں کبھی عفان سے نہیں ملتی۔
مجھے لگتا تھا کہ جتنا پیار پاپا مجھ سے کرتے ہیں اتنا کوئی مجھ سے نہیں کر سکتا مگر میں غلط تھی عفان بلکل پاپا کی طرح مجھ سے محبت کرتا تھا۔ بے غرض بے حساب۔
آخری باتیں میں نے دل میں سوچی تھیں۔ ہاسپٹل کے اس کمرے میں بیٹھے بیٹھے مجھے عفان یاد آیا تھا اور ساتھ ہی اس کا ایک محبت سے بھرا انداز۔ اچانک میرا دل اس کی خواہش کرنے لگا تھا۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ جب تک ہم دوسروں کی غلطیوں کو دل میں جلہ دیے رکھتے ہیں تب تک سکون بھی ہم سے دور بھاگتا ہے۔ خوشیاں تو معاف کر دینے میں چھپی ہیں۔
زیب نے مجھے اپنی بیٹی کا نام رکھنے کا حق دیا تھا۔ اور میں نے اس کا نام شاہین رکھا تھا۔ وہ زیب کی گود میں سو رہی تھی۔ میں نے جھک کر اس کی پیشانی کا بوسہ لیا تھا۔

وہ بالکل زیب کی کاپی تھی مگر اس کی آنکھیں بلکل میرے جیسی تھیں۔
میری دعا ہے کہ اللہ شاہین کا نصیب بھی اس کے نام کی طرح اعلیٰ رکھے وہ اپنے نام کی طرح شاہین بنے۔ ہم سب سے الگ چاہے جانے کے قابل میں نے سچے دل سے۔ اس بچی کے لیے دعا کی جو مجھے بے حد پیاری تھی۔
اور پھر میں وہاں سے چلی آئی تھی۔
میں اور عفان ایک بار پھر اس ہی پارک میں بیٹھے تھے۔ میں نے اس سے صرف ایک سوال کیا تھا کہ عفان اگر کوئی تم سے کہے کہ عروب احسان سراسر جھوٹ اور فریب کا پیکر ہے تو آپ اسے کیا کہیں گے۔
اور جواب میں وہ کافی لمحے مجھے دیکھتا رہا تھا۔ اور پھر بولا۔ میں پہلے۔ تو اس کی بات پر ہنسوں گا۔ اور پھر اسے بتاؤں گا کہ عروب احسان کا سب سے بڑا سچ تو میں ہوں۔ اور اس پل مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میری آنکھوں سے میرے دل کا حال بتانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے سامنے اپنی گزشتہ زندگی کا ورق ورق کھول کر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد کا ہر مرحلہ بے حد آسان تھا۔ میں بابا اور ماما کی دعاؤں کے سائے میں عفان کے سنگ رخصت ہو گئی تھی۔
اور آج ہماری شادی کو تین سال گزر گئے ہیں۔ ایک سال پہلے اللہ نے ہمیں ارحام جیسے پیارے سے بیٹے سے نوازا تھا۔ اور تب مجھے احساس ہوا عفان سے محبت تو مجھے اس ہی پل ہو گئی تھی جب اس نے میرے ہاتھ میں یقین کی ڈور تھمائی تھی۔
ان تین سالوں میں مجھے بار بار اپنے فیصلے کے۔ درست ہونے کا احساس ہوا تھا۔ عفان اور اس کی فیملی نے میری زندگی سے۔ ہر خلا پر کر دیا تھا۔ وہ اتنا اچھا تھا کہ دل کو بے ساختہ اس سے محبت ہونے لگتی تھی۔ اس کا ایک ایک انداز دل میں گھر کر لیتا تھا۔
اب میں سوچتی ہوں کہ اللہ انسان پر کتنا مہربان ہوتا ہے۔ ہم جو اپنے مستقبل کے خواب سجا رہے ہوتے۔ ہیں تو ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان خوابوں کو سجانے سے۔ کچھ حاصل نہیں ہوگا وہ ہی جو اللہ چاہتا ہے۔ اور جو اللہ چاہتا ہے وہ سب سے بہترین ہوتا ہے۔ تب ہی تو اللہ نے عروب کو عفان دیا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ عروب کو عفان سے بڑھ کر عزت اور پیار اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میں شاید اسے کبھی نہیں بتا سکتی کہ وہ میرے لیے کیا ہے۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ جتنی خوش میں عفان کے ساتھ ہوں اتنی خوش میں دنیا میں کسی کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ جتنی عزت وہ مجھے دیتا تھا اتنی عزت دوسرا کوئی نہیں دے سکتا تھا۔
عورت محبت کے بغیر پھر بھی جی لیتی ہے۔ جو مرد عورت کی محبت پر اس کے کردار پر شک کرتا ہے اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچے بھی تو سانس اکھڑنے لگتی ہے۔ دل پھٹنے لگتا ہے۔ ایسا لگتا جیسے کسی نے اسے اندھیری قبر میں دفن کر دیا ہو۔ کیوں کہ عورت یقین کے بغیر زندہ لاش ہے۔ اور زندگی شک کے سائے میں گزارنا جیسے موت ہے۔
عروب کہاں رہ گئی ہو یار۔۔۔ ارحم کب سے یاد کر رہا تمہیں تم تاج لینے گئی تھیں یا کیک بیک کرنے عفان بولتے بولتے اپر آ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے ڈریسنگ پر رکھا تاج اٹھایا اور باہر نکل آئی آج ہمارا گھر رنگوں اور خوشبوؤں میں نہایا ہوا تھا۔ کیوں کہ آج میرے بیٹے کی پہلی سالگرہ تھی۔ اور اب مجھے اس کے پاس جانا تھا۔

☆☆☆

تم میرے پاس رہو

دُرِثمن بلال

"جنت پیلس" واقعی کسی جنت سے کم نہ تھا، نہایت قیمتی فرنیچر اعلیٰ پردے، بیش قیمتی فانوس، بی جان انہیں دیکھ کر کھل اٹھی تھیں، خوشی ان کے مسکراتے چہرے سے عیاں تھی، خوشگوار ماحول میں گپ شپ ہو رہی تھی، جب ملازمہ نے کھانا لگ جانے کی اطلاع دی تھی۔

"اٹھیے ذوریز میاں!" ملک عرفان نے بے تکلفی سے ذوریز آفندی کو مخاطب کیا۔

"ماہین، انوش بیٹا اٹھو کھانا لگ چکا ہے۔" حمیرا بیگم نے بھی ماہین اور انوش کو مخاطب کیا، تو وہ تینوں اٹھ کر سب کے ساتھ ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے، جہاں پہلے سے دو ویٹر انہیں سرو کرنے کے لئے موجود تھے۔

کھانا پر تکلف ماحول میں شروع کیا گیا، پورے ڈائننگ ٹیبل پہ انواع اقسام کی ڈشیز موجود تھیں، بی جان بار بار انہیں مختلف ڈشیز ٹرائی کرنے یہ اصرار کرتی رہی تھیں۔

اچانک ڈائننگ ہال میں کوئی داخل ہوا تھا اور ایک پرجوش آواز انوش کو اپنے عقب سے سنائی دی تھی۔

"Ya sorry i am late راستے میں ٹریفک اتنا تھا کہ پھنس کر رہ گیا۔" انوش یہ منحوس آواز کیسے نہ پہچانتی؟ حیرت سے اس نے گردن موڑ کر دیکھا تھا اور پھر اس کی نظریں پتھرا گئی تھیں۔

☆☆☆

وہ رات کومل کے ساتھ چھت پہ واک کرنے کے بعد کمرے میں آئی تو ازک صوفے پہ لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا، اسے دیکھتے ہی ازک نے والیم کم کیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا، پری الماری سے اپنا سوٹ نکالنے لگی۔

"آپ بیڈ پہ سویا کریں مس پری! صوفے



مکمل ناول



پہ بے آرام ہونے کی ضرورت نہیں۔" انزک نے اسے مخاطب کیا۔

"نہیں انزک مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے وہاں سونے میں، البتہ تم ضرور ڈسٹرب ہو جاؤ گے صوفے پہ، ان فیکٹ عادی ہوتا ہے انسان اپنے بستر کا۔" وہ سوٹ نکال کر پلٹی۔

"عادتیں بدلی بھی تو جا سکتی ہیں ناں؟ اور ویسے بھی اب تو آپ میرے اس "غریب خانے" میں چند دن کی مہمان ہیں آپ کی خدمت کرنا اب فرض ہو گیا ہے مجھ پہ۔" انزک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انزک تم سب نے میرا جس طرح خیال رکھا ہے، تمہارے گھر والوں نے میرا دامن جس طرح محبتوں سے بھرا ہے، اس کے سامنے مجھے اپنا آپ بہت حقیر سا لگتا ہے اور...... اور مجھے شرمندگی ہونے لگتی ہے کہ میں کس خودغرضی سے سب کو دھوکا دے رہی ہوں؟" وہ سوٹ لئے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے شرمندگی سے بولی۔

"آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، شکر گزار تو مجھے آپ کا ہونا چاہیے، آپ نے مجھ پہ اعتبار کیا، میری مشکل کو آسان بنایا اور رہی بات محبتوں کی تو مس پری...... کچھ لوگوں کے لئے دل خود بخود کشادہ ہو جاتے ہیں ناں۔" وہ ریموٹ سے ٹی وی بند کرتے ہوئے بولا۔

"ویسے میں تمہیں خاصا سڑیل اور بدتمیز سا انسان سمجھتی تھی لیکن تم ایک بہترین انسان ہو۔" پری نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا تو جواباً وہ بھی مسکرا دیا۔

"پہلی حادثاتی ملاقات میں مجھے بھی آپ خاصی خود سر اور بدمزاج لگی تھیں۔"

"ہاہاہا۔" اس کے اظہار پہ وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ انزک نے پہلی بار اسے یوں ہنستے ہوئے دیکھا تھا، اس کی ہنسی میں ایک جلترنگ تھی۔

"لیکن اب میری رائے بدل گئی ہے۔" انزک نے خوشگوار موڈ میں بتایا۔

"جانتے ہو؟ جب تم نے مجھے ڈرائیونگ اسکول میں ایڈمیشن لینے کا مشورہ دیا تھا تو میرا دل چاہ رہا تھا تمہارا سر پھوڑ دوں۔" وہ زیر لب مسکرائی، اس کی بات پہ انزک نے قہقہہ لگایا۔

"اور جب میں مریم نے نکاح کے لئے مجھے آپ سے ملوایا تھا تو مت پوچھیں میری کیا حالت ہوئی تھی؟" وہ دونوں ہی ماضی کی یادوں پہ مسکرا رہے تھے۔

"ہاں مجھے یاد ہے، خود میری حالت بھی تم سے مختلف نہ تھی۔" پری مسکراتے ہوئے بولی۔

"اینی وے رات کے گیارہ بج رہے ہیں، تمہیں اب سو جانا چاہیے، ورنہ آفس کے لئے اٹھنا مشکل ہو جائے گا تمہارے لئے۔" پری کی نظر وال کلاک پہ پڑی تو اس نے کہا اور وہ کپڑے لئے بیڈ سے اٹھی۔

"ٹھیک کہا آپ نے...... میں اب سونے ہی والا تھا، پلیز واش روم میں جانے سے پہلے ذرہ یہ لائٹ آف کر دیجئے گا۔" انزک نے صوفے پہ کشن رکھتے ہوئے کہا، تو وہ اثبات میں سر ہلا کر لائٹ آف کرنے کے بعد واش روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

رات کی تاریک چادر پہ چمکتا ہوا چاند ستارہ کو خود کی طرح تنہا اور ویران لگتا تھا۔

ستارہ بے جی کے پاؤں دباتی کھلی کھڑکی سے نظر آتے چاند کو دیکھ رہی تھی، دور سے کتنا روشن اور حسین لگتا تھا لیکن اپنے اندر نا جانے کتنے اندھیرے اور بدصورتی سمیٹے ہوئے تھا؟

"ستارہ آج اتنی چپ کیوں ہے؟ کوئی گل ہے کیا؟" بے جی نے لیٹے لیٹے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بس بے جی ایسے ہی، کبھی کبھی کہنے کو بہت کچھ ہوتا ہے لیکن الفاظ ساتھ دینے سے انکار کر دیتے ہیں اور پھر چپ رہنے کو دل چاہتا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"تیری ماں ہوں میری بچی...... تو نہ بھی بتائے تب بھی تیرا چہرہ دیکھ کر تیرے دل کا حال بتا سکتی ہوں۔" بے جی اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں، ان کی بات پہ ستارہ مسکرا دی۔

"جانتی ہوں بے جی، خود بھی ایک ماں ہوں، ایکسرے مشین کی طرح ہوتی ہے ماں، اس سے بھلا کچھ چھپایا جا سکتا ہے؟ تو پھر چپ کیوں ہے میری بچی؟ بات کر مجھ سے؟"

"کیا بات کروں بے جی؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"میں جانتی ہوں تو سکندر کے بارے میں سوچ رہی ہے، ہے ناں۔" بے جی نے اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا جس پہ زندگی کی بہت سی تلخیاں، ناانصافیاں درج تھیں۔

"حالانکہ مجھے اس شخص کے بارے میں ہرگز نہیں سوچنا چاہیے۔" وہ تنفر سے بولی تھی۔

"سکندر لاکھ برا شخص سہی، لیکن میری بچی وہ تیری زارا کا باپ ہے، اس نے تیرے ساتھ جو کیا جتنا برا کیا، وہ ایک الگ قصہ ہے، پر تجھے زارا کی خاطر، اس نامراد کے بارے میں سوچنا ہو گا ستارہ وہ اب وڈی ہو رہی ہے، باپ کے بارے میں سو سو سوال کرتی ہے تجھ سے۔"

"بچے تو سوال کرتے ہی ہیں بے جی۔"

"تو یہ دیکھ کہ آج تو زارا تجھ سے سوال کرتی ہے اپنے باپ کے بارے میں، کل جب وہ جوان ہو جائے گی، اس کی شادی بیاہ کی بات شروع ہو گئی تو دنیا تجھ سے سو سو سوال کرے گی، اس وقت کیا جواب دے گی لوگوں کو؟ پہاڑ جیسی زندگی تو کلی (اکیلی) کیسے گزارے گی؟" بے جی آبدیدہ ہوئیں۔

"گزار لوں گی بے جی، اللہ ہے ناں میرے ساتھ اور ویسے بھی ایک بیوہ کی طرح ہی تو زندگی گزار رہی ہوں کہہ دوں گی لوگوں کو کہ مر گیا زارا کا باپ۔" ستارہ کے لہجے میں سختی تھی۔

"نہ میری بچی، ایسے نہیں کہتے، زندوں کو مارنا آسان نہیں ہوتا، آج سکندر کو اپنی غلطیاں یاد آتی ہیں پچھتاوا ہوتا ہے اسے وہ اپنے کیئے پہ معافی مانگتا ہے تجھ سے، سخت پشیمان ہے وہ، اسے معاف کر دے میری بچی، صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔" بے جی اسے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

"بے جی، صبح سے شام ہونے کے دوران جو دکھ، تکلیفیں اور اذیتیں میں نے اٹھائیں ان کا حساب کون دے گا؟" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تو بے جی نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"انسان جتنے بھی گناہ کرے اللہ اپنے بندے کے لئے معافی کا در کبھی بند نہیں کرتا ستارہ، وہ معاف کرتا ہے اور معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے میں چاہتی ہوں کہ تو سکندر کو معاف کر کے اپنے اللہ کو راضی کر لے، وہ تیرے ساتھ پھر سے گھر بسانا چاہتا ہے اس کی امید نہ توڑ۔" بے جی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

"بے جی ٹوٹا ہوا گھر جوڑ لوں گی، لیکن ٹوٹا ہوا دل کیسے جوڑوں گی؟ کیا کوئی ایسی گوند ہے جس سے ٹوٹے ہوئے دل پھر سے جوڑ لئے

جائیں؟'' آنسوؤں کی نمی ستارہ کے لہجے میں گھل رہی تھی۔

''میری بچی وقت سے وڈی گوند کوئی نہیں ہے اس دنیا میں، یہ ٹوٹے دلوں کو آپے ہی جوڑ دیتی ہے زخموں پہ آپے ہی مرہم رکھ دیتی ہے۔''

''بے جی یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''میری بچی اپنے دل کو سمجھا لے گی تو سب آسان ہونے لگے گا اور ویسے بھی در پہ آئے فقیر اور پشیمان بندے کو خالی نہیں لوٹاتے جتنے ترلے سکندر نے تیرے کیے ہیں، اتنے ترلے تو رب سوہنا وی نہیں کرواتا، اپنے بندوں سے۔'' بے جی اسے اپنی عقل کے مطابق مختلف دلائل دے کر سمجھا رہی تھیں، اب کے وہ خاموش ہو گئی تھی۔

☆☆☆

وہ موبائل کان سے لگائے کھڑکی کے پاس کھڑی تھی، اس کی نظریں سامنے دیوار سے لپٹی بوگن ویلیا اور منی پلانٹ پہ مرکوز تھیں، سلونی شام میں چڑیوں کی آوازیں اور سبزہ بہت بھلا لگ رہا تھا۔

''ڈاکٹرز نے مما کو مزید پندرہ بیس دن سفر نہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔'' سمیر کی اطلاع پہ وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''واٹ نان سینس؟ میں ایک ایک دن گن گن کر گزار رہی ہوں اور تم کہہ رہے ہو کہ ابھی پندرہ بیس دن اور لگیں گے؟ سمیر مجھے سمجھ نہیں آ رہا تم مجھے کس چیز کی سزا دے رہے ہو؟'' وہ غصے کے ساتھ ساتھ روہانسی بھی ہوئی۔

''میں تمہیں سزا دے رہا ہوں؟ کمال کرتی ہو پری تم، میری اپنی حالت تم سے مختلف نہیں ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میں تمہیں سزا دے رہا ہوں؟ حد ہے ویسے؟ تمہاری اس بات نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے پری۔'' سمیر حیرت و پریشانی سے بولا۔

''اور جو ادھر میں ہرٹ ہو رہی ہوں؟ تمہیں میری کوئی پرواہ نہیں؟ میں کن اذیتوں سے گزر رہی ہوں تمہیں احساس ہے میرا؟'' آج اسے سمیر پہ از حد غصہ آ رہا تھا سو وہ اسے کھری کھری سنا رہی تھی۔

''میری جان میری پری! پلیز کول ڈاؤن، جہاں اتنے سارے دن گزار لئے وہاں دو ہفتے صرف دو ہفتے گزار لو میری خاطر صرف میری خاطر۔'' سمیر نے اسے بچوں کی طرح پچکارا اور منت سماجت کرنے لگا۔

''تمہاری خاطر تو میں وہ سب بھی برداشت کر رہی ہوں جس کے بارے میں، میں نے کبھی تصور تک نہیں کیا تھا۔''

''آئی نو میری جان! تم دیکھنا، میرے واپس آتے ہی تمہاری تمام پریشانیوں کو خوشیوں میں بدل دوں گا، دنیا رشک کرے گی ہمیں دیکھ کر، میں کیسے تمہیں بتاؤں؟ تم سے دوری اور جدائی کیسے مجھے اذیت دیتی ہے؟ انتظار کی آگ میں تم اکیلی نہیں میں بھی لمحہ لمحہ تمہارے ساتھ جل رہا ہوں، تم تو شکوے کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی ہو، میں کس سے شکوہ کروں پری؟'' سمیر کی آواز میں ان دیکھا دکھ اور کرب پوشیدہ تھا، پری کا دل یکدم موم ہوا۔

''اٹس او کے، اب زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ بتاؤ کیسے ہو تم؟'' پری نے موضوع بدلا، اس کی بات پہ سمیر نے ایک طویل سانس لیا۔

''اپنی زندگی، اپنی جان کے بغیر کیسا ہو سکتا ہوں؟'' سمیر کی گمبھیر آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو پری کے لب مسکرانے لگے۔

''رومانس جھاڑنا تو کوئی تم سے سیکھے۔''

''اور رعب جھاڑنا تم سے۔'' سمیر کی بات پہ وہ بے ساختہ ہنسی۔

''تمہاری ہنسی نے مجھے ایک دم فریش کر دیا، اب دو چار دن آرام سے گزر جائیں گے۔'' وہ پھر سے رومانٹک ہوا، پری مسکرا دی۔

''اچھا یہ بتاؤ ازنک کے گھر تمہیں کوئی پرابلم تو نہیں؟''

''نہیں سمیر، وہ ایک شریف آدمی ہے اور اس کے گھر والے میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔'' بات کرتے کرتے پری کی نظریں بے ساختہ کمرے کی دیوار پہ انلارج کی ہوئی ازنک آفاق کی تصویر پہ ٹھہر گئی تھیں، جس میں وہ ٹاپ میل ماڈل Robert pattinson سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

''گڈ، لیکن پھر بھی محتاط رہنا۔''

''ڈونٹ وری سمیر۔''

''اور ہاں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ؟''

''نہیں...... مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے۔''

''انشاء اللہ...... بہت جلد...... ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پھر سے ایک ہو جائیں گے۔'' ہنوز محبت۔

''انشاء اللہ۔'' وہ مسکرائی۔

''او کے میری جان، اب میں فون رکھتا ہوں، پھر بات ہو گی۔''

''او کے ٹیک کیئر۔'' پری نے فون بند کیا اور شاور لینے کے لئے الماری سے اپنا سوٹ نکالنے لگی۔

ازنک آفس سے آیا تو وہ الماری کھولے کھڑی تھی، سلکی براؤن سیدھے اور لمبے بال اس کی نازک سی کمر پہ بکھرے ہوئے تھے، گہرے سبز رنگ کے پاجامے پہ سبز ہی پرنٹ شارٹ قمیض پہنے وہ اتنی جاذب نظر لگ رہی کہ وہ بے اختیار کھڑا اسے دیکھے گیا۔

الماری کا پٹ بند کر کے وہ سوٹ ہاتھ میں لئے پلٹی تو ازنک کو کھڑا دیکھ کر حیران ہوئی۔

''تم کب آئے؟'' ازنک سٹپٹا گیا۔

''وہ آئم سوری، میں اتنا تھکا ہوا تھا کہ بغیر ناک کیے اندر چلا آیا۔'' وہ شرمندگی سے بولا۔

''آئندہ اس بات کا خیال رکھنا۔'' پری نے تنبیہ کی۔

''جی ضرور۔'' ازنک نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بائے دا وے سب گھر والے کہاں ہیں؟'' وہ چیئر پہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''دادی سو رہی ہیں اور باقی سب کومل کی شادی کی شاپنگ کرنے گئے ہیں۔'' پری نے رسان سے بتایا۔

''آپ تو پھر گھر میں بور ہوتی رہی ہوں گی؟''

''نہیں کچھ خاص نہیں، سمیر کی کال آ گئی تھی۔''

''مس پری! یہ گھر یہ کمرہ یقیناً آپ کے رہنے کے قابل ہرگز نہیں تھا، لیکن آپ بغیر کوئی شکوہ کیے، ہم سب کو برداشت کرتی رہی ہیں، اس کے لئے میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں اور میں نے آپ سے رقم کے لالچ میں نکاح کیا، خود کو گنہگار کیا اس کے لئے تو شاید میں کبھی خود سے بھی نظریں نہ ملا پاؤں، آپ نے مجھ پہ اعتماد کر کے مجھے احسان مندوں میں شامل کر دیا ہے۔'' سچائی اور پشیمانی ازنک کے چہرے پہ درج تھی۔

''ازنک! میں جانتی ہوں، مجبوریاں انسان

کو کیسے مجبور اور بے بس کر کے ذلت کے کٹہرے میں لاکھڑا کرتی ہیں، انسان کی عقل اور انا سب دنگ رہ جاتی ہیں اور رہی بات احسان کی تو، وہ چیک واپس کر کے تم نے مجھ پہ کیا ہے، مجھے تو یہ سوچ سوچ کر شرمندگی ہوتی ہے کہ میرے جانے کے بعد...... دادی، آنی، پھپھو اور کومل کیا سوچیں گی؟" بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"Don,t be tensed, Everything سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انزک نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

"انزک تم ایک بہترین انسان ہو، سچے اور کھرے انسان۔" پری نے اعتراف کیا، جواباً وہ مسکرایا۔

"آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں۔" وہ اپنی نشست سے اٹھا۔

"کافی پئیں گی آپ؟" انزک نے پوچھا۔

"تم آفس سے تھکے آئے ہو، فریش ہو جاؤ میں کافی بناتی ہوں۔" وہ اپنا سوٹ بیڈ پہ رکھتے ہوئے بولی۔

"ارے نہیں آپ کہاں بنائیں گی کافی؟" انزک کو حیرت ہوئی۔

"آج بنا کر لاتی ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"شیور۔" انزک نے خوشگوار حیرت سے کہا تو وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

"کافی کا ڈبہ کچن کے سیکنڈ کیبنٹ میں رکھا ہے۔" عقب سے انزک نے بتایا۔

"او کے۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"ارے آ گیا میرا بیٹا۔" حمیرا نے شاہ ویز کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

"ذوریز میاں! ان سے ملئے یہ ہیں ہمارے چھوٹے صاحبزادے شاہ ویز۔" کھانا کھاتے عرفان نے تعارف کروایا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" شاہ ویز نے نہایت خوشگوار موڈ میں مسکراتے ہوئے ذوریز آفندی، ماہین اور پھر انوش کو دیکھا، مارے حیرت کے انوش کی حالت کاٹو تو لہو جیسی ہو رہی تھی، دوسری جانب ذوریز آفندی بھی اس انکشاف پہ پہلو بدل کر رہ گئے تھے، انہیں بھی شاہ ویز کو ماہین کے بھانجے کے روپ میں دیکھ کر کچھ خوشی نہ ہوئی تھی لیکن سب کے سامنے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں شاہ ویز کے "ہائے" کا جواب دینا ہی پڑا تھا۔

شاہ ویز اب مسکراتی نظروں سے انوش کو دیکھتے ہوئے ذوریز آفندی کے ساتھ اور انوش کے بالکل سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"آج تو گھر میں عید کا سماں ہے۔" شاہ ویز نے انوش کے سامنے رکھا افغانی پلاؤ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بھلا اس میں کیا شک ہے؟" حمیرا نے بھی تائید کی۔

"آج بیس سال کے بعد میں بی جان کو اتنا خوش اور مطمئن دیکھ رہا ہوں۔" ملک عرفان نے ماں کے مسکراتے اور پرسکون چہرے کو دیکھا۔

"اولاد کا غم اور اس کی جدائی اللہ کسی کو نہ دکھائے، انسان جیتے جی مر جاتا ہے۔" بی جان نے نیپکین سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"بی جان آج وعدہ کریں اب آپ کبھی پریشان نہیں ہوں گی۔" ماہین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی، میرے دل کی ٹھنڈک میری اولاد اب میرے سامنے ہے میں بھلا کیوں پریشان ہونے لگی؟" بی جان نے خوشگوار موڈ میں کہا تو سبھی مسکرا دیئے

سوائے انوش کے۔

"ویسے کیا حسین اتفاق ہے قدرت نے تمہیں میری اکلوتی پھپھو زاد کے روپ میں میرے سامنے لاکھڑا کیا۔" شاہ ویز نے کھانا کھاتے موبائل پہ اسے میسج کیا۔

میسج پڑھ کر انوش نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور میسج ٹائپ کرنے لگی، اگلے ہی لمحے، شاہ ویز کے موبائل کی میسج ٹون بج اٹھی۔

"اور میرے لئے یہ میری زندگی کا بھیانک ترین انکشاف ہے۔" وہ میسج پڑھ کر مسکرایا۔

"ہاؤ سویٹ۔" شاہ ویز نے لکھا اور ہارٹ شیپ کا Emoj اسے سینڈ کیا، انوش نے ایک بار پھر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"دل تو چاہ رہا ہے ابھی ماموں جان کو تمہاری اصلیت بتاؤں کہ کیسے تم معصوم لڑکیوں کو ٹریپ کر کے انہیں بلیک میل کرتے ہو۔" انوش نے غصے میں اسے میسج ٹائپ کیا اور پھر سینڈ بھی۔

"ہاہاہا ڈیڈ آل ریڈی میری اصلیت سے واقف ہیں۔" شاہ ویز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے یہ تم کیا موبائل ہاتھوں میں لئے بیٹھے ہو، کھانا کھاؤ ناں۔" حمیرا نے باری باری شاہ ویز اور انوش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھئی آج کل کی نسل میں یہ موا موبائل تو گویا والدین سے بھی اہم ہو گیا ہے، جسے دیکھو ہاتھ میں موبائل پکڑے دنیا جہان سے بے خبر نظر آتا ہے۔" بی جان کے انداز پہ تمام نفوس زیر لب مسکرا دیئے، کھانے کے بعد سب لیونگ روم میں آ گئے تھے۔

شاہ ویز کو دیکھ کر انوش کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فوراً وہاں سے چلی جائے واپسی پہ بی جان نے انہیں کچھ تحائف بھی دیئے تھے۔

"بی جان اس کی کیا ضرورت تھی؟" ماہین کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میکے پہ بیٹیوں کا حق تو ساری زندگی ختم نہیں ہوتا، یہ تو کچھ بھی نہیں ہے میری چندا۔" بی جان نے اس کے ماتھے پہ بوسہ ثبت کیا تھا۔

"بی جان بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں ماہین۔" ملک عرفان نے بھی ماہین کے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ رکھتے کہا، تو ماہین کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"بھائی جان آپ نے مجھے معاف کر کے میرے دل سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا ہے۔"

"وقت گزر گیا ہے ماہین، اب نا جانے کتنی زندگی باقی ہے، جو ہوا سو ہوا، ہمیں سب کچھ بھلا کر اب باقی کی زندگی ایک دوسرے سے محبت اور خلوص سے گزارنی ہو گی اور ویسے بھی بہن بھائیوں کے رشتے بھی بھلا ختم ہوئے ہیں؟" ملک عرفان کی بات نے ماہین کے دل میں خوشیوں کے نا جانے کتنے ہی پھول کھلا دیئے تھے۔

"او کے بھابھی۔" ماہین اب حمیرا کی جانب بڑھی، سب انہیں سی آف کرنے کے لئے پورچ میں کھڑے تھے۔

"سب فاصلے اور رنجشیں مٹ چکی ہیں لہٰذا اب بلا جھجک آتی رہنا۔" حمیرا نے تاکید کی تھی۔

"جی بھابھی ضرور، جہاں آپ جیسی بھابھیاں موجود ہوں وہاں میکے کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔" ماہین نے اعتراف کیا۔

شاہ ویز نے آگے بڑھ کر ذوریز آفندی کے لئے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا، ذوریز آفندی نے بھی خوشدلی سے سب کو اللہ حافظ کہا، جونہی وہ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھے، ان کا دماغ بری طرح سے چکرایا اور اگلے

ہی لمحے انہوں نے گاڑی کے دروازے کو تھام لیا۔

''ڈیڈ کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟'' انوش عجلت میں ذوریز آفندی کے قریب آئی، دو چار منٹ تو ذوریز آفندی کچھ بول ہی نہیں پائے۔

''انکل آر یو او کے؟ آپ...... آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' شاہ ویز اور ملک عرفان بھی متفکر سے ذوریز کے قریب آئے، ذوریز آفندی بمشکل اپنی کنپٹی کو مسلتے ہوئے بولے۔

''ذوریز میاں کیا پہلے بھی کبھی ایسا ہوا ہے آپ کے ساتھ؟'' ملک عرفان پریشان ہوئے۔

''نن...... نہیں۔'' وہ بمشکل بولے۔

''انکل میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔'' شاہ ویز نے کہا تو ذوریز نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں اس کی ضرورت نہیں ہے میں بس گھر جا کر آرام کروں گا۔''

''ذوریز میری مانو تو تم سب آج یہیں رک جاؤ، تمہاری طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی؟'' بی جان کو بھی تشویش ہوئی۔

''نہیں بی جان، بس معمولی سا چکر تھا اب میں ٹھیک ہوں۔'' ذوریز نے کہا۔

''میرا ڈرائیور آپ کو چھوڑ آتا ہے، آپ کا یوں گاڑی ڈرائیو کرنا قطعی مناسب نہیں ہوگا۔'' ملک عرفان نے اپنے ڈرائیور کو اشارہ کیا۔

''ویسے بھائی جان اس کی بھی ضرورت نہیں تھی، آپ کو بلاوجہ زحمت ہوگی۔'' ذوریز کو شرمندگی سی ہو رہی تھی۔

''ارے ذوریز میاں، بھائی جان بھی کہتے ہو اور تکلف بھی برت رہے ہو، بھئی کیسی زحمت، میرا ڈرائیور آپ کو چھوڑ آتا ہے، صبح میں آپ کی گاڑی بھجوا دوں گا۔'' ملک عرفان نے اصرار کیا۔

''چلئے جیسے آپ کی مرضی۔'' ذوریز نے گویا ہتھیار پھینکے۔

اور پھر ان کے ڈرائیور نے انہیں گھر ڈراپ کر دیا تھا ذوریز کو شدید نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔

''ڈیڈ آپ مجھے کہیں سے بھی ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' انوش نے باپ کا بازو تھام رکھا تھا اور وہ بہت پریشان تھی۔

''میری جان ریلیکس! میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے میرے کمرے میں لے جاؤ، میڈیسن کھاؤں گا آرام کروں گا تو فریش ہو جاؤں گا۔'' ذوریز کے لہجے میں تھکن تھی، اس سارے قصے میں ماہین بالکل خاموش تھی۔

☆☆☆

انزک رات آٹھ بجے اپنے دوست کے ساتھ کہیں باہر گیا تھا لیکن رات بارہ بجے تک اس کا کوئی اتا پتا نہ تھا اس کا موبائل بھی گزشتہ دو تین گھنٹے سے بند جا رہا تھا۔

گھر میں سب ہی اس کے لئے فکر مند ہو رہے تھے، ایسی لاپرواہی کا اس نے کبھی مظاہرہ نہ کیا تھا۔

کومل اور ستارہ گاہے بگاہے اسے فون کر رہی تھیں اور ہر بار ہی اس کا نمبر بند مل رہا تھا، سب گھر والے پریشانی سے جاگ رہے تھے، بارہ سے ایک بج گیا تھا، جب گھر کی ڈور بیل بجی تھی، صابرہ بیگم نے عجلت اور بے چینی سے دروازہ کھولا، انزک کو اس کے دوست صائم اور احمد سہارا دے کر اندر لا رہے تھے، اس کا سر پٹیوں سے جکڑا ہوا تھا، دونوں ہاتھوں پہ بھی جا بجا زخم نظر آ رہے تھے۔

''یا اللہ خیر، یہ...... یہ کیا ہوا میرے انزک کو؟'' صابرہ بیگم اسے زخمی حالت میں دیکھ کر تڑپ گئیں تھیں۔

''ماں کچھ نہیں ہوا مجھے، معمولی چوٹیں ہیں، ٹھیک ہو جائیں گی۔'' انزک نے ماں کو تسلی دی۔

''حالت دیکھو ذرا اپنی، تم کہہ رہے ہو کہ معمولی چوٹیں ہیں۔'' صابرہ بیگم اب رو پڑی تھیں۔

''آنٹی پلیز حوصلہ رکھیں اور شکر ادا کریں کوئی فریکچر نہیں ہوا۔'' احمد نے انہیں بتایا۔

ستارہ اور کومل بھی ٹی وی لاؤنج سے نکل کر صحن میں آئیں انزک کی حالت دیکھ کر وہ دونوں بھی پریشان ہو گئیں۔

''یا اللہ خیر، کیسے ہوا یہ سب؟ اور انزک تم ٹھیک تو ہو ناں میری جان؟'' ستارہ نہایت فکر مندی سے اس کے قریب آئیں۔

''دراصل ہم دونوں بائیک پہ صائم کے گھر جا رہے تھے، دو تین لڑکوں نے ہمارا راستہ روک لیا وہ لوگ گاڑی میں تھے، ہمارے رکتے ہی وہ لڑکے گاڑی سے نکلے اور انہوں نے انزک کو پیٹنا شروع کر دیا، میں نے فوراً ون فائیو پہ کال کر کے پولیس کو اطلاع کی، ان کے آتے ہی وہ لڑکے فرار ہو گئے۔'' احمد نے تفصیل بتائی، صائم اور احمد انزک کو سہارا دیئے اب لاؤنج میں لے آئے تھے۔

''اللہ غرق کرے انہیں، ہاتھ ٹوٹیں، ان ظالموں کے جنہوں نے میرے چاند کی یہ حالت کی ہے۔'' بے جی نے آبدیدہ ہوتے انہیں بددعا دی۔

''تھانے میں رپورٹ لکھوانی تھی؟'' صابرہ بیگم نے یاد دلایا۔

''ماں چھوڑیں ناں، خواہ مخواہ لمبے چوڑے چکروں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟'' انزک نے بات بدلی، احمد اور صائم اسے صوفے پہ بیٹھا رہے تھے۔

''یار پلیز مجھے میرے روم میں چھوڑ آؤ، میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' انزک نے کہا تو وہ دونوں انزک کو اس کے کمرے میں چھوڑ آئے، تھوڑی دیر کے بعد صائم اور احمد انہیں میڈیسن وغیرہ کا بتا کر چلے گئے تھے، اب سب گھر والے انزک کے کمرے میں موجود تھے۔

''اللہ جانے کون بدبخت لوگ تھے وہ؟ ہماری تو کسی سے کوئی دشمنی بھی نہیں۔'' ستارہ کی تشویش پہ وہ مسکرایا۔

''یار پھپھو پلیز اب بس بھی کریں نا، کیوں اموشنل سین Create کر لیتے ہیں آپ سب۔'' انزک نے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔

''بھیا آپ بھی نا، آپ کو یوں دیکھ کر ہماری جان پہ بنی ہے اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔'' کومل نے اس کے عقب پہ تکیہ درست کرتے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں، مجھے نیند آ رہی ہے، تم سب بھی ریسٹ کرو، بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو سب۔'' انزک نے کہا اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ میڈیسن کے زیر اثر سو گیا۔

''انزک تو گہری نیند سو گیا ہے لگتا ہے اب صبح ہی اس کی آنکھ کھلے گی۔'' صابرہ بیگم نے کہا۔

''جی آنٹی، آپ سب پریشان نہ ہوں، انشاء اللہ انزک جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا، بہتر ہوگا آپ سب بھی تھوڑا آرام کریں۔'' پری سب سے مخاطب ہوئی۔

''ٹھیک ہے میری شہزادی، انزک کا خیال رکھنا۔'' بے جی چھڑی کے سہارے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''پری اگر تم کہو تو میں اور کومل رات انزک کے پاس رک جاتی ہیں، تم اکیلی کیسے انزک کو

سنبھالو گی۔'' ستارہ نے فکرمندی سے کہا۔

''نہیں پھپھو، آپ بلاوجہ بے آرام ہوں گی، صبح فجر کے وقت تو آپ اٹھ جاتی ہیں زارا کو اسکول بھی بھجوانا ہوتا ہے، انزک گہری نیند سو رہا ہے اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو میں دے دوں گی۔'' پری نے انہیں تسلی دی۔

''ٹھیک ہے میری جان اگر پھر بھی میری یا کومل کی کسی بھی ہیلپ کی ضرورت ہوئی ہمیں جگا لینا۔'' ستارہ اس کا کندھا تھپک کر چلی گئیں۔

ان سب کے کمرے سے جانے کے بعد پری نے بے ساختہ انزک کو دیکھا اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور سر پٹیوں سے جکڑا ہوا تھا، اسے اس حالت میں دیکھ کر پری کو بہت افسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

کمرے میں آتے ہی انوش نے ذوریز کو میڈیسن دی تھی اور پھر وہ کچھ ہی دیر کے بعد انوش سے باتیں کرتے کرتے سو گیا تھا۔

انوش باپ کی فکر میں ساری رات چیئر پہ ذوریز کے سرہانے بیٹھی رہی، دوسری طرف ماہین کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی، دل کی بے قراری کسی صورت کم نہیں ہو رہی تھی۔

دل بار بار اسے ذوریز کے کمرے میں جانے پہ اکسا رہا تھا، لیکن دماغ ماہین کو وہ کربناک لمحے یاد کروا دیتا جو اس نے ذوریز کی بے وفائی میں گزارے تھے۔

بالآخر دل اور دماغ کی اس جنگ میں فنا ہوتے وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئیں اور کچن سے پانی پینے کی غرض سے لاؤنج سے گزریں تو موبائل کی بپ نے ماہین کو چونکا دیا، سامنے ٹیبل پہ ذوریز کا موبائل رکھا تھا جو مسلسل بج رہا تھا، وہ لاشعوری طور پہ ٹیبل کے پاس گئیں اور موبائل ہاتھ میں لیا۔

''ریکھا اگروال۔'' موبائل کی اسکرین پہ کال کرنے والی کا نام جگمگا رہا تھا، غیر محسوس انداز میں ماہین نے کال پک کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''تھینکس گاڈ ذوریز تم نے کال تو پک کی، کہاں غائب ہو یار؟ اتنے دن ہو گئے تم نے کوئی رابطہ نہیں کیا مجھ سے، بھئی مانا کہ تم ماہین کے پاس ہو، اس کے سوا تمہیں کب کچھ نظر آتا ہوگا، پاس رہی ہے، ایک خوشبو کی طرح، تمہاری سانسوں میں بسی رہی ہے، لیکن ایسی بھی کیا بے اعتنائی، خیر چھوڑو یہ بتاؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے، آپریشن کے بارے میں کیا سوچا تم نے؟ پلیز ذوریز، اپنا ٹائم ویسٹ مت کرو، تم اپنی زندگی کی سانسوں کو خود کم کر رہے ہو، اپنی لاپرواہی سے اور میں تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی جلد واپس آ کر تمہیں آپریشن کروانا ہوگا، انوش کی خاطر، میری خاطر ...... تم ...... تم خاموش کیوں ہو ذوریز؟ پلیز کچھ بولو ناں، کیا تم میری بات سن رہے ہو؟''

ریکھا اگروال عجلت اور بے چینی سے بولے جا رہی تھی، اس کی آواز میں ذوریز کے لئے بے پناہ محبت تھی، اپنائیت تھی، فکرمندی تھی، دوسری طرف ریکھا نے مایوس ہو کر کال بند کر دی تھی، وہ سمجھ رہی تھی شاید سگنل پرابلم کی وجہ سے ذوریز کو اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، لیکن ماہین ورطہ حیرت میں یونہی موبائل ہاتھ میں لئے کھڑی تھی، اس کے کانوں میں ریکھا اگروال کا جملہ گونج رہا تھا۔

''تم اپنی زندگی کی سانسوں کو خود ختم کر رہے ہو، اپنی لاپرواہی سے اور میں تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی، تمہیں جلد واپس آ کر آپریشن کروانا ہوگا۔''

ماہین کو ایسا لگ رہا تھا جیسے ...... وہ ایک نامعلوم دکھ کی سیاہ فضا میں کھو گئی ہو۔

ذوریز کے لئے اس کی ساری نفرت، بے اعتنائی، غم اور تمام واویلے سب خواب اور خیالی ہو گئے ہوں، آنکھوں میں ایک انجانے دکھ کی لہر نے اپنا سایہ تان لیا تھا اور بے ساختہ ماہین کے قدم ذوریز کے کمرے کی جانب اٹھے تھے، دھیرے سے دروازہ کھول کر وہ اندر آ گئی تھی، سامنے چیئر پہ انوش بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی اور بیڈ پہ وہ دشمن جاں، وہ بے آواز چلتے چلتے بیڈ کے قریب آئی اور سوئے ہوئے ذوریز آفندی کو دیکھنے لگی۔

جس کی خاطر بیس سال پہلے وہ سارے زمانے سے لڑ کر اپنا گھر بار چھوڑ کر آ گئی تھی اپنے تمام سگے رشتوں کو خیرباد کہہ آئی تھی، اس نے نہ زمانے کی پروا کی تھی نہ حیثیت کے نمایاں فرق کو اہمیت دی تھی، اس پہ تو صرف ذوریز آفندی کی محبت کا بھوت سوار تھا، سو وہ سب اپنے پیروں تلے روند آئی تھی۔

آج اس نے پھر سے سب کچھ حاصل کر لیا تھا لیکن ذوریز آفندی کی ذات کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی، اس کا اور ذوریز کا رشتہ اور ان دونوں کے بیچ وہ انمول ''محبت'' کہیں کھو گئی تھی، اس کی نظریں ذوریز کے زردی مائل چہرے پہ مرکوز تھیں، بے بسی کے دو آنسو چپکے سے اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر ذوریز کے پاؤں پہ گرے تھے۔

وہ وہاں سے اب لوٹ جانا چاہتی تھی وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی، لیکن دل کم بخت دل وہاں سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا، آنکھیں بار بار اس دشمن جاں کو فرصت سے دیکھنے کی تمنا کر رہی تھیں۔

ذوریز نے دھیرے سے آنکھیں کھولی تھیں وہ اس کے بیڈ کے سامنے پائنتی پہ کھڑی تھی، ذوریز نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ماہی! تم یہاں خیریت تو ہے؟'' وہ فکرمند ہوا۔

''ہاں ...... وہ ...... تمہارا موبائل لاؤنج میں رہ گیا تھا، ریکھا اگروال تمہیں بار بار کال کر رہی تھی، میں بس یہی رکھنے آئی تھی۔'' ماہین نے اس کا موبائل سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بمشکل اپنے لہجے کو نارمل رکھا، ذوریز نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھامی۔

''تم یہ بھی تو کہہ سکتی تھی کہ تم میرے کمرے میں میرے لئے آئی تھی؟'' آنچ دیتے لہجے میں کہا گیا تھا۔

''بہتر ہوتا اپنی خوش فہمیوں کو، پیچھے راستوں میں کہیں دفن کر آتے۔'' وہ جانے کے لئے پلٹی۔

''محبت اگر قرض ہوتی تو کب کا اتار کر، اپنے شب و روز کو زمانے کی رونقوں سے مہکاتا رہتا، لیکن کیا کروں؟ تمہاری محبت سود کی طرح بڑھتی رہی اور اب تو اتنی بڑھ گئی ہے کہ اصل اور سود دونوں چکانا ناممکن سا ہو گیا ہے۔'' وہ آہستہ سے گویا ہوئے۔

وہ اسے ہمیشہ ہی لاجواب کر دیتا تھا، اپنی باتوں سے اپنی محبتوں سے اپنی بے تابیوں سے۔

''تم آرام کرو، میں چلتی ہوں۔'' ماہین نے ہاتھ چھڑایا اور قدم دروازے کی جانب بڑھائے۔

''تم مجھے بہت یاد کرو گی۔'' عقب سے دعوے کے طور پہ کہا گیا، اب کے وہ ایک لمحہ بھی نہ رکی اور کمرے سے باہر نکل آئی، باہر آتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی وہ شخص اسے پھر سے اپنے سحر میں جکڑ رہا تھا۔

☆☆☆

صبح فجر کے وقت ہی اس کی آنکھ لگی تھی، سو پریشے گہری نیند سو رہی تھی جب کسی چیز کے گرنے سے اس کی آنکھ کھلی تھی، اس نے آنکھیں کھولے، انزک کے بستر کی جانب دیکھا، انزک بہت مشکل سے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیل رہا تھا اور اس کوشش میں گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا کیونکہ اس کے دونوں ہاتھ زخمی تھے۔

''ارے انزک! یہ تم کیا کر رہے ہو؟''

''پیاس لگی تھی تو مجھے آواز دے لیتے؟'' وہ عجلت میں اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

''میں آپ کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' انزک کی بات پہ اس نے افسوس کا اظہار کیا۔

''یہ بھی بھلا کوئی بات ہوئی؟ اپنی دے میں دوسرا گلاس لاتی ہوں، ویسے بھی تمہاری میڈیسن کا ٹائم بھی ہو رہا ہے۔'' پری نے وال کلاک دیکھی صبح کے چھ بج رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ کچن سے دوسرا گلاس لائی، اس نے انزک کی میڈیسن نکالی، اسے کھلائی اور پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگایا۔

انزک نے بے ساختہ اسے دیکھا، ڈھیلے ڈھالے کرتا شلوار میں کندھوں پہ چنری کا دوپٹہ ڈالے، بغیر کسی میک اپ کے وہ کتنی پاکیزہ سی لگ رہی تھی، وہ اتنی خوبصورت تھی کہ کسی کا بھی ایمان خراب ہو سکتا تھا، انزک نے نگاہیں جھکا لیں۔

''تھینکس، میں تھوڑی دیر بیٹھنا چاہتا ہوں۔'' پری نے خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور آگے بڑھ کر اس کے پیچھے تکیہ درست کیا، انزک ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''انزک اب کیسا فیل کر رہے ہو؟'' پری نے پوچھا اور بیڈ کے قریب رکھی چیئر پہ بیٹھ گئی۔

''بہتر ہوں۔'' مختصر جواب۔

''کچھ کھاؤ گے؟'' دوبارہ پوچھا گیا۔

''نہیں، فی الحال کچھ نہیں۔''

''انزک تمہاری کسی کے ساتھ کوئی رنجش؟ کوئی دشمنی تو نہیں۔'' پری نے فکرمندی سے پوچھا۔

''نہیں میری کسی کے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی نہیں۔'' انزک نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر یہ گھٹیا حرکت کون کر سکتا ہے؟'' وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

تو چند ثانیے انزک خاموش رہا اور پھر دھیرے سے گویا ہوا۔

''مجھ پہ حملہ کرنے والا وہی نوجوان تھا، جس نے مال میں آپ کو چھیڑا تھا اور میں نے اسے پیٹ ڈالا تھا۔'' انزک کے انکشاف پہ وہ حیرت سے انزک کو دیکھنے لگی۔

''مائے گڈنس۔'' پری کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

''میری وجہ سے اس ظالم نے تمہارا یہ حال کر دیا؟ میں...... میں بہت شرمندہ ہوں انزک۔'' وہ رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''ارے نہیں مس پری! آپ کو بتانے کا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا ہرگز نہیں تھا، پلیز چیئر اپ۔'' وہ اسے تسلی دینے لگا۔

''تم نے اس کے خلاف تھانے میں رپورٹ کیوں درج نہیں کروائی؟''

''چھوڑیئے نا پری، بات میری ہوتی تو اور بات تھی، آپ کا نام تھانے کچہری میں لیا جاتا، یہ مجھے گوارا نہیں تھا۔'' وہ عام سے انداز میں بولا تو وہ اس شخص کے ایک بہترین انسان ہونے کا دل

میں اعتراف کیے بنا نہ رہ سکی، وہ دیکھنے میں جتنا اکھڑ نظر آتا تھا ویسا ہرگز نہ تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں...... کیا کہوں؟'' وہ اب بھی روہانسی انداز میں بولی۔

''پلیز مس پری، چھوڑیئے اس ٹاپک کو، اب آپ آرام کریں۔'' انزک نے بات بدلی، تو وہ چپ ہو گئی لیکن اندر ہی اندر سے وہ شرمندہ ہو رہی تھی۔

☆☆☆

صبح شاہدہ بیگم اور بے جی اس کے کمرے میں آ گئیں۔

''اب کیسی طبیعت ہے میرے چاند کی؟'' شاہدہ بیگم نے اس کا ماتھا چوما۔

''رات تیری حالت دیکھ کر تو جان ہی نکل گئی تھی میری۔'' بے جی نے بھی ازحد فکرمندی سے کہا۔

''اللہ کا شکر ہے اب بہتر محسوس کر رہا ہوں۔'' انزک نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے انہیں مطمئن کیا۔

''شکر ہے کوئی فریکچر نہیں ہوا۔'' ستارہ سوپ کا باؤل ہاتھوں میں لئے کمرے میں داخل ہوئی۔

''پھپھو پری کہاں ہے؟'' انزک کو اس کی کمی محسوس ہوئی تو بلا آخر پوچھ ہی ڈالا، ستارہ مسکرائی، اس کا کوئی فون آیا ہوا تھا وہ سن رہی تھی، اسی اثناء میں پری کمرے میں داخل ہوئی۔

''لو بھئی آ گئی تمہاری زوجہ محترمہ، لو بھئی پری یہ سوپ لو اور پلاؤ اپنے سرتاج کو، تمہیں نا پا کر بے چین ہو رہا تھا۔'' ستارہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے باؤل پری کو تھمایا، پری نے شش و پنج میں باؤل پکڑا۔

''میری جان اس میں شرمانے والی کیا بات ہے بھلا؟'' ستارہ نے اس کے کندھے پہ تھپکی دی تو بے جی اور شاہدہ بھی مسکرانے لگیں۔

''پری آپ یہ باؤل دیں میں خود پی لوں گا۔'' انزک نے اس کی مشکل آسان کی۔

''ارے خود کیسے پیو گے تمہارے ہاتھ تو پٹیوں میں جکڑے ہیں۔'' شاہدہ نے بیگم تفکر سے یاد دلایا۔

''میں پلاتی ہوں آنٹی۔'' پری باؤل لے کر اس کے قریب اس کے بستر پہ اس کے سامنے بیٹھ گئی، صاف نظر آ رہا تھا وہ Confused ہو رہی تھی، جو شخص اس کے لئے یوں مار کھا سکتا تھا، وہ اس کے لئے اتنا تو کر ہی سکتی تھی، پری نے چمچ بھر کر انزک کے لبوں سے لگایا اور یوں وہ اسے سوپ پلانے لگی، آج انزک نے پہلی بار اسے اتنے قریب سے دیکھا تھا، اسے چھوڑ دینے اور آزاد کر دینے میں محض چند دن باقی تھے وہ اس کے لئے ایک خوبصورت یاد بننے والی تھی، بے اختیار انزک کی نظر اس کے خوبصورت ہاتھوں پر پڑی، اس کے ہاتھ اتنے نازک اور خوبصورت تھے کہ پہروں انہیں تھام کر بیٹھے رہنے کی خواہش دل میں مچلنے لگی۔

اس کے خوبصورت ریشم جیسے بال دونوں شانوں پہ بکھرے ہوئے تھے، دل انہیں سنوارنے کی خواہش کرنے لگا معاً انزک کو پری کے ساتھ وہ پہلی ملاقات یاد آئی، جب اس نے انزک کے بائیک کو گاڑی سے اوورٹیک کیا تھا اور الٹا وہ انزک پہ ہی برس پڑی تھی، تب وہ کس قدر نخریلی ہوا کرتی تھی، لیکن اب وہ کس قدر بدلی بدلی سی لگتی۔

اس کے وہم و گماں میں بھی نہ تھا کہ وہ جس لڑکی سے حادثاتی طور پہ ملا تھا وہ ایک دن اس کے نکاح میں آ جائے گی، پری سے نکاح کرتے

ہی اس کا پرائز بانڈ نکل آیا تھا اور اس کے گھر آتے ہی انزک کو نوکری مل گئی تھی، وہ انزک کے لئے خوش قسمتی کے ایک ستارے جیسی ثابت ہوئی تھی، جس نے اس کی زندگی میں آتے ہی انزک کے حالات بدل دیئے تھے۔

''تھینک یو سوچ۔'' انزک نے سوپ پینے کے بعد کہا تھا، وہ اب خالی باؤل لئے اس کے سامنے سے اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

آیا بی گرما گرم ناشتہ ٹیبل پہ لگا رہی تھیں، ماہین اور انوش پہلے سے ٹیبل پہ موجود تھیں، اسی اثناء میں ذوریز ڈائننگ روم میں داخل ہوئے۔

''گڈ مارننگ ایوری باڈی۔'' وہ چیئر گھسیٹ کر ماہین کے مقابل بیٹھے۔

''کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟'' ماہین نے اپنے لئے چائے بناتے ہوئے اسے سے پوچھا، تو ذوریز نے حیرت سے ماہین کو دیکھا، انوش بھی ماہین کے غیر متوقع سوال پہ چونکی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' مختصر جواب کے ساتھ ذوریز ناشتہ کرنے لگے۔

''ڈیڈ آپ آج ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے لیں، میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔'' انوش کی بات پہ انہوں نے ہلکے سے سر ہلایا۔

''ہوں...... لے لوں گا...... آج ایک دو اور کام بھی ہیں جو نمٹانے ہیں۔''

''ڈیڈ وہ کام بعد میں بھی ہو جائیں گے، آپ آج ہر حال میں ڈاکٹر کے پاس جائیں۔'' انوش نے اصرار کیا۔

''او کے سویٹی۔'' ذوریز مسکرائے، انہوں نے انوش کو ٹالا۔

''رات بی جان کا فون آیا تھا۔'' ماہین نے بتایا۔

''کیسی ہیں نانو؟'' انوش نے اشتیاق سے پوچھا۔

''بی جان تمہارا بہت پوچھ رہی تھیں، بہت یاد کر رہی ہیں تمہیں اور کہہ رہی تھیں کہ تم دو چار دن کے لئے ان کے پاس رہ جاؤ۔'' چائے کا سپ لینے کے بعد ماہین نے بتایا۔

''بھئی میری بیٹی کو میرے پاس رہنے دو، ماہین تم بی جان کو یہاں کیوں نہیں لے آتیں؟'' ذوریز نے اپنے لئے چائے کپ میں ڈالتے ماہین کو دیکھا۔

''میں جانتی ہوں بی جان رہنے کے لئے یہاں نہیں آئیں گی اور ویسے بھی انوش تم آج کل کالج سے فارغ ہی تو ہو، دو چار دن رہ آؤ بی جان کے پاس وہ اتنے مان اور چاؤ سے کہہ رہی تھیں۔''

''مام میں آپ کے اور ڈیڈ کے بغیر کیسے رہوں گی؟'' انوش نے مدد طلب نظروں سے ذوریز کو دیکھا۔

''میں کون سا تمہیں ملک سے باہر بھجوا رہی ہوں؟ اور ویسے بھی ایک نہ ایک دن تو تمہیں ہمیں چھوڑ کر پیا دیس سدھارنا ہی ہوگا۔'' ماہین مسکرائی۔

''مام تب دیکھا جائے گا، میں کہیں نہیں جاؤں گی آپ دونوں کو چھوڑ کر'' ''انوش میری جان، نانو اگر اتنے دل سے کہہ رہی ہیں تو ہو آؤ دو چار دن۔'' اب کے ذوریز نے سفارش کی۔

''لیکن آپ مجھ سے پرامس کریں پراپر میڈیسن لیں گے، کوئی ڈنڈی شنڈی نہیں ماریں گے میڈیسن کھانے میں۔'' انوش نے وعدہ کیا تو وہ مسکرائے۔

''ٹھیک ہے میری جان، میری بیٹی کا حکم سر آنکھوں پہ۔''

''او کے میں اب آفس کے لیے نکلتی ہوں۔'' ماہین نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے گھڑی دیکھی۔

''مام ڈرائیور تو آج آیا ہی نہیں۔'' انوش نے اطلاع دی۔

''تنگ آ گئی ہوں میں روز روز کی ان چھٹیوں سے۔'' وہ جھنجھلائی۔

''میں آج کل فارغ ہوں، بغیر تنخواہ کے تمہارا ڈرائیور بننے پہ بخوشی تیار ہوں۔'' ذوریز نے مسکراتے ہوئے آفر کی، ماہین نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

''میں چینج کر لوں، تمہیں چھوڑ آتا ہوں آفس۔'' وہ اپنی نشست سے اٹھے۔

''رہنے دو میں چلی جاؤں گی۔'' صاف انکار۔

''مام اب رہنے بھی دیں ڈیڈ کہہ رہے ہیں تو ایسا بھی کیا ایشو؟'' انوش کی بات پہ وہ خاموشی سے اپنا پرس اٹھانے چلی گئی۔

''ڈیڈ ویسے ڈرائیور انکل کی آج کل خوب چاندی ہو رہی ہے بائے دا وے آج کی چھٹی کتنے میں پڑی؟'' انوش نے مسکراتے ہوئے باپ کو دیکھا۔

''پانچ ہزار۔'' وہ مسکرائے اور ڈائننگ روم سے نکل گئے، جب وہ چینج کر کے پورچ میں پہنچے تو ماہین پہلے سے وہاں موجود تھیں۔

جینز اور شرٹ میں ملبوس، آنکھوں پہ گلاسز لگائے وہ اب بھی خاصے پرکشش دکھائی دیئے، ذوریز نے آگے بڑھ کر ماہین کے یہ فرنٹ ڈور کھولا، جسے وہ نظر انداز کرتی پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گئیں۔

''یعنی اصل معنوں میں تم مجھے اپنا ڈرائیور ثابت کر کے رہو گی؟'' ماہین نے کوئی جواب نہ دیا۔

ذوریز نے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھنے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کی اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد گاڑی مین روڈ پہ دوڑنے لگی۔

''جاب چھوڑ دو، مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا کہ میری بیوی یوں ذلیل خوار ہو اور......'' وہ بولتے بولتے رک گئے۔

''تمہارا اچھا نہ لگنا ضروری نہیں ہے میرے لئے، میں اپنی زندگی سیٹل کر چکی ہوں۔''

''جانتا ہوں ان راستوں کو تم بہت پیچھے چھوڑ آئی ہو، جن پہ ساری زندگی ہم نے اکٹھے چلنے کا وعدہ کیا تھا ایک دوسرے سے۔'' ذوریز نے مرر سے ماہین کو دیکھا۔

''پرانی باتوں کو مت دہرایا کرو۔''

''تم کچھ ہفتوں کے لئے یہاں آئے تھے وہ رہ کر چلے جاؤ گے، کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

''ہاں میں چند ہفتوں کے لئے یہاں آیا تھا لیکن میں اب باقی کی زندگی تمہارے ساتھ انوش کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔'' ان کی آواز میں تڑپ تھی۔

''ریکھا اگروال تمہارے لئے بہت فکر مند رہتی ہے، تمہیں اس کے پاس واپس جانا چاہیے۔'' اس کے جملے پہ بے ساختہ انہوں نے مرر سے ماہین کو دیکھا اور مسکرا دیئے۔

''ریکھا میری بیوی نہیں ہے۔''

''لیکن بیوی جیسی محبت ضرور کرتی ہے وہ تم سے۔'' ماہین نے باور کروایا۔

''یکطرفہ محبت کو کبھی کوئی نام نہیں دیا جا سکتا، میرے لئے وہ، میری بہترین دوست کی حدود سے آگے نہیں بڑھ سکی، دیٹس اٹ۔''

''میں نے تمہارے اور اس کے رشتے کی وضاحت نہیں مانگی۔''

"لیکن تم نے مجھے جتا ضرور دیا۔" وہ مسکرائے اور انہوں نے ایک وسیع بلڈنگ کی پارکنگ میں گاڑی روکی۔

"واپسی پہ میں تمہیں لینے آجاؤں گا۔"

"میں ٹیکسی لے لوں گی۔"

"ٹیکسی پہ مت آنا، فارغ بندہ ہوں آ جاؤں گا، ٹیک کیئر۔" خوشگوار موڈ میں کہا گیا، ماہین سنی ان سنی کر کے آفس کی جانب بڑھ گئی اور پھر واپسی پہ مقررہ وقت پہ ذوریز گاڑی میں اس کے منتظر تھے۔

"میں نے تم سے کہا بھی تھا، میں آ جاؤں گی۔" وہ خفگی سے بولیں اور پچھلی سیٹ پہ براجمان ہوئیں۔

"اور میں نے یہ کہا تھا کہ فارغ بندہ ہوں آ جاؤں گا۔" انہوں نے گاڑی پارکنگ سے نکالی۔

☆☆☆

پراپر میڈیسن کھانے اور ایک ہفتہ ریسٹ کرنے کے بعد ازک پھر سے آفس جانے لگا تھا۔

گھر میں کومل کی شادی کے لئے ڈھولک رکھی جا چکی تھی، رات کو روز کومل کی سہیلیاں، رشتے دار خواتین اور محلے کی عورتیں آ کر ڈھولک میں شامل ہوتیں اور ڈھولک کی تھاپ پہ گیت گاتیں، ہلا گلا کرتیں۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا، لیکن ازک کے دل میں وقت کو قید کر لینے کی خواہش جاگنے لگی تھی۔

اب بھی آفس سے واپسی پہ وہ تمام راستے نا چاہتے ہوئے بھی پری کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ایک جگہ سگنل پہ رکتے ہی ایک بچہ پھولوں کے گجرے لئے اس کے پاس آیا تھا اور وہ اسے بے اختیار یاد آئی تھی، دل چاہا کہ وہ اس کے لئے خریدے، لیکن اس کے پاس ایسا کوئی حق نہیں تھا، وہ اس کے پاس ایک امانت کی طرح تھی، جسے اس نے سمیر کو واپس لوٹانا تھا۔

منتشر سوچوں کے ساتھ جب وہ گھر میں داخل ہوا، تو پری کی آنکھوں پہ پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ دونوں بازو وا کیے، زارا کو ڈھونڈ رہی تھی، شریر زارا اس کے ہاتھ نہ آ رہی تھی، دونوں آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھیں، ازک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے یہ دلچسپ منظر دیکھنے لگا، اس کی نظریں پری پہ مرکوز تھیں۔

تم میرے ہو، اس پل میرے ہو
کل شاید یہ عالم نہ رہے
کچھ ایسا ہو......
تم...... تم نہ رہو
کچھ ایسا ہو
ہم...... ہم نہ رہیں
یہ راستے الگ ہو جائیں
چلتے چلتے ہم کھو جائیں
میں پھر بھی تم کو چاہوں گا
میں پھر بھی تم کو چاہوں گا

اس کا دل دہائی دینے لگا، اس کے ہونے سے اس کے گھر کا ہر منظر مکمل دکھائی دیتا۔

اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اگر وہ اس کی زندگی سے چلی گئی تو وہ خالی ہاتھ رہ جائے گا۔

نادان اور ناسمجھ دل ایک ضدی اور خود سر بچے کی طرح پری کی آرزو کر رہا تھا۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس کی نہیں تھی اور نہ ہو سکتی تھی، وہ شکست خوردہ اور حسرت بھری نظروں سے اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

"زارا کہاں ہو یار؟ تم تو ہاتھ ہی نہیں آ رہی؟" پری، زارا کو ڈھونڈتی آنکھوں پہ پٹی

باندھے ہنوز ادھر ادھر پھر رہی تھی۔

"زارا ڈارلنگ کہاں ہو؟"

"میں یہاں۔" پری نے اسے آواز لگائی،

پری نے اس کی آواز کی سمت جھٹ سے بازو بڑھائے تھے اور اسے پکڑنا چاہا، لیکن اگلے ہی لمحے ازک کا بازو اس کے ہاتھوں میں تھا۔

"او سوری۔" پری نے آنکھوں سے پٹی اتاری، زارا اندر بھاگ گئی تھی۔

"تم کب آئے؟" وہ خوشگوار حیرت سے پوچھنے لگی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے۔" مختصر جواب۔

"زارا نے بچپن کی یاد تازہ کر دی۔" وہ مسکرائی تو ازک بھی مسکرا دیا۔

دوسرے دن دوپہر کو ستارہ نے نہاری بنائی اور لنچ میں انہوں نے پری کو زبردستی اس کی گنجائش سے زیادہ کھانا کھلا دیا، بس پھر کیا شام کو اسے الٹیاں آنے لگیں۔

کومل شام کی چائے لئے اس کے کمرے میں آئی تو واش روم سے الٹیوں کی آواز سے متفکر ہوئی۔

"بھابھی، کیا ہوا ہے؟" وہ دروازے کے قریب آئی، نڈھال سی پری باہر آئی۔

"آج ستارہ پھپھو نے زبردستی جو کھانا کھلایا لگتا ہے Food poisoning ہو گیا ہے۔"

"او میں ابھی ماں کو بتاتی ہوں وہ آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہیں۔" کومل اسے بیڈ پہ لٹانے کے بعد شاہدہ بیگم کو بتانے چلی گئی، بس پھر کیا تھا۔

اس کی الٹیوں کی خبر کو گھر والوں نے نیا ہی رنگ دے دیا تھا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے میری دعا سن لی، پری میری جان میں اتنی خوش ہوں کہ کیا بتاؤں؟" شاہدہ بیگم خوشی سے نہال اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولی تو پری نے الجھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"آنٹی میری طبیعت خراب ہے اور آپ یوں خوشی کا اظہار کر رہی ہیں میں کچھ سمجھ نہیں۔" اس کی ناسمجھی پہ شاہدہ مسکرائیں۔

"ارے میری جان ایسی حالت میں ایسی ہی طبیعت ہو جاتی ہے، ایسے ہی الٹیاں آتی ہیں۔" شاہدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کے بال سنوارے۔

"میں سمجھی نہیں آنٹی کیسی حالت میں؟" وہ شدید الجھن کے ساتھ جواب تک لیٹی ہوئی تھی ان کی معنی خیز مسکراہٹ پہ اٹھ کے بیٹھ گئی۔

"شاہدہ...... ہماری پری...... بہت معصوم ہے نری جھلی ہے سمجھا اسے کہ کیسی حالت میں الٹیاں آتی ہیں عورت کو؟" بے جی کمرے میں آئیں اور مسکراتی ہوئی بولیں، تو اس نے حیرت سے شاہدہ کو دیکھا۔

"میری جان جب عورت ماں بننے والی ہوتی ہے تو شروع میں اسے ایسے ہی الٹیاں آتی ہیں، دل متلاتا ہے بری طرح۔" شاہدہ نے ہنوز مسکراتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"واٹ...... نو...... یہ سب غلط ہے بالکل غلط۔"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے، آپ سب کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔" وہ از حد شرمندگی اور شش و پنج میں بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی طبیعت خرابی کا "یہ" مطلب نکال لیا جائے گا۔

"نہ میری بچی، ایسے نہیں کہتے، اللہ تمہیں امید لگائے، ہمیں خوشی کی خبر سننے کو ملی، بچے سے

نہ گھبراؤ، بچہ ہم سب مل کر پال لیں گے۔" بے جی اس کی گھبراہٹ پہ زیر لب مسکرائیں، پری کو ان کی باتوں پہ سخت شرمندگی ہو رہی تھی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنا سر دیوار میں دے مارے، اسی اثناء میں انزک مٹھائی کا ڈبہ لئے کمرے میں داخل ہوا؟

"السلام علیکم! ماں خیریت تھی ستارہ پھپھو نے مجھے فون کیا کہ واپسی پہ مٹھائی ضرور لانا؟" انزک کی بات پہ پری کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے۔

"ہاں خوشی کی جو خبر تھی۔" شاہدہ نے مسکراتے ہوئے بیٹے کو دیکھا۔

"کیسی خوشی؟" انزک نے مٹھائی کا ڈبہ ٹیبل پہ رکھا۔

"انزک تو بس جھٹ سے پری کو کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جا۔" بے جی نے حکم سنایا۔

"کیا ہوا پری؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہ فکر مندی سے چند قدم اس کے قریب آیا۔

پری کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں، گویا ابھی وہ رو دے گی۔

"ارے انزک گھبراؤ نہیں، بس ایک بار پری کا چیک اپ کروالو ہمیں پورا یقین ہے ہماری پری "ماں" بننے والی ہے۔" شاہدہ بیگم کی بات پہ پری کا جی چاہا زمین پھٹے اور وہ سما جائے، جبکہ ان کے قیاس پہ انزک کے لبوں پہ دلفریب سی مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔

"مم...... مجھے کچھ نہیں ہوا، لنچ میں ستارہ پھپھو نے مجھے Overeating کروا دی تھی، اسی وجہ سے مجھے Vomiting ہو رہی تھی اور سب نے نا جانے کیا سمجھ لیا؟" وہ بے چارگی اور شرمندگی سے اسے بتانے لگی، وہ اس سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی جبھی، شرمندہ سی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

"شرما گئی ہے۔" شاہدہ ہنسی۔

"ماں آپ سب بھی کمال کرتے ہو، ایسا کچھ نہیں ہے، پری کی طبیعت ویسے ہی خراب ہو گی، میں...... میں دیکھتا ہوں اسے۔" انزک بھی اس کے پیچھے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"لو بھلا اب اسے کیا ہوا؟ شاہدہ مجھے تو لگتا ہے یہ دونوں ابھی بچہ نہیں چاہتے۔" بے جی نے رازداری سے کہا۔

"بس بے جی، آج کل کی لڑکیاں نا جانے کیوں گھبراتی ہیں بچوں سے؟" شاہدہ بیگم نے طویل سانس لیا اور بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں اس کا دل پھٹ رہا تھا، وہ اپنی کیفیت کو چھپانے کے لئے چھت پہ آگئی تھی۔

اس کا ضمیر اسے بری طرح سے ملامت کر رہا تھا، وہ جانے انجانے آفاق منزل کے مکینوں کے جذبات سے کھیل رہی تھی، انہیں چیٹ کر رہی تھی، بے لوث محبتوں کی مٹی سے گندھے وہ لوگ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ کس قدر خوشی کا اظہار کرتے؟ اس کے تفکر پہ فکر مند ہو جاتے۔

اسے بچے بہت پسند تھے، وہ سمیر کے گھر ہوتی اور یہی سچویشن ہوتی تو پری بہت خوش ہوتی، ہواؤں میں اڑنے لگتی۔

لیکن شادی کی پہلی ہی رات سمیر نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ ابھی بچہ نہیں چاہتا، وہ لائف کو انجوائے کرنا چاہتا ہے، فوری بچے کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا۔

سمیر کی اس بات نے اس کے دل کو بہت ٹھیس پہنچائی تھی تاہم وہ خاموش رہ گئی تھی۔

لیکن آج وہ آفاق منزل کے مکینوں کی خوشیوں، محبتوں اور چاہتوں کو اپنے جھوٹ کے پیروں تلے روند کر بہت دکھی ہوئی تھی۔

"پری آپ یہاں ہیں؟ میں آپ کو پورے گھر میں ڈھونڈ رہا ہوں۔" انزک چھت پہ اس کے پاس آیا، پری نے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی۔

"پری میں بہت شرمندہ ہوں، آئی ایم رئیلی ویری سوری۔" وہ شرمندہ سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تم کیوں شرمندہ ہو۔" اس نے سر اٹھایا اور انزک کو دیکھا۔

"آپ میرے گھر والوں کی وجہ سے ہرٹ ہوئیں، ان کی اوٹ پٹانگ فرمائشوں اور اندازوں نے آپ کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔"

"نہیں انزک، شرمندہ تو میں ہوں، تمہارے گھر والوں سے، ان کے جذبات سے کھیل رہی ہوں۔" بولتے بولتے پری کی آواز رندھ گئی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے پری، آپ چلئے نیچے چلتے ہیں، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، آرام کی ضرورت ہے آپ کو۔" انزک کی بات پہ وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

جنت پیلس میں آئے ہوئے اسے دوسرا دن تھا، سب اس کی آمد سے نہایت خوش تھے، بی جان تو اسے دیکھ کر کھل اٹھی تھیں، انوش ان کو وہیل چیئر پہ بیٹھائے لان میں لے آئی تھی، جنت پیلس کے وسیع لان میں انواع اقسام کے درختوں، پودوں اور پھولوں سے فضا میں ایک ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا، پھولوں کی مہک فضا میں رچی ہوئی تھی۔

"تمہارے آنے سے یوں لگ رہا ہے جیسے میری ساری تنہائیاں ختم ہو گئی ہوں۔" بی جان نے اس کے ہاتھ چومتے ہوئے اسے محبت سے دیکھا، تو انوش مسکرا دی۔

"بی جان جب سے آپ کے پاس آئی ہوں، لگتا ہے وقت کو پر لگ گئے ہوں، دو دن جیسے لمحوں میں گزر گئے ہوں۔" پری نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا۔

"تو رک جاؤ ناں میرے پاس ایک دو ہفتے۔" بی جان نے بچوں کی طرح اصرار کیا۔

"تو بی جان کالج کیسے جاؤں گی۔" وہ ہنسی۔

"ارے اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے، ڈرائیور تمہیں یہاں سے روز کالج چھوڑ دیا کرے گا۔" بی جان نے حل بتایا۔

"مام میرے بغیر بالکل اکیلی ہو جائیں گی۔" بہانہ تراشا گیا۔

"میں بھی تمہاری مام کے بغیر اکیلی ہو گئی تھی۔" بی جان کے لہجے میں افسردگی تھی۔

"لیکن اب تو وہ آپ کو مل گئی ہیں، اب کیسی پریشانی؟" انوش نے بی جان کی وہیل چیئر اپنی جانب گھمائی۔

"ہاں یہ تو ہے، اللہ نے میری دعائیں سن لیں۔" بی جان مسکرائیں۔

"بس اب آپ بالکل پریشان نہیں ہوں گی۔" پری نے تنبیہ کی۔

"تمہارے اور ماہین کے ہوتے میں بھلا کیوں پریشان ہونے لگی؟"

"یہ ہوئی نا بات۔" انوش کی بات پہ وہ مسکرا دیں۔

"اچھا اب یہ بتایئے آپ کو اندر لے جاؤں؟"

"نہیں میری جان، یہ کھلی فضا بہت بھلی لگ

رہی ہے ابھی کچھ دیر رہنے دو مجھے یہاں۔"

"او کے ایز یو وش بی جان۔"

"نہ جانے یہ سلطانہ (نوکرانی) کہاں رہ گئی؟ ابھی تک چائے نہیں لائی؟ شام ڈھلنے کو ہے۔" بی جان جھنجلائیں۔

"بی جان میں جا کر دیکھتی ہوں۔" انوش نے انہیں تسلی دی اور اٹھ کر اندر کی جانب بڑھ گئی، راہداری سے گزرتے ہوئے اس کا ٹاکرا شاہ ویز سے ہوا تھا۔

اسے دیکھتے ہی انوش کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے اور اس نے سائیڈ سے گزر جانا چاہا، لیکن شاہ ویز اس کا راستہ روکا۔

"جانتی ہو، میری زندگی کا سب سے انوکھا اور خوبصورت انکشاف یہ ہے کہ تم میری فرسٹ کزن ہو، میری اکلوتی پھپھو زاد۔" نہایت خوشگوار انداز میں اسے دیکھتے ہوئے اس کا راستہ روکے وہ بولا۔

"لیکن میرے لئے یہ میری زندگی کا بھیانک اور بدترین انکشاف ہے کہ تم میرے ماموں زاد ہو۔" وہ تنفر سے بولی اور اس نے ایک بار پھر سائیڈ سے گزر جانا چاہا، لیکن شاہ ویز نے ایک بار پھر اس کا راستہ روک لیا اور اس کے انداز پہ مسکرایا۔

"اب کیا کروں کہ اس خوبصورت حقیت کو بدل نہیں سکتا۔" سینے پہ بازو لپٹتے ہوئے وہ مسکرایا۔

"ہاں کچھ حقیقتیں بہت تلخ ہوتی ہیں۔" اس کے چہرے پہ غصہ تھا۔

"چھوڑو ان باتوں کو، جو ہوا سو ہوا، میں اپنے کیے پہ بہت شرمندہ ہوں، پلیز مجھے معاف کردو۔" شاہ ویز نے اب کے سنجیدگی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا، اگلے ہی لمحے انوش نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"دل تو چاہتا ہے ایک لمحہ نہ لگاؤں، بی جان اور ماموں کو تمہاری اصلیت بتانے میں۔"

"دیکھو یہ سچ ہے اگر تم میری انسلٹ نہ کرتی تو میں وہ سب ہرگز نہ کرتا لیکن پھر بھی، میں نے جو کیا میں شرمندہ ہوں۔" وہ سچے دل سے بولا۔

"اب اس معافی میں تمہاری کون سی چال پوشیدہ ہے۔" اس نے شک کی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آئی سوئیر انوش، ایسا کچھ نہیں ہے پلیز ٹرسٹ می۔" بے تابی سے وہ چند قدم مزید اس کے قریب آیا۔

"میری نظروں میں تم اپنا اعتماد کھو چکے ہو، اب یہ سب بے معنی ہے۔"

"مت کرو اعتماد، مجھے معاف تو کر سکتی ہو ناں۔" وہ امید و مبہم لہجے میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جھوٹ اور فریب کے لبادے میں لپٹی محبت جب اعتماد کی دھجیاں اڑاتی ہے تو معاف نہیں کیا جاتا مسٹر شاہ ویز، میرے صبر کی انتہا کو خاموشی میں چھپا رہنے دو، ورنہ اچھا نہیں ہوگا نہ تمہارے لئے نہ میرے لئے۔" وہ تنفر سے بولتی اس پہ قہر آلود نگاہ ڈالتی راہداری عبور کر گئی تھی اور وہ ساکت وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

پری زارا کو ہوم ورک کروا رہی تھی جب کومل کمرے میں داخل ہوئی۔

"بھابھی، آپ کا موبائل کافی دیر سے بج رہا تھا، آپ موبائل باہر لاؤنج میں بھول آئیں تھیں۔" کومل نے ہاتھ میں پکڑا موبائل پری کی طرف بڑھایا۔

"تھینک یو کومل۔" پری نے موبائل اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے تشکرانہ انداز میں کہا۔

"اچھا یہ بتایئے آپ کافی پئیں گی؟ میں اپنے لئے بنانے لگی تھی۔"

"یار نیکی اور پوچھ پوچھ؟" پری نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"او کے میں ابھی لائی۔" کومل کے جانے کے بعد پری نے موبائل چیک کیا۔

می می کی پانچ مسڈ کالز دیکھ کر اسے قدرے حیرت ہوئی اس نے می می کو کال بیک کی۔

"یار کہاں غائب ہو تم؟ سمیر بھائی کے آتے ہی ہمیں بھول گئی؟ ناٹ فیئر یار۔" کال پک کرتے ہی می می نے شکوہ کیا۔

"کیا مطلب؟ سمیر کے آتے ہی؟ وہ ابھی آیا ہی کب ہے؟" پری نے حیرت سے استفسار کیا۔

"ارے کمال ہے، تم تو ایسے انجان بن رہی ہو جیسے تمہیں خبر ہی نہ ہو؟" می می ہنسی تھی۔

"می می میں واقعی کچھ سمجھ نہیں پا رہی ہوں تم کیا کہنا چاہ رہی ہو، پلیز مجھے بتاؤ آخر بات کیا ہے؟" پری جھنجلائی۔

"صبح میری کزن سونیا کی کال آئی تھی مجھے، وہ بتا رہی تھی رات اس نے سمیر بھائی کو کسی لڑکی کے ساتھ منال میں ڈنر کرتے ہوئے دیکھا، وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ سمیر نے کہیں دوسری شادی تو نہیں کر لی۔"

می می کے انکشاف پہ پری ورطہ حیرت میں مبتلا ہوئی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے می می، اگر سمیر واپس آتا تو یقیناً وہ سب سے پہلے مجھے بتاتا، مجھے لگتا ہے سونیا کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" پری کے لہجے میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

"حیرت تو مجھے بھی ہوئی تھی سونیا کی بات سن کر، ایبی وے تم ایسا کرو ابھی سمیر بھائی کو کال کرو، سب معلوم ہو جائے گا۔" می می نے مشورہ دیا۔

"ہاں تم فون رکھو میں سمیر کو ابھی کال کرتی ہوں۔" پری کی بات پہ می می نے فوراً فون بند کر دیا۔

پری نے سمیر کا نمبر ملایا، بیل جا رہی تھی، لیکن سمیر نے کال پک نہ کی، پری نے دوسری بار نمبر ملایا، جواب ندارد، تیسری بار پھر، کال ملائی گئی، تب بھی کال نہ پک کی گی، وہ متفکر سی موبائل ہاتھ میں لئے بیڈ پہ بیٹھ گئی، ازک آفس سے لوٹا تو وہ بیڈ پہ پریشان سی بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم۔" وہ دستک دے کر اندر آیا۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"کیا بات ہے پری آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟" وہ سامنے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بولا۔

"ازک مجھے سمیر کے گھر جانا ہے۔"

"خیریت؟ کیا سمیر صاحب واپس آ گئے؟" ازک نے حیرت سے پری کو دیکھا۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم، تم بس مجھے اس کے گھر لے جاؤ۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"او کے میں ذرا فریش ہو جاؤں پھر آپ کو لے جاتا ہوں۔" ازک صوفے سے اٹھ کر باتھ روم کی جانب بڑھتے ہوئے بولا اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ ازک کے ساتھ بائیک پہ بیٹھی سمیر کے گھر جانے والے راستے کو بے چینی سے ناپ رہی تھی۔

تمام راستے ازک کے اور اس کے بیچ کوئی

بات نہ ہوئی یہاں تک کہ بائیک سمیر کے گھر کے سامنے رک گئی۔

''انزک تم یہاں رکو، میں ابھی آتی ہوں۔''

پری نے بائیک سے اترتے ہوئے انزک سے کہا تو وہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا گیا، پری گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔

''سلام پری بی بی۔'' چوکیدار نے اسے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام گل محمد، کیسے ہو تم؟''

''اللہ کا کرم ہے پری بی بی۔''

''یہ بتاؤ سمیر واپس آیا کہ نہیں؟''

''پری بی بی سمیر صاحب کو ایک ہفتہ ہو گیا واپس آئے۔'' گل محمد کے انکشاف پہ وہ مزید حیرت میں مبتلا ہو کر اندر بڑھ گئی تھی، مین ڈور کھلا ہوا تھا۔

وہ اندر راہداری کی طرف بڑھ گئی، لاؤنج سے آتی سمیر کی آواز نے اس کے قدم روک لئے۔

''کم آن مام، آپ نکال کیوں نہیں دیتیں اپنے ذہن سے پری کو، ٹینشن لینا آپ کے لئے بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے، آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ اس کی میری زندگی میں اب ایک رتی بھی ویلیو نہیں ہے۔'' سمیر کے جملے نے اس کے دل پہ گویا گھونسہ مارا تھا۔

''سمیر ٹھیک کہہ رہا ہے پھپھو، آپ نے خواہ مخواہ پری جیسی اسٹوپڈ لڑکی کو خود پہ سوار کر رکھا ہے۔'' فلک کے لہجے میں پری کے لئے نفرت تھی۔

''تم دونوں نہیں جانتے مجھے اس لڑکی سے کتنی نفرت ہے وہ عارفہ نامی ناگن کی بیٹی ہے جس نے نا صرف مجھ سے میرا شوہر میرا سکون میرا چین سب مجھ سے چھین لیا، میرا ہنستا بستا گھر اجاڑ دیا، مجھے در بدر کے دھکے کھانے پہ مجبور کر دیا، میں کیسے اس عورت کی بیٹی کو اپنے گھر برداشت کر سکتی ہوں؟'' اب سارہ بیگم کی غصے اور نفرت میں ڈوبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''مام مجھے عارفہ کے دیئے تمام زخم یاد ہیں، فکر نہ کریں ایک ایک زخم کا حساب نہ چکایا تو میرا نام بھی سمیر وجاہت نہیں۔'' سمیر کی رعونت بھری آواز پہ راہداری میں کھڑی پری کا سر چکرانے لگا تھا۔

☆☆☆

بی جان باتھ روم میں تھیں، انوش آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی، جب اچانک دستک کے ساتھ دروازہ کھلا تھا۔

''او آئم سوری، مجھے آپ کی موجودگی کا اندازہ نہیں تھا۔'' نہایت خوبرو اور سلجھی شخصیت کے حامل پارس کمرے میں آتے ہی انوش کو دیکھ کر قدرے شرمندگی سے بولے۔

''اٹس او کے پارس بھائی۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''آپ یقیناً انوش ہیں؟'' وہ بھی مسکرائے۔

''جی۔'' مختصر جواب۔

''میری رات ہی ابروڈ سے واپسی ہوئی ہے، کافی دنوں سے بی جان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی سوچا سب سے پہلے انہی سے ملا جائے بائے داوے کہاں ہیں بی جان نظر نہیں آ رہیں؟'' پارس نے جواب طلب نظروں سے انوش دیکھا۔

''بی جان واش روم میں ہیں۔''

''او کے یہ بتایئے ماہین پھپھو کیسی ہیں آپ تو ہو بہو ان کی جوانی جیسی دیکھائی دیتی ہیں۔'' وہ خوشگوار انداز میں قریبی صوفے پہ بیٹھتا ہوا بولا، تو انوش بھی مسکرا دی۔

''جی مام بالکل ٹھیک ہیں۔''

''ویری گڈ میں انشاء اللہ آج شام کو خود جا کر ان سے ملوں گا۔'' پارس نے ہنوز خوشدلی سے کہا۔

''ارے میرا پارس آ گیا۔'' بی جان نے آتے ہی پارس کو دیکھ کر خوشی سے بازو پھیلائے۔

''میری پیاری بی جان۔'' پارس اٹھ کر ان کے گلے لگا۔

''کیسا ہے میرا بچہ؟'' بی جان نے اس کا ماتھا چوما۔

''فٹ فاٹ ہوں بی جان۔''

''ماشاء اللہ، لگتا ہے رات دیر سے آئے تم؟''

''جی بی جان میں رات دو بجے آیا تھا۔'' وہ اپنے بازو کے حصار میں بی جان کو لئے صوفے پہ آ گیا۔

''تو کیا ضرورت تھی اتنی صبح اٹھنے کی؟ نیند پوری کرتے۔''

''بی جان آپ کو تو معلوم ہے، میری نیند کتنی کم ہے، جہاں بھی چلا جاؤں صبح چھ بجے آنکھ کھل جاتی ہے میری۔'' پارس نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے، سونے کا شوق تو شاہ ویز کو ہے۔'' وہ مسکرائیں۔

''شاہ ویز ٹھہرا ویلا بندہ وہ یہ سب کر سکتا ہے میں نے پچھلے دنوں خوب سمجھایا تھا اسے کہ اب اپنا بچپنا ختم کر یا اور سنجیدگی سے بزنس میں تمہارا ہاتھ بٹائے۔'' اس کی بات پہ بی جان نے بتایا۔

''کوئی نہیں بی جان، آج نہیں تو کل سدھر جائے گا، فی الحال تو میں آپ کے ساتھ بریک فاسٹ کرنے آیا ہوں۔'' پارس نے ٹاپک چینج کرتے ہوئے ساتھ بیٹھی بی جان کے کندھے پہ بازو پھیلاتے ہوئے لاڈ سے کہا تو بی جان مسکرائیں۔

''انوش میری جان، تم ذرا جا کر بٹلر کو ناشتہ تیار کرنے کا بولو، ہم دونوں آتے ہیں۔''

''جی بی جان۔'' انوش کمرے سے نکل گئی۔

''تم انوش سے ملے؟''

''جی بی جان۔''

''آج جا کر ماہین سے مل آنا، وہ بہت پوچھ رہی تھی تمہارا۔''

''جی بی جان ضرور جاؤں گا۔''

''جیتے رہو۔''

☆☆☆

ٹی وی لاؤنج میں نصرت فتح علی خان کی آواز گونج رہی تھی، ذوریز گود میں لیپ ٹاپ رکھے بزنس کے حوالے سے میلز چیک کر رہے تھے، ساتھ میں کافی پیتے ہوئے میوزک کو بھی انجوائے کر رہے تھے، لاؤنج کے قریب ماہین اپنے کمرے میں بیٹھی بلند آواز میں گونجتے گانے اور اس کی شاعری پہ اندر ہی تلملا رہی تھی گویا یہ سب اسے ہی سنایا جا رہا تھا۔

جانے والے ہماری محفل سے
چاند تاروں کو ساتھ لیتا جا
ہم خزاں سے نبھا کر لیں گے
تو بہاروں کو ساتھ لیتا جا
اچھی صورت کو سنورنے کی ضرورت کیا ہے
سادگی میں بھی قیامت کی ادا ہوتی ہے
تو روز رویا کرے اٹھ کے چاندراتوں میں
خدا کرے تیرا میرے بغیر جی نہ لگے
یہ سوچتا ہوں کہ وہ کتنے معصوم تھے
کیا سے کیا ہو گئے، دیکھتے دیکھتے
ہم سے پوچھو نہ یہ زخم کیسے ہوئے

نام آیا تمہارا تو پچھتاؤ گے
ہم سے یہ سوچ کر کوئی وعدہ کرو
ایک وعدے پہ عمریں گزر جائیں گی
یہ ہے دنیا یہاں کتنے اہل وفا
بے وفا ہو گئے دیکھتے دیکھتے

اس سے زیادہ سننا اس کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا، سو وہ تن فن کرتی اپنے کمرے سے نکلی تھی اور آناً فاناً ٹیبل پہ پڑا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کرتے ہوئے دھاڑی۔

''کیا ثابت کرنا چاہتے ہو، کہ تم بہت مظلوم ہو، تم ایک دھوکے باز شخص ہو، دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والے، محبت کی مٹی پلید کرنے والے، ایک خودسر شخص اپنے نفس کے آگے محبت کا ہر وعدہ بھول جانے والے، ایک کم ظرف انسان، خدا کے لئے چلے جاؤ یہاں سے، نکل جاؤ میرے گھر سے، تم نے آ کر میری زندگی کو میرے گھر کو جہنم بنا دیا ہے، میں...... میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں ذوریز میری زندگی سے چلے جاؤ، میرے دل میں، میرے گھر میں میری زندگی میں تمہاری اب کوئی جگہ نہیں ہے، چلے جاؤ۔'' وہ غصے میں بولتی بولتی بے بسی سے اب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی اور ذوریز آفندی بھیگی نگاہوں سے ماہین کو تڑپتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

''چلے جاؤ یہاں سے خدا کے واسطے چلے جاؤ۔'' ہذیانی انداز میں روتے ہوئے وہ بس ایک ہی جملہ دہرا رہی تھیں اور ذوریز آفندی نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب ایک لمحہ یہاں نہیں رکے گا۔

☆☆☆

''بی جان آپ انوش کو واپس بھجوا دیں، اس کے بغیر میں بہت اکیلی محسوس کر رہی ہوں خود کو۔'' رات ماہین نے بی جان کو فون کیا، اس کی ذہنی حالت بہت ابتر ہو رہی تھی۔

''ارے ابھی تو انوش کو میرے پاس آئے ایک ہفتہ نہیں ہوا اور تم اداس ہو گئیں؟'' دوسری طرف بی جان مسکرائیں۔

''جب اس کی شادی ہو جائے گی تو کیا کرو گی؟''

''ابھی انوش کی عمر ہی کیا ہے بی جان، جب ایسا سلسلہ ہوا تو دیکھی جائے گی، بی جان انوش کے بغیر میرا اپنے ہی گھر میں دل نہیں لگ رہا۔'' ماہین نے بچوں کی طرح اصرار کیا۔

''ٹھیک ہے میری جان میں کل انوش کو واپس بھیج دوں گی، لیکن اس وعدے کے ساتھ تمہیں انوش کو ہمیشہ کے لئے میرے پاس بھیجنا ہوگا۔''

''کیا مطلب بی جان میں کچھ سمجھی نہیں۔'' ماہین نے حیرت سے استفسار کیا۔

''مطلب یہ کہ، میں اپنے پارس کے لئے تم سے انوش کا ہاتھ مانگ رہی ہوں۔''

''مگر بی جان اتنی اچانک یہ سب؟''

''بچیوں کے رشتے اچانک ہی آتے ہیں، اللہ کی رضا سے اور پھر اپنے گھروں کی ہو جاتی ہیں۔''

''بی جان ابھی تو انوش بہت کم عمر ہے اور...''

''ارے چھوڑو یہ کوئی جواز نہیں ہے میری جان، حمیرا اور عرفان ایک دو دن میں تمہاری طرف باضابطہ طور پر پارس کے لئے انوش کا ہاتھ مانگنے آنے والے ہیں، میں تمہیں اس لئے بتا رہی ہوں کہ میری جان انکار مت کرنا، پارس میں ہر خوبی ہے جو ایک ماں اپنے داماد میں دیکھنے کی خواہش کرتی ہے، بیس سال تم اپنے بھائی بھاوج سے اپنے میکے سے دور رہی، ابھی وقت ہے اب اپنے بھائی بھاوج سے اپنا رشتہ مزید مضبوط کرنے کا، انہیں مایوس نہ کرنا، تم اسے میری خواہش سمجھو یا میرا حکم، تمہیں پورا کرنا ہوگا۔'' بی جان نے پیار سے سمجھاتے ہوئے گویا فیصلہ سنایا۔

''بی جان آپ کا حکم سر آنکھوں پر، آپ سچ کہتی ہیں یہی وقت ہے میرے پاس اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کا، بھائی جان سے اپنا رشتہ مضبوط کرنے کا، آپ بے فکر ہو جائیے اور میری طرف سے اس رشتے کے لئے ہاں ہی سمجھئے۔'' ماہین کی بات پہ بی جان کھل اٹھی تھیں۔

''جیتی رہو میری جان، اللہ تمہیں صدا سلامت رکھے۔''

پھر کچھ دیر کے بعد ماہین نے فون رکھ دیا تھا، آج دل نا جانے کیوں اداس تھا، شام ذوریز آفندی کو بے عزت کرنے کے باوجود اس کے بے چین دل کو قرار نہیں آ رہا تھا، دل بار بار خواہش کر رہا تھا کہ جا کر اس دشمن جاں کو دیکھے۔

اس کی خاموشی ماہین کو تکلیف دے رہی تھی، اسے بے چین کر رہی تھی اسی کشمکش میں ماہین کریم لگاتے وہ اپنے بستر پہ آ گئی رات کے گیارہ بج رہے تھے، دفعتاً اس کی موبائل کی بیل نے اس کی توجہ مبذول کی، عارفہ کی کال اور وہ بھی اس وقت؟ وہ موبائل اسکرین پہ عارفہ کا نمبر دیکھ کر حیران ہوئی۔

''ہیلو، کیسی ہو عارفہ؟''

''میں ٹھیک نہیں ہوں ماہین۔'' دوسری طرف عارفہ کی لاغری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''کیا ہوا عارفہ، تم ٹھیک تو ہو؟''

''نہیں ماہین میں بالکل ٹھیک نہیں ہوں، لگتا ہے زندگی کی سانسیں اب ختم ہوتی جا رہی ہیں۔''

''عارفہ پلیز مایوسی کی باتیں مت کرو، میں پری سے ملتی ہوں اسے سمجھاتی ہوں کہ وہ تم سے ایک بار مل لے، تم نے اس کی جدائی کا غم لگا لیا ہے۔'' ماہین نے عارفہ کو تسلی دی۔

''نہیں ماہین پری کو اپنی زندگی میں خوش رہنے دو، میں نے آج تک اسے دیا ہی کیا ہے؟''

''لیکن عارفہ۔''

''نہیں ماہین، ابھی اسے کچھ مت بتانا، مجھے اپنے غموں کا بوجھ خود اٹھانے دو، مجھے اپنی خود غرضیوں کے نتیجے جھیلنے دو، میں نے آج تک جو بویا اسے مجھے خود ہی کاٹنے دو۔'' عارفہ نہایت تکلیف سے بول رہی تھیں۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو عارفہ؟''

''اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں کچھ گناہوں کے اعتراف کرنا چاہتی ہوں، اس کے لئے تمہیں مجھ سے ملنا ہوگا ماہین۔'' وہ اب روتے ہوئے التجا کر رہی تھی۔

''عارفہ پلیز رونا بند کرو، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے میں...... میں کل ہی تم سے ملتی ہوں۔'' ماہین نے اسے تسلی دی۔

''میں تمہارا انتظار کروں گی ماہی۔'' عارفہ نے کہا تھا اور پھر فون بند ہو گیا تھا، ماہین کو اب عارفہ کی پریشانی پریشان کرنے لگی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

اٹھارویں قسط







می رقصم

بشریٰ سیال

ناولٹ

دوسری طرف بھی حال اس جیسا ہی تھا، دونوں بنا پلکیں جھپکائے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ؟'' بالآخر وہ ہوش میں آتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ یہاں کیسے؟'' وہ استفہامیہ لہجے میں بولا۔

''میں ماہ وش کی مدر ہوں۔'' عیسیٰ احمد کی سماعتوں پر عروبہ غضنفر نے بم پھوڑا تھا۔

''کیا کہا ہے آپ نے میری بیٹی کو... ان حالوں کو پہنچ گئی ہے؟'' وہ چلتی ہوئی اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں نے اس کے اپنی طرف بڑھتے قدموں کو روکا ہے، وہ نادان ہے، میں نہیں۔'' عروبہ غضنفر نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کے لئے ایک اور شاک تھا، وہ تو ماہ وش کا نام سن کر ہی چونکی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ حیرت سے گویا ہوئی۔

''آپ کی بیٹی......'' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا، مزید بولنے کی اس میں ہمت نہ تھی، عروبہ غضنفر اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ مجھ سے سوال کرنے کے بجائے اس سے پوچھیں، یہ زیادہ مناسب ہو گا۔'' وہ اسے صورتحال کی سنگینی سے آگاہ کر رہا تھا، مگر اتنا حوصلہ خود میں نہ پاتا تھا کہ عروبہ غضنفر سے یہ کہتا کہ ''تمہاری بیٹی مجھ سے محبت کرتی ہے'' وہ آگے بڑھی اور اس کا گریبان پکڑ لیا، وہ ششدر رہ گیا تھا۔

''اگر میری بیٹی کو کچھ ہوا تو میں آپ کو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔'' وہ اس کے بے حد قریب کھڑی تھی، آج اتنے برسوں بعد اسے اپنے روبرو دیکھ کر عیسیٰ احمد کے دل کی حالت پھر سے

غیر ہونے لگی تھی، اس کا جی چاہا وہ وقت کو یہیں روک لے، مگر ایسا ممکن نہ تھا، وہ بے بس کھڑا تھا۔

''میں بے قصور ہوں عروبہ!'' وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''ضروری نہیں ہر بار آپ بے قصور ثابت ہو جائیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر دفعہ آپ کو معاف بھی کر دیا جائے۔'' اس نے ایک جھٹکا دے کر عیسیٰ احمد کے گریبان کو چھوڑا تھا۔

''اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر بار میں ہی قصور وار ہوں، میں نے آپ کی بیٹی کو محبت کی ترغیب نہیں دی۔'' وہ صاف انکاری تھا۔

''کچھ نہ کچھ تو ایسا کیا ہوگا آپ نے، جو وہ آپ کی اور اپنی عمروں کے فرق کو بھول گئی۔'' وہ غصے سے پھنکاری تھی، اس بار وہ عیسیٰ احمد کو معاف نہ کر سکتی تھی، اسے یہ اس کی سازش لگی تھی۔

''محبت خود بخود ہو جاتی ہے عروبہ صاحبہ! یہ سکھانے سے نہیں آتی۔'' وہ زہر خند ہوا۔

''آپ نے کب مجھے خود سے محبت کرنے کو کہا تھا، مجھے آپ سے ہونی تھی، ہو گئی۔'' وہ اس کے اس انداز پر بل کھا کر مڑی تھی، اسے عیسیٰ احمد کی بات سخت بری محسوس ہوئی تھی۔

''شٹ اپ عیسیٰ احمد۔'' اس نے لتاڑا۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے، یہ کہتے ہوئے۔'' وہ پھنکاری، عیسیٰ احمد تڑپا۔

''محبت کوئی گناہ نہیں کہ اس پر شرمسار ہوا جائے، بہت پاکیزہ محبت کی ہے میں نے آپ سے۔'' اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا تھا، عروبہ غضنفر اسے شرمندہ کرنا چاہتی تھی اور وہ اپنی محبت پر کیوں شرمسار ہوتا۔

''اور اگر محبت گناہ ہے تو جا کر اپنی بیٹی کو سمجھایئے، جو مجھ سے یہ کہہ کر گئی ہے کہ آپ کو حاصل کرتے رہوں گی۔'' عروبہ غضنفر دم بخود سی کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اور پھر تیزی سے مڑی اور باہر نکل گئی، عیسیٰ احمد اسے جاتا دیکھتا رہا، اس کا جی چاہا اسے روک لے، اسے بتائے کہ اس کے بغیر اس کی زندگی کیسے گزری، وہ ایک لمحے کے لئے بھی اسے بھول نہیں پایا، مگر کبھی بھی وہ اسے اپنے دل کی بات نہ بتا سکا تھا، وقت نے اسے کبھی موقع نہ دیا، وہ جب بھی اس کے سامنے آیا، مجرم بن کر آیا۔

☆☆☆

نویلہ نے فجر کی نماز ادا کر کے اللہ کے حضور سر بسجود ہو کر اس کا شکر ادا کیا تھا، زین ندیم اور اس کی ماما بہت اچھے لگے تھے اسے بڑے دل اور اعلیٰ ظرف کے مالک، جنہوں نے اس کی طلاق کے متعلق جان کر بھی اسے اپنا لیا تھا، وہ اپنے اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کرتی، وہ کم تھا، نماز پڑھ کر وہ اٹھی اور ماما کو کال کی۔

''تم ٹھیک ہو نویلہ؟ زین تو تمہارے ساتھ ٹھیک ہے نہ؟ تم خوش ہو؟'' وہ ایک ہی سانس میں کئی سوال کر گئی تھیں۔

''زین بہت اچھے ہیں ماما؟'' اس نے کہا اور اسی لمحے دروازہ کھلا اور زین ندیم نے قدم اندر رکھا، وہ اس کی بات سن چکا تھا اور اب زیر لب مسکرا رہا تھا۔

''جی ماما! نہیں ناشتہ لانے کی تو ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ چکا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں بعد میں بات کروں گی۔'' اس نے فون بند کر کے سائیڈ پہ رکھ دیا۔

''السلام علیکم!'' اس نے زین ندیم کی طرف دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

''رائے قائم کرنے میں بہت جلدی نہیں کی آپ نے؟'' وہ کیا کہہ رہا تھا، نویلہ خوب سمجھ

رہی تھی، وہ دھیمے پن سے مسکرا دی۔

''ماما میرے لئے پریشان تھیں، ان کو پریشانی میں نہیں دیکھ سکتی میں۔'' اس نے وضاحت کی، زین ندیم اس کے جواب پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا تھا، اسے انتیا بیگ اور اس کی خود غرضی یاد آئی تھی۔

''جو انسان اپنے والدین سے محبت کرتا ہے، ان کا خیال رکھتا ہے، وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا۔'' وہ مدبرانہ انداز میں بولا۔

''آپ کے لئے چائے بنا دوں؟'' اس کی پیشکش پر وہ ہنس دیا تھا۔

''ماما نے آپ کو کچن میں دیکھ لیا تو خفا ہوں گی مجھ سے۔'' ایک دن کی دلہن سے ایسی آفر کی توقع نہ تھی اسے۔

''میں انہیں بتا دوں گی کہ میں اپنی مرضی سے بنا رہی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''اور پھر میرا خیال ہے اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔'' زین ندیم اس کے ساتھ کچن میں آ گیا تھا، نویلہ نے چائے بنائی اور زین ندیم نے اسے وہ بات بتائی، جو ماما نے اس سے شادی کرنے کے لئے بہو اور چائے کے حوالے سے کی تھی۔

''ویری انٹرسٹنگ۔'' وہ مسکرا دی۔

''چائے پی کر بتائیں کہ مجھے آپ کتنے نمبر دیتے ہیں۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''ہوں۔'' زین ندیم نے چائے کا ایک کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا، نویلہ اسی کو دیکھ رہی تھی، اس نے ایک سپ لیا، پھر دوسرا اور پھر تیسرا۔

''نہیں اچھی بنی؟'' وہ مایوس کن لہجے میں بولی، تو زین ندیم شرارت بھرے انداز میں ہنس دیا۔

''لڑکی مجھے پتا ہوتا تمہیں چائے بنانی نہیں آتی تو میں تم سے شادی ہی نہ کرتا۔'' نویلہ اس کی شرارت بھانپ چکی تھی، منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی جا رہی تھی۔

''دس میں سے آپ کو نو نمبر دیئے جاتے ہیں۔'' شرارت آمیز سنجیدگی سے کہتے ہوئے زین ندیم نے جیب سے والٹ نکالا اور پانچ ہزار کا نوٹ اسے دیا۔

''میں کبھی بھی آپ کی خدمت، یا آپ کے کسی کام کے لئے آپ سے پیسے نہیں لوں گی۔'' وہ نوٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''اسے میری طرف سے پہلا گفٹ سمجھ لو۔'' وہ پیسے دینے کے لئے اصرار کر رہا تھا۔

''آپ ان پیسوں سے کچھ خرید کر دے دیجئے گا اور رہی بات گفٹ کی تو وہ آپ مجھے دے چکے ہیں۔'' اس نے ہاتھ میں پہنے کنگن زین ندیم کے سامنے لہرائے۔

''میں نے زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں، بہت مشکل وقت گزارے ہیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ اللہ پاک ان سب دکھوں کے بدلے اتنی اچھی بیوی سے نوازے گا مجھے۔'' اس نے کھلے دل سے نویلہ کو سراہتے ہوئے پیسے واپس رکھ لئے تھے۔

''آپ خود بہت اچھے ہیں زین اور آپ کی ماما بھی، آپ دونوں کا دل اور ظرف بہت بڑا ہے۔'' نویلہ نے بھی بلا جھجک ان دونوں کی تعریف کی تھی، اسے واقعی زین ندیم بہت اچھا لگا تھا، وہ جس نے عیسیٰ احمد کے بعد اپنے دل کے دروازے کو ایسا قفل لگایا تھا کہ جسے کبھی بھی نہ کھولنے کا ارادہ کیا تھا، مگر ایک ہی دن میں وہ اس کے لئے بہت اہم ہو گیا تھا، اسے بہت اچھا اور بہت اپنا اپنا سا لگنے لگا تھا۔

☆☆☆

ماہ وش کو بہت مشکل سے ہوش آیا تھا، ڈاکٹرز نے بتایا تھا کہ اسے کوئی شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے، فارقلیط حسن بہت پریشان تھا، عروبہ غضنفر نے حسن بہزاد کو کال کی تھی اور وہ دوڑے چلے آئے تھے، شہیر اور ماہ وش میں ان کی جان تھی۔

ماہ وش کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا، اسے ایک مسلسل چپ لگی ہوئی تھی، فارقلیط حسن نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی کہ وہ کچھ بولے، بتائے مگر اس کی چپ نہ ٹوٹی، بس خاموشی سے خلاؤں میں گھورتی جاتی، یا پھر آنسو بہاتی رہتی، سب اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے، مگر اس کے لبوں کا قفل نہ ٹوٹا۔

بالآخر ماہ وش نے عروبہ کو سب کچھ بتا دیا تھا اور اس کے منہ سے عیسٰی احمد کے لئے محبت کا اظہار سن کر عروبہ غضنفر کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کے برسوں پرانے زخم پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔

"بیٹا وہ آپ کے ٹیچر ہیں، آپ سے عمر میں بہت بڑے ہیں۔" عروبہ غضنفر نے سمجھانا چاہا۔

"ماما!" وہ نحیف آواز میں بولی۔

"مجھے اگر وہ نہ ملے تو میں مر جاؤں گی۔"

ماہ وش اپنی ماں سے بہت مختلف تھی، وہ بہادر تھی، جلد گھبرائی نہیں تھی، مگر اس محبت نے اسے کملا دیا تھا۔

"اس کے علاوہ جس سے بھی کہو گی ہم تمہارا رشتہ طے کروا دیں گے، مگر یہاں ممکن نہیں ہے۔" عروبہ غضنفر اسے کوئی جھوٹی تسلی نہ دینا چاہتی تھی، کیونکہ وہ مر کر بھی ایسا نہ ہونے دینا چاہتی تھی۔

"میں پاپا سے بات کروں گی۔" فارقلیط حسن اور حسن بہزاد اندر داخل ہوئے تھے۔

"کیسا ہے میرا بچہ؟" فارقلیط حسن نے اس

[illegible] ماہ وش نے اپنا سر اس کے سینے سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں، حسن بہزاد نے بغور اسے دیکھا۔

"پاپا!" وہ کمزور آواز میں بولی۔

"جی! میری جان۔" فارقلیط حسن نے محبت سے بھرپور لہجے میں کہا، عروبہ کی جان پر بن آئی۔

"ماہ وش بیٹا، ابھی ریسٹ کرو، بعد میں بات کر لینا پاپا سے۔" عروبہ نے اسے بولنے سے منع کیا، حسن بہزاد کے نمبر پر کال آنے لگی، وہ اٹھ کر باہر چلے گئے، عروبہ کے منع کرنے کے باوجود ماہ وش نے باپ کو سب کچھ بتا دیا تھا، جسے سن کر وہ شاکڈ رہ گیا تھا۔

"پاپا پلیز Do something۔" وہ ان کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔

"ریلیکس بیٹا۔" فارقلیط حسن نے اس کو تسلی دی مگر درحقیقت وہ خود پریشان ہو گیا تھا۔

"آپ بات کریں گے نہ ان سے؟"

عروبہ کو ماہ وش سے اس بے باکی کی امید ہرگز نہ تھی، وہ اس کی بیٹی تھی، مگر اس کی کوئی عادت عروبہ پر نہ تھی۔

"ہاں کروں گا۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے اٹھ گیا تھا وہ رات عروبہ غضنفر نے جاگتے ہوئے بے چینی میں گزاری تھی۔

"فارقلیط!" صبح وہ آفس جانے کے لئے تیار ہوا تو عروبہ اس کے پاس آئی، اس نے کوئی جواب نہ دیا، بس عروبہ کو دیکھے گیا۔

"ماہ وش بچی ہے، اسے ابھی کہاں اتنی سمجھ، مگر ہمیں اس کو سمجھانا چاہیے، نہ کہ اس کی فضول، بچکانہ خواہش کو سیریس نے لیں۔" اس نے محتاط انداز میں، مناسب الفاظ کا چناؤ کرتے ہوئے مدعا بیان کیا۔

میری بیٹی بے وقوف نہیں ہے نہ ہی کوئی فضول چیز پسند کرتی ہے۔" فارقلیط حسن کی بات نے اس کے ہوش اڑا دیئے تو گویا وہ اس کی ضد پوری کرنے کا سوچ چکا تھا۔

"آپ اس کی بات مان کر بہت نقصان اٹھائیں گے۔"

"ہاں مگر تم کیوں اتنی مخالفت کر رہی ہو؟" وہ اس کی جانب دیکھ کر بولا تو عروبہ کچھ گڑبڑا گئی، مگر اگلے ہی لمحے خود کو سنبھال لیا۔

"آپ خود سوچیں اس کا ٹیچر ہے، تو عمر میں بھی اس سے بڑا ہو گا زیادہ۔" اس نے فوراً توجیح پیش کی۔

"میں اس سے ملے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔" وہ جانے لگا۔

"تو آپ اس سے جا کر کہیں گے کہ میری بیٹی سے شادی کر لو؟" عروبہ کی جان پر بن آئی۔

"اس کا فیصلہ میں بعد میں کروں گا۔" وہ کہہ کر نکل گیا، عروبہ نے سر تھام لیا۔

☆☆☆

زین ندیم اور نویلہ نے فوراً ہی اپنی اپنی ڈیوٹی سنبھال لی تھی، ماما نے دونوں کو کافی سمجھایا کہ چھٹی لے کر ہنی مون پر چلے جائیں، مگر دونوں ہی رضامند نہ ہوئے۔

"ہم اپنے گھر پر اور اپنے کام کے ساتھ زیادہ خوش رہتے ہیں ماما۔" نویلہ نے کہا۔

"اتنی سعادتمندی بھی اچھی نہیں ہوتی بیٹا۔" ماما نے اسے پیار سے سمجھایا۔

"یار ماں، اب میری بیوی کو غلط پٹیاں تو نہ پڑھائیں۔" وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے بولا۔

"بس تم رہنے ہی دو زین!" وہ خفگی سے بھرپور لہجے میں بولیں۔

"نہ خود آرام کیا اور نہ بچی کو چار دن شوق اور کون سے تیار ہونے دیا، گھر رہتی، کچھ کھاتی پیتی، کہیں آتی جاتی، مگر تمہارے اپنے ہی اصول ہیں۔" زین ندیم اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پہلو میں جا بیٹھا اور بازو ان کے گلے میں حمائل کر دیے۔

"میری پیاری ماں، خفا تو مت ہوں۔" وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"صاف کیوں نہیں کہتیں بہو سے کام کروانا چاہتی ہیں، اسے اپنے سامنے رکھ کر اس پر رعب جھاڑنا چاہتی ہیں۔" نویلہ اس کی باتوں کو خوب انجوائے کر رہی تھی، وہ مسکرائے جا رہی تھی، جبکہ ماما مزید خفا ہو گئیں۔

"دیکھو، کیسی باتیں کر رہا ہے، لڑائی کروانا چاہتے ہو ہم ماں بیٹی کی۔" انہوں نے نویلہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور بات کے اختتام پر زین ندیم کو گھورا۔

"توبہ استغفراللہ، مجھ معصوم پر اتنا بڑا الزام۔" اس نے ہنسی دباتے ہوئے کہا۔

"میں جیسے نہیں جانتی کتنے معصوم ہو تم۔" ان کا غصہ دور نہ ہو رہا تھا۔

"ماں، میرا تو کوئی قصور نہیں، آپ نے خود ہی بہو پر کوئی جادو کیا ہوا ہے، وہ کہتی ہے ماما کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جانا۔" اب زین ندیم نے ایک نیا شوشہ چھوڑا تھا۔

"لو سن لو اس کی بات، میں کیوں کرنے لگی جادو اور پھر یہ میری بہو نہیں، بیٹی ہے۔" نویلہ کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا، وہ ان دونوں کی اس نوک جھونک سے خوب لطف اٹھا رہی تھی۔

"ماما! زین مذاق کر رہے ہیں۔" اب نویلہ کو مداخلت کرنا پڑی۔

"بس تم آج اسے کہیں لے کر جاؤ۔" انہوں نے حکم صادر کیا۔

''جو حکم میرے آقا۔'' وہ ابھی تک غیر سنجیدہ تھا، اب کی بار اس کے انداز گفتگو پر وہ بھی ہنس دی تھیں، ان کو ہنستا دیکھ کر زین ندیم اور نویلہ بھی ہنس دیئے تھے، زین اور ماما نے زندگی میں بہت دکھ اٹھائے تھے، نویلہ نے بھی بہت مصیبتیں اٹھائی تھیں، وہ سب ایک دوسرے کے لئے انعام تھے، صبر کا، استقامت اور خدا پر یقین کا۔

☆☆☆

علیشہ، فروا سے ملنے آئی تھی، فروا اور مصعب ماہ وش کی عیادت کے لئے جا رہے تھے۔

''ماشاء اللہ، آپ کا بیٹا تو پورا جوان ہو گیا ہے۔'' علیشہ نے رشک بھرے انداز میں کہا۔

''جی ماشاء اللہ۔'' فروا نے محبت سے بھرپور نگاہ مصعب علی پر ڈالی۔

''فروا!'' اس نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے اس کی جانب دیکھا، علیشہ کی آنکھوں میں تڑپ تھی، ایک محسوس کی جانے والی پیاس، فروا اسے دیکھے گئی۔

''میری شادی میرے ماموں کے بیٹے عدیل سے ہوئی، اس نے مجھے دھوکہ دیا، میں اس سے نفرت کرنے لگی، مگر میں نے کچھ سیکھا نہیں، میری فطرت، میری سوچ نہ بدل سکی اور جب ہم زندگی میں آنے والی مصیبتوں، چاہے وہ آزمائش ہو یا سزا، اس سے کچھ نہ سیکھیں تو پھر ہمیں اس سے بھی بڑی مصیبت اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم پر تب تک دکھوں کا بوجھ ڈالتا رہتا ہے جب تک کہ ہم اپنی غلطی کو مان نہ لیں، اس سے کچھ سیکھ نہ لیں، میری دوسری شادی ڈاکٹر تیمور عباس سے ہوئی۔'' وہ اس طرح اسے بتا رہی تھی جیسے وہ یہ سب جانتی نہ ہو، اسے تو سب کچھ معلوم تھا۔

''اب کی بار اللہ نے مجھے جس سزا سے دوچار کیا ہے، وہ بہت زیادہ اذیت ناک ہے فروا۔'' اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''میں نے دنیا کے ہر کونے میں جا کر دیکھ لیا، کوئی ڈاکٹر اور کوئی ہاسپٹل نہیں چھوڑا، مگر اس نے مجھے اولاد کی نعمت سے محروم ہی رکھا، مجھے معاف کر دو فروا؟'' اس نے اچانک ہاتھ جوڑے، مصعب علی وہاں سے جا چکا تھا، اب صرف وہ دونوں بیٹھی تھیں۔

''تم معاف کر دو گی تو اللہ بھی معاف کر دے گا شاید۔'' وہ شدید اذیت سے دوچار تھی۔

''میں نے ہمیشہ اس خیال کے ساتھ زندگی گزاری کہ میرے اختیار میں سب کچھ ہے، مگر اب جا کر پتا چلا، کہ ہم تو ہمیشہ اس کے محتاج رہتے ہیں۔'' فروا اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے قریب جا بیٹھی۔

''میں بہت بے بس اور مجبور ہوں فروا۔'' اس کے ہاتھ ہنوز جڑے ہوئے تھے۔

''مجھے تو تم نے کچھ نہیں کیا۔'' فروا نے اس کے ہاتھ پکڑ کر کھول دیئے۔

''مگر عروبہ کو بہت کچھ کہا ہے۔'' وہ ندامت سے سر جھکاتے ہوئے بولی۔

''تو اس سے معافی مانگو۔'' فروا نے اس کے ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔

''اس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔'' اس کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے تھے۔

''تو پھر میں نے بھی معاف کیا۔'' اس نے آگے بڑھ کر علیشہ کو گلے سے لگایا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، فروا اس کی پشت سہلا رہی تھی۔

''مجھے آج پتا چلا پاپا ساری زندگی گل افزاء آنٹی کو کیوں نہیں بھلا سکے، جب ان کی بیٹیاں اتنی اچھی اور بڑے دل اور ظرف کی مالک ہیں تو

وہ کتنی اچھی ہوں گی۔'' اور فروا تو اس کے الفاظ میں کھو گئی تھی کہ ''عروبہ نے مجھے معاف کر دیا۔'' علیشہ اس سے الگ ہوئی۔

''کیا عروبہ مجھے بھی معاف کر دے گی؟'' وہ پر سوچ نگاہوں سے علیشہ کو دیکھ رہی تھی، علیشہ چلی گئی تھی اور فروا پر سوچ کے نئے در وا کر گئی تھی، فی الحال تو اسے مصعب کے ساتھ جانا تھا، مگر اس نے دل میں تہیہ کیا تھا کہ وہ عروبہ سے ضرور ملے گی۔

☆☆☆

فارقلیط حسن آفس جانے کی بجائے ماہ وش کی اکیڈمی سے اونر کے گھر کا ایڈریس معلوم کر کے وہاں پہنچا تھا، گیٹ پر بیل دے کر وہ انتظار کرنے لگا، کچھ ہی دیر میں دروازہ ایک ادھیڑ عمر آدمی نے کھولا۔

''مجھے عیسیٰ صاحب سے ملنا ہے۔'' اس نے سلام کرنے کے بعد کہا۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ بزرگ مہذبانہ انداز میں بولے۔

''مجھے ان سے بہت ضروری ملنا ہے۔'' اس نے فوراً کہا۔

''اچھا آپ آیئے۔'' فارقلیط حسن اس کی تقلید میں چلتا ہوا اندر آیا۔

''آپ بیٹھیں، میں صاحب کو بلاتا ہوں۔'' اسے ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر وہ چلا گیا، کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی۔

''انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا ہے، ان کی طبیعت......''

''آپ ان سے کہیں ماہ وش کے فادر آئے ہیں۔'' ادھیڑ عمر ملازم سر ہلا کر چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں عیسیٰ احمد نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔

''تم؟'' فارقلیط حسن اپنے سامنے اسے دیکھ کر گنگ رہ گیا۔

''تو یہ تم ہو، جس نے میری بیٹی کو بہکایا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور غصے کے عالم میں بولا، عیسیٰ احمد کی شیو ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی تھی، چہرہ بخار کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا، آنکھوں میں ڈورے پڑے ہوئے تھے، اس نے بس ایک نظر فارقلیط حسن کے بپھرے انداز کو دیکھا۔

''بیٹھ جائیں۔'' صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بیٹھ چکا تھا۔

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا۔'' وہ پھنکارا۔

''میں نے آپ کی بیٹی کو اپنی اسٹوڈنٹ کے سوا نہ کچھ سمجھا تھا اور نہ ہی سمجھتا ہوں۔'' وہ سر جھکائے بیٹھا اس غلطی کی وضاحت دے رہا تھا، جو اس نے کی ہی نہ تھی۔

''تمہیں دور رہنا چاہیے تھا اس سے۔'' وہ زہر میں بجھے لہجے میں بولا۔

''میں کبھی اس کے قریب نہیں گیا، اس کی اور میری عمر میں واضح فرق ہے۔'' وہ ماہ وش کا باپ تھا، عروبہ غضنفر کا شوہر اور اسی لئے عیسیٰ احمد چاہ کر بھی اسے اس کی بیٹی کی بے باکیوں اس کی دھمکی اور صاف اور واضح الفاظ میں اظہار محبت کے متعلق نہ بتا سکا اور فارقلیط حسن کی باتیں سنتا رہا۔

''برسوں پہلے تمہاری وجہ سے جو کچھ عروبہ کے ساتھ ہوا آج تک میں اسے سنبھالنے میں لگا ہوا ہوں اور اب میں تمہیں اپنی بیٹی کو چھوڑ کر بھاگنے نہیں دوں گا، تمہیں اس سے شادی کرنا ہو گی۔'' عیسیٰ احمد نے بے یقین نگاہوں سے فارقلیط حسن کو دیکھا تھا، اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آ رہا تھا، وہ کیسی عجیب بات کہہ گیا تھا۔

''میں آپ کی بیٹی سے......'' اس سے آگے وہ بول ہی نہ سکا، وہ کیسے بول سکتا تھا؟ وہ عروبہ کی

بیٹی سے کیسے شادی کر سکتا تھا۔

"تمہیں اس سے شادی کرنا ہوگی، یہ میرا آخری اور حتمی فیصلہ ہے۔" فارقلیط حسن اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کو میری زندگی کے متعلق فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، میری طرف سے انکار ہے۔" اس نے ہمت مجتمع کر کے کہہ دیا، فارقلیط حسن مڑا، اس کے قریب آیا۔

"تو پھر میں عروبہ کو طلاق دے کر تمہارے پاس چھوڑ جاتا ہوں، اس سے تو تم بہت شوق سے شادی کرو گے نہ، اسی کے انتظار میں آج تک تنہا گھوم رہے ہو نہ۔" ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر بولتے ہوئے عیسیٰ احمد کا کالر پکڑ کر اسے جھاڑتے ہوئے وہ بولا تو خوف کی ایک لہر عیسیٰ احمد کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" عیسیٰ احمد کو اپنی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"میں آج، ابھی، اسی وقت گھر جا کر ایسا ہی کروں گا۔" وہ باہر نکل گیا، عیسیٰ احمد اس کے پیچھے لپکا۔

"مجھے آپ کا فیصلہ...... منظور...... ہے۔"

وہ ٹوٹے، بکھیرے لہجے میں بولا تھا، یہ کیسا عجیب سودا کیا تھا، فارقلیط حسن نے اس سے، عروبہ غضنفر کی خوشیاں گروی رکھ کر، اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا، وہ خزانہ جو تمام عمر اس نے سینے سے لگائے رکھا، جسے سینت سینت کر رکھا، وہ اسے لوٹ کر لے گیا تھا، وہ اس سے عروبہ غضنفر سے محبت کرنے کا حق چھین کر لے گیا تھا، عیسیٰ احمد ہار گیا تھا، ایک مرتبہ پھر فارقلیط حسن سے ہار گیا تھا، اب کی بار وہ زیادہ بری طرح ہارا تھا، پہلی مرتبہ وہ اس سے عروبہ کو چھین کر لے گیا تھا، اب کی بار وہ اس سے اس کی محبت بھی لے گیا تھا اور وہ ہاتھ ملتا بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

"پاپا چائے پئیں گے؟" علیشہ ان کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی، اسے وہ تھکے تھکے سے لگ رہے تھے۔

"بنا دو گی؟" وہ کنپٹیوں کو دباتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"شیور پاپا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں بس ابھی لائی۔" وہ کچن میں چلی گئی، جلد ہی اس کی واپسی ہوئی۔

"لیجئے، گرما گرم چائے۔" اس نے مگ ان کے سامنے میز پر رکھا۔

"شکریہ بیٹا۔" انہوں نے مگ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"بہت ضرورت محسوس ہو رہی تھی چائے کی۔" انہوں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ نے مجھے کہا کیوں نہیں پاپا۔" علیشہ نے اپنا کپ اٹھا کر گھونٹ گھونٹ چائے پینا شروع کر دی۔

"بس دل نہیں کیا بے آرام کرنے کو۔" وہ بولے تو علیشہ کو ان پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"آپ کا کام کر کے مجھے خوشی ہوتی پاپا، ایسا مت سوچا کریں۔" اسے اچانک ان پر ترس آیا تھا، وہ کتنے تنہا تھے۔

"آپ کو ایک بات بتاؤں پاپا؟" علیشہ نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، کہو بیٹا۔" وہ کپ میز پر رکھ کر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"میں عروبہ سے ملنے گئی تھی۔" انہوں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا، مگر کچھ بھی نہ کہہ سکے اور نہ ہی اس سے کچھ پوچھا۔

"اس کا دل تو بہت بڑا ہے پاپا۔" علیشہ نے کھلے دل سے تعریف کی۔

"میں نے معافی مانگی اور اس نے مجھے معاف کر دیا، عروبہ ہی نہیں، فروا نے بھی مجھے معاف کر دیا، اتنا بڑا ظرف گل افزاء آنٹی کی بیٹیوں کا ہی ہو سکتا ہے۔" وہ بات کرنے میں اتنی مگن تھی کہ ماما کی آمد کا علم نہ ہو سکا۔

"خوب، بہت خوب، مانگو ان سے معافیاں اور ڈالو خاک میرے سر میں۔" علیشہ نے باپ کی جانب دیکھا، وہ کچھ بھی نہ بولتے تھے، انہوں نے بہت عرصے پہلے صوفیہ کو کچھ بھی کہنا چھوڑ دیا تھا۔

"معافی مانگنے سے کوئی چھوٹا نہیں ہو جاتا ماما، ہم سب بہت گناہگار ہیں، گل افزاء آنٹی اور ان کی بیٹیوں کے ہم سب کو ان سے معافی مانگنی چاہیے۔" علیشہ نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ کسی کی نہ سنتی تھیں، وہ ان ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں میں سے تھیں، جو اپنی غلطی کو تسلیم نہیں کرتے، انسانوں پر ظلم کرتے ہیں اور پھر ان سے معافی مانگنے کا ظرف اور حوصلہ بھی نہیں رکھتے اور پھر اللہ پاک ان پر توبہ کے دروازے بھی بند کر دیتا ہے۔

☆☆☆

فروا اور مصعب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ماہ وش اور اس کی ماما کے منتظر تھے، دفعتاً دروازہ کھلا اور عروبہ غضنفر اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم آنٹی!" مصعب علی نے اٹھتے ہوئے سلام کیا، فروا بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور جیسے ہی اس کی نظر عروبہ پر پڑی وہ حیرت و استعجاب سے ہلنے کے قابل نہ رہی تھی اور دوسری طرف عروبہ کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی، وہ چند ثانیے کھڑی اسے دیکھتی رہی اور پھر آگے بڑھی۔

"وعلیکم السلام بیٹا!" عروبہ نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا اور فروا کی جانب بڑھی۔

"عروبہ!" فروا کے منہ سے بس یہی ایک لفظ ادا ہوا، عروبہ نے بانہیں پھیلا دیں، فروا آ کر اس کے گلے لگ گئی، مصعب علی حیران کھڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"بس فروا!" وہ سسک رہی تھی، عروبہ نے اسے خود سے الگ کیا۔

"میری کبھی ہمت ہی نہیں ہوئی، میں تمہارے سامنے آؤں، تم سے معافی مانگوں، میں بہت بری ہوں عروبہ۔" مصعب علی نا سمجھی کے عالم میں ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"نہیں فروا!" عروبہ نے اس کے آنسو پونچھے۔

"مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔" مصعب علی آگے بڑھا۔

"کیا آپ دونوں پہلے سے ایک دوسرے کو جانتی ہیں؟" مصعب علی نے سوال کیا تو وہ دونوں چونکیں۔

"بیٹا! یہ تمہاری خالہ ہیں۔" فروا نے مصعب کو بتایا، اس پر تو گویا شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

"مطلب! آپ میری خالہ ہیں؟" وہ عروبہ سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں!" عروبہ نے اثبات میں سر ہلایا، شہیر اندر داخل ہوا تھا، اس نے فروا کو سلام کیا۔

"آپ فروا خالہ ہیں؟" شہیر کے سوال پر فروا نے چونک کر عروبہ کی طرف دیکھا تھا۔

"میں نے اپنے بچوں کو بتا رکھا ہے تمہارے متعلق۔" عروبہ نے اس کی حیرت ختم کی، شہیر مصعب علی سے ملا تھا، فروا نے اسے پیار کیا۔

"خالہ جان! کیا میں آپ کی بیٹی سے مل

سکتا ہوں؟'' معصب علی نے اجازت طلب نظروں سے عروبہ کی جانب دیکھا۔

''شیور بیٹا!'' عروبہ نے اجازت دی، معصب علی، شہیر کی ہمراہی میں ماہ وش کے روم میں آیا تھا، دستک دے کر شہیر اندر گیا اور پھر واپس آ کر معصب علی کو ساتھ آنے کے لئے کہا۔

''السلام علیکم!'' معصب علی نے سلام کیا، ماہ وش بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی، معصب علی نے ہاتھ میں پکڑا سرخ گلابوں کا بکے اسے تھمایا۔

''دراصل میری سسٹر کو پاپا کے ایکسٹرا لاڈ پیار نے بگاڑ دیا ہے، ذرا سی بات برداشت نہیں ہوتی اس سے، سر نے ڈانٹا اور یہ......'' شہیر شرارت سے گویا ہوا، ماہ وش نے اسے آنکھیں دکھائیں، معصب علی زیر لب مسکرا دیا۔

''سر نے بھی اوور ری ایکٹ کیا، انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' معصب علی نے ماہ وش کی حمایت کی۔

''سر نے بالکل ٹھیک کیا، اسے کس نے کہا تھا ان سے پوچھے بنا ہی سارا اہتمام کر ڈالے۔'' شہیر نے کہا۔

''تم تو ہمیشہ سے میرے دشمن ہو۔'' وہ خفا ہونے لگی، شہیر ان دونوں بہن بھائیوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

واپس آنے تک اس کی شہیر سے اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی، وہ بہت خوش اور مطمئن تھا، کہ اب اس کے لئے سب کچھ بہت آسان ہو جائے گا، اسے عروبہ خالہ بہت اچھی لگی تھیں۔

☆☆☆

''مجھ سے پوچھے اور مجھے بتائے بغیر میری بیٹی کی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ آپ اکیلے کیسے کر سکتے ہیں؟'' فارقلیط حسن نے عروبہ کو بتایا تھا کہ وہ ماہ وش کا رشتہ عیسیٰ احمد سے جوڑ آیا ہے، یہ سنتے ہی عروبہ کی جان پر بن آئی تھی۔

''میں نے وہی فیصلہ کیا ہے، جو اس کے لئے اچھا ہے، جس پر وہ خوش رہے گی۔'' وہ اطمینان سے بولتا ہوا اس کا سکون غارت کر گیا۔

''وہ خوش نہیں رہ سکتی۔'' عروبہ زور سے چلائی۔

''تم کیوں اتنی مخالفت کر رہی ہو؟'' وہ چبھتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیونکہ وہ میری بیٹی ہے، میں جانتے بوجھتے اسے کنویں میں نہیں دھکیل سکتی۔'' وہ چپ نہ رہ سکی تھی۔

''وہ بہت خوبصورت ہے، ایجوکیٹڈ ہے، اچھا کھاتا کماتا ہے، اس کا گھر اتنا بڑا اور پیارا ہے، اور کیا چاہیے تمہیں اپنی بیٹی کے لئے۔'' فارقلیط حسن نے اسے سمجھانا چاہا۔

''وہ عمر میں اس سے اتنا بڑا ہے۔'' عروبہ غضنفر نے اعتراض نوٹ کروایا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بس تمہیں یہی اعتراض ہے؟'' وہ اس سے پوچھنے لگا۔

''وہ میری بیٹی سے محبت نہیں کرتا۔'' اس نے خدشہ بیان کیا۔

''ساتھ رہیں گے تو محبت بھی ہو ہی جائے گی عروبہ۔'' وہ اس کی پریشانی اس کی فکر اس کی اذیت کو سمجھ رہا تھا، سب کچھ جانتا تھا، مگر جان کر انجان بن رہا تھا۔

''یہ ضروری نہیں فارقلیط؟'' اس نے باور کروایا۔

''اچھا سوچو، اچھا ہو گا۔'' وہ کسی صورت اس کی بات نہ مان رہا تھا۔

''پلیز اپنا فیصلہ بدل لیں فارقلیط۔'' وہ اب منت کر رہی تھی۔

''ہمیشہ اچھا سوچنے سے اچھا نہیں ہوتا۔'' خدشہ بولا۔

''سوری یہ نہیں بدل سکتا۔'' اس نے ہری جھنڈی دکھائی۔

''میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

''جو کرنا ہے کر لو۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

''آپ کیوں کر رہے ہیں ایسا؟'' وہ روہانسی ہوئی۔

''بتا چکا ہوں، میری بیٹی کی خوشیاں جڑی ہیں اس فیصلے سے۔'' اس نے باور کروایا۔

''خوشیوں کی ضمانت کس نے دی ہے آپ کو؟'' وہ استفسار کرنے لگی۔

''وہ تو کوئی بھی نہیں دے سکتا عروبہ۔'' وہ اپنی بات سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

''آپ نے اسے زبردستی منایا ہوگا، وہ ایسا نہیں چاہتا ہوگا۔'' وہ پریقین لہجے میں بولی۔

''تم اسے منع کر کے دیکھ لو۔'' اس پر خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔

''میں کیوں منع کروں، اسے یہ احساس کیوں دلاؤں کہ میرا اور آپ کا فیصلہ الگ الگ ہے۔'' وہ اس کی بات پر طنز سے مسکرایا تھا، عروبہ کو یقین ہو گیا کہ وہ اس کی بات نہیں مانے گا۔

''میں ڈیڈی سے بات کرتی ہوں۔'' وہ اپنی طرف سے اسے بہت بڑی دھمکی دے رہی تھی، مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔

''جس سے چاہو، بات کر لو، میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔'' باہر نکلنے تک فارقلیط حسن کی آواز نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

☆☆☆

''تیمور!'' وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جب علیشہ نے اسے مخاطب کیا۔

''فروا نے مجھے ایک دربار کا بتایا تھا، وہاں منت مانگنے والوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔'' وہ پر یقین لہجے میں بولی تھی۔

''اچھا!'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''آپ مجھے وہاں لے جائیں پلیز۔'' وہ التجائیہ انداز میں کہنے لگی۔

''شیور، میں ابھی لے جاتا ہوں علیشہ۔''

اس نے علیشہ سے ایڈریس پوچھا اور گاڑی وہیں سے موڑ لی، انہیں دور سے ہی دربار کی سبز عمارت دکھائی دے گئی، ڈاکٹر تیمور عباس نے گاڑی پارک کی اور اسے ساتھ لئے آگے بڑھنے لگا۔

دربار کی عمارت میں قدم رکھتے ہی اسے ڈھیروں سکون و طمانیت کا احساس ہوا تھا۔

''اللہ!'' اس نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کیے تو دل بھرانے لگا، اور اس سے آگے وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی، زبان نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا، گویا قوت گویائی سلب ہو گئی۔

اسے آج پتا چلا تھا کہ اس کی تو کوئی اوقات ہی نہیں، سچے دل سے توبہ کی، اس کے سامنے اپنی خالی جھولی پھیلائی، تو دل بے چینی سے بھرنے لگا، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔

''اللہ!'' اس کے لب پھڑپھڑائے تھے۔

''میں بہت گناہگار ہوں...... میرے گناہوں کے بوجھ نے مجھے بہت...... کمزور...... کر دیا ہے...... مجھے تنہا نہ چھوڑنا...... میرے اللہ......'' وہ زمین پر گر پڑی تھی، وہ بھول چکی تھی کہ وہ یہاں کیا لینے آئی تھی، اللہ سے کیا مانگنے آئی تھی، یاد تھا تو فقط اتنا کہ وہ ایک گناہگار لڑکی ہے۔

''مجھے بخش دے، معاف کر دے یا اللہ!'' وہ زور زور سے رونے لگی تھی، کچھ فاصلے پہ کھڑا تیمور عباس دوڑ کر اس کے قریب آیا تھا، وہ اس کے

پاس زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

"علیشہ ڈارلنگ۔" اس نے اسے دونوں شانوں سے تھام لیا۔

"وہ میری بات نہیں سنتا، وہ مجھ سے ناراض ہے، اسے کہو صرف ایک بار میری بات سن لے۔" وہ اردگرد سے بےخبر بےگانہ ہو چکی تھی۔

"وہ...... تم سے ناراض نہیں ہے۔" تیمور عباس نے اس کے چہرے کو صاف کرتے ہوئے کہا اور اسے اوپر اٹھانا چاہا۔

"وہ ناراض ہے وہ نہیں مان رہا، میں اتنے سالوں سے اسے منانے کے لئے جتن کر رہی ہوں۔" لوگ اس کے اردگرد جمع ہو رہے تھے، تیمور عباس نے اسے اٹھانا چاہا۔

"میں مانتی ہوں میں بہت حقیر ہوں، میری کوئی اوقات نہیں...... میں...... میں......" اس نے زمین پر ہاتھ مارا، اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرنے لگی اور پھر اس کے ہاتھ ایک چھوٹی سی مٹی کی ٹھیکری لگ گئی۔

"میں...... اس...... سے بھی...... کم تر ہوں...... میں جانتی ہوں...... مگر تو، تو بہت بڑا ہے، تو تو سب جانتا ہے۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور تیمور عباس اسے سنبھالنے کی کوشش میں ناکام ہوا جا رہا تھا، کہ دفعتاً ہجوم کو چیر کر ایک بزرگ آگے بڑھے، سفید لباس، سفید داڑھی، ہاتھ میں تسبیح۔

"بس بیٹی!" انہوں نے علیشہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے پاس زمین پر بیٹھ گئے۔

"وہ تم سے محبت کرتا ہے، جتنی تم اس سے کرتی ہو، اس سے کہیں زیادہ۔" اس بزرگ کا نرم لہجہ گویا ساون کی پھوار تھی، نرم ٹھنڈی اور میٹھی، جو اس کے تڑپتے جلتے اور جھلستے وجود پر پڑ کر اسے سکون عطا کر رہی تھی۔

"مجھ...... سے؟" علیشہ نے بھاری آواز میں کہتے ہوئے اپنی جانب انگلی سے اشارہ کیا۔

"ہاں۔" بزرگ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں کیسے یقین کروں؟ میں تو بہت......" الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے تھے، سب لوگ آہستہ آہستہ وہاں سے چلے گئے تھے۔

"فکر، فکر اس کی محبت کی دلیل ہے، وہ جب کسی انسان سے محبت کرتا ہے تو اپنی فکر، اپنی ناراضی کا ڈر، اور گناہوں پر پچھتاوا اسے عطا کر دیتا ہے۔" علیشہ نا سمجھی کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"وہ مجھ سے ناراض ہے۔" اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔

"ناراض نہیں رہ سکے گا۔" وہ بزرگ ہولے سے مسکرائے۔

"ماں جب بچے کی کسی غلطی پر اس سے ناراض ہوتی ہے اور غصے میں، یا اسے سمجھانے کے لئے اسے تھپڑ مار کر بیٹھتی ہے تو پھر خود بچے سے زیادہ تڑپتی ہے اور کچھ ہی دیر میں بچے کو سینے سے لگا کر خوب پیار کرتی ہے اور اللہ تو بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔" وہ بزرگ اسے یقین دلانا چاہ رہے تھے، علیشہ کسی معصوم بچے کی طرح ان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

فارقلیط حسن پچھلے کئی گھنٹوں سے سمندر کنارے کھڑا تھا، بحر بیکراں کا بڑھتا ہوا شور اس کے اندر کے اضطراب کو مزید بڑھا رہا تھا، یہ فیصلہ اس کی مجبوری تھا، مگر اب اس کی روح تک اس کی اذیت اتر چکی تھی، وہ چاہ کر بھی اس اذیت سے چھٹکارا نہ پا سکتا تھا۔

"کاش میں اتنا مجبور نہ ہوتا۔" سمندر کے نیلے سینے پر تڑپتی لہروں پر ایک پرندہ گھائل ہو کر

گرا تھا، لمحوں میں لہروں نے اسے نگل لیا تھا، بالکل ویسے ہی جیسے ڈیڑھ سال پہلے اس کی خوشیوں، سکون اور اطمینان کو، اسے آج بھی وہ بھیانک رات یاد تھی، جرمنی کی وہ سیاہ رات۔

☆☆☆

فروا اور موسیٰ علی نے نویلہ اور زین کو ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا، نویلہ تو بہت خوش اور ایکسائیٹڈ تھی مگر زین ندیم تھوڑا ہچکچا رہا تھا، موسیٰ علی نے اسے شادی والے دن دیکھ کر پہچان لیا تھا، مگر زیادہ بات چیت نہ ہو سکی تھی۔

"آپ تو بہت بڑے آدمی بن گئے زین صاحب!" کھانا کھانے کے دوران موسیٰ علی ان سے ہلکی پھلکی گفتگو بھی کر رہا تھا، مگر زین ندیم خاصا سنجیدہ تھا۔

"ارے نہیں سر!" وہ لمحہ بھر کو مسکرایا۔

"اب سر تو نہیں کہو۔" موسیٰ علی نے منع کیا۔

"بھائی کہہ لو تو زیادہ اچھا لگے گا۔"

"جی بہتر!" زین ندیم نے اثبات میں سر ہلایا، فروا کو وہ کمفرٹیبل نہیں لگا تھا۔

"فروا آپا، مصعب کہاں ہے؟" نویلہ کو اس کی کمی بہت محسوس ہو رہی تھی۔

"مصعب اکیڈمی سے آ کر سو گیا تھا، میں نے جگایا نہیں، رات بھر پڑھتا رہا ہے۔" فروا نے بتایا، زین ندیم کی غیر ارادی نظر فروا کی جانب اٹھی تھی، وہ بھی اسے دیکھ رہی تھی، زین ندیم نگاہیں جھکا گیا۔

"نویلہ بیٹا ٹھیک سے کھانا کھاؤ۔" آنٹی نے اسے ٹوکا۔

"اور تم لوگ ثمینہ بہن کو کیوں نہیں لائے؟" پاپا نے سوال کیا۔

"ماما کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس لئے نہیں آ سکیں، ہم لوگوں نے تو آنے کے لئے بہت اصرار کیا تھا۔" جواب نویلہ نے دیا تھا۔

رخصت ہونے سے پہلے ان لوگوں نے نویلہ اور زین ندیم کو تحائف دیئے تھے۔

"آنٹی اب آپ لوگ ہمارے گھر آئیے گا۔" آتے ہوئے نویلہ نے ان سب کو دعوت دی تھی، زین ندیم البتہ خاموش رہا تھا۔

"زین بہت بدل گیا ہے؟" ان کے جانے کے بعد موسیٰ علی نے کہا۔

"اس کی نیچر بہت جولی تھی، ہنسنے ہنسانے والا، خوش اخلاق لڑکا۔"

"تب وہ ینگ تھا، اب میچور ہو گیا، کتنے سال پرانی تو بات ہے، جب آپ کے پاس جاب کرتا تھا۔" فروا نے کہا۔

"ہاں، یہ تو ہے۔" زین ندیم نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

زین ندیم گاڑی خود ڈرائیو کر رہا تھا، البتہ ان کے پیچھے گارڈز کی گاڑی آ رہی تھی۔

"آپ کچھ زیادہ ہی سنجیدہ نہیں بیٹھے تھے وہاں۔" نویلہ نے دل کی بات کہہ دی تھی۔

"نہیں، انسان کسی سے پہلی مرتبہ ملے تو اتنا ہی بول سکتا ہے نہ۔"

"مگر مجھے فروا آپی نے بتایا تھا کہ آپ موسیٰ بھائی کے آفس میں جاب کرتے رہے ہیں۔" اس کی بات پر وہ چونکا اور جلدی سے نویلہ کی جانب دیکھا۔

"اور کیا بتایا انہوں نے؟" سرسری انداز میں پوچھا۔

"اور یہ کہ آپ بہت جولی تھے، موسیٰ بھائی آپ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔" اس نے مزید بتایا تو زین ندیم کی جان میں جان آئی، ورنہ اس کے دل میں ڈر تھا کہ فروا اسے کچھ بتا نہ

دے اور وہ ایسا ہرگز نہ چاہتا تھا۔

☆☆☆

عروبہ غفنفر نے ڈیڈی سے بات کی تھی، انہوں نے فارقلیط حسن کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر بے سود۔

"ماما! آپ پاپا سے کیوں جھگڑ رہی تھیں؟" شہیر نے عروبہ سے دریافت کیا، جواب میں عروبہ نے اسے ساری بات بتا دی۔

"ماما جب ماہ وش ایسا چاہتی ہے تو آپ کو کیا اعتراض ہے، زندگی تو اس نے گزارنی ہے۔" شہیر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تم نہیں سمجھو گے شہیر۔" وہ ہر طرف سے ہار کر عیسیٰ احمد کی اکیڈمی چلی آئی، وہاں آ کر علم ہوا کہ وہ تو آیا ہی نہیں۔

وہ اس کے گھر کا ایڈریس معلوم کر کے وہاں آ گئی، وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"آپ جانتے ہیں آپ نے کتنا غلط فیصلہ کیا ہے۔" وہ اس سے لڑ رہی تھی، اس سے جھگڑ رہی تھی، اسے لعن طعن کر رہی تھی، مگر وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔

"مجھے لگا، آپ بھی ایسا ہی چاہتی ہیں۔" اس نے پہلی بار لب کھولے تھے۔

"میں ایسا کیوں چاہوں گی، ایک جھوٹے فریبی دھوکے باز اور بزدل شخص کو اپنی بیٹی کا لائف پارٹنر کیوں بنانا چاہوں گی؟" وہ پھٹ پڑی تھی، عیسیٰ احمد دم بخود سا بیٹھا تھا۔

"آپ کو میں ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی، آپ کو انکار کرنا ہوگا، آپ ابھی اسی وقت میرے سامنے فارقلیط حسن کو فون کریں اور اس رشتے سے انکار کریں۔" وہ اس کی بات پر تلخی سے مسکرایا تھا۔

"میں دوبارہ دھوکے باز اور بزدل نہیں کہلوانا چاہتا، میں زبان دے چکا ہوں، اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔" اس نے انکار کیا، عروبہ غفنفر کا غصہ ساتویں آسمان کو چھونے لگا۔

"ایسا کرو گے تو میں خود کو ختم کر لوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔

"آپ کو خوش ہونا چاہیے، آپ کی بیٹی اپنی محبت کو پانے جا رہی ہے۔" اس کی بات پر اس کا دل تھما تھا، عیسیٰ احمد اس کی بات کو اگنور کرتے ہوئے بولا۔

"ادنہہ ایکطرفہ، کھوکھلی محبت۔" عروبہ غفنفر نے طنز کا نشتر چھوڑا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں اسے خوش رکھوں گا، آپ کو کبھی شکایت نہ ہوگی۔" وہ اسے مطمئن کرنا چاہتا تھا۔

"تم نے مجھے چھوڑ کر مجھ پر اتنا ظلم نہیں کیا تھا، جتنا میری بیٹی کو اپنا کر کر رہے ہو، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، مجھے تم سے نفرت ہے عیسیٰ احمد۔" وہ روتی ہوئی وہاں سے گئی تھی اور وہ اسے روک نہ سکا تھا، روکتا بھی تو کیسے اور کس لئے، اب اس کا کیا فائدہ تھا، کیا حاصل ہونا تھا وہ کل بھی اس کے سامنے مجبور اور بے بس تھا اور آج بھی۔

☆☆☆

وہ اس کے لئے چائے بنوانے کے لئے کچن میں آ گئی تھی، وہ اس کا ہر کام اپنی نگرانی میں کروایا کرتی تھی اور فوراً اس کا شوہر گیسٹ روم کی جانب بڑھا تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے سلام کیا، وہ سامنے کھڑی ہوئی تھی، کسی بے جان مجسمے کی طرح، جس کا رنگ و روپ موسموں کی سختیوں سے کملا گیا تھا۔

"میں آپ کے گھر گیا تھا۔" وہ اس کی بات سن کر بے چینی سے پلٹی تھی۔

"میرے گھر؟" اس کے لب ہولے سے ہلے تھے، اس نے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"وہ وہاں نہیں تھے۔" وہ مزید گویا ہوا۔

"پھر میں ان کے آفس گیا، وہاں سے پتا چلا کہ وہ آج آفس بھی نہیں آئے۔"

"خدا خیر کرے۔" وہ دو قدم آگے آئی۔

"کہاں چلے گئے، وہ ٹھیک تو ہیں نہ؟" اسے تشویش ہونے لگی، وہ متفکر لہجے میں بولی۔

"آپ ابھی بھی ان کے لئے پریشان ہو رہی ہیں۔" وہ حیران ہوا تھا۔

"ان کی محبت میرے جسم میں خون بن کر دوڑ رہی ہے وہ چاہے مجھے جان سے بھی مار دیں، ان کا برا میں کبھی نہیں چاہ سکتی۔" وہ رشک سے اسے دیکھے گیا، اسے فارقلیط حسن کی خوش بختی پر رشک آیا تھا۔

"آپ فکر مت کریں، میں شام تک دوبارہ جاؤں گا ان کے پاس، وہ مل جائیں گے مجھے۔" انہیں تسلی دے کر وہ باہر نکل گیا، مگر وہ پریشان ہو گئی تھی، اسے اپنی تکلیف بھول گئی تھی، طرح طرح کے وہم ستانے لگے تھے۔

دوسری طرف کچن سے نکلی تو ماما کے کمرے سے اپنے شوہر کو نکلتے دیکھ کر ٹھٹکی، وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی۔

"کیا چاہتی ہیں آپ؟" وہ بدتمیزی سے بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ پہلے ہی پریشان تھی، اس کی بات سمجھ نہ سکی۔

"کچھ نہیں۔" وہ بولی۔

"جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔" وہ دھاڑی تو وہ سہم گئی۔

"میں...... چلی جاؤں...... گی۔" وہ شکستہ لہجے میں بولی۔

"آپ کو چلے ہی جانا چاہیے۔" وہ غصے سے پھنکارتے ہوئے باہر نکل گئی، اسے اب اپنا وہاں رکنا محال لگنے لگا تھا۔

"مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔" وہ خود کلامی انداز میں بڑبڑائی۔

"مگر کہاں؟" اگلے ہی لمحے اندر سے سوال اٹھا۔

☆☆☆

دلہن بن کر ماہ وش بہت حسین دکھائی دے رہی تھی، وہ کسی نوخیز کلی کی طرح دکھائی دیتی تھی، کم سن، معصوم اور حسین۔

عروبہ پر تو گویا قیامت ٹوٹ رہی تھی، جس شخص کا وہ نام لینے سے بھی گریزاں رہتی تھی، کبھی اس کا سامنا نہ کرنا چاہتی تھی، وہ شخص ہمیشہ کے لئے اس کے گھر میں گھس رہا تھا، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یہ سب کسی پلاننگ یا سازش کے تحت کر رہا تھا، فارقلیط حسن بہت خوش اور مطمئن تھا، شہیر بھی بہن کو چھیڑ رہا تھا، حسن بہزاد بالکل خاموش اور لاتعلق نظر آتے تھے اور عروبہ پر تو گویا صدمے کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

"بارات آ گئی۔" کسی نے زور سے کہا، عروبہ غفنفر نے مڑ کر دیکھا، عیسیٰ احمد چند دوستوں اور ان کی بیگمات کے ہمراہ آیا تھا، اس کے ددھیال کے کچھ رشتہ دار ساتھ تھے، فارقلیط حسن نے عروبہ غفنفر کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھا اور آگے بڑھ کر ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے۔

عیسیٰ احمد نے بغور ان دونوں کو دیکھا اور آگے بڑھنے لگا، عروبہ غفنفر نے فارقلیط حسن کے ہاتھ ہٹا دیئے۔

فارقلیط حسن آگے بڑھا اور خوشدلی سے

عیسٰی احمد کا استقبال کیا، مگر اس کا انداز لیا دیا تھا۔

"برسوں پہلے جب تم میرے گھر سے جا رہے تھے تو آئی سوئیر مجھے اندازہ نہ تھا کہ کبھی اس حوالے سے بھی تم سے ملوں گا، مگر زندگی اسی کا نام ہے یار۔" فارقلیط حسن نے اسے گلے لگایا، وہ تو بس عروبہ غضنفر کو دیکھے جا رہا تھا۔

"اب تو تم مجھے بہت عزیز ہو گئے ہو، میرے داماد بن گئے ہو نہ۔" نا جانے وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا یا اپنا، عیسٰی احمد سمجھ نہ سکا، عروبہ غضنفر دزدیدہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی، یہ سب اس کے لئے کسی خواب کی طرح تھا، انوکھا اور بھیانک خواب۔

فارقلیط حسن خود اسے اسٹیج تک لایا تھا اور پھر ماہ وش کو اس کے برابر لا کر بٹھا دیا گیا تھا، نکاح ہونے لگا تھا۔

"آپ بے فکر رہیں، میری ماما، صوفیہ آنٹی کو رضا مند کر لیں گی۔" وقت نے اسے برسوں پرانے واقعات ایک مرتبہ پھر دکھانے شروع کر دیئے تھے۔

"آپ کتنی ان رومانٹک ہیں۔" شوخ و شریر لہجہ۔

"میں چائے بہت اچھی بناتا ہوں۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"آپ بہت معصوم ہیں عروبہ۔" آوازیں گڈمڈ ہونے لگی تھیں۔

"میں آپ کو چھوڑ کر بھاگا نہیں تھا۔" عیسٰی احمد نے اچانک نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا، وہ بھی اسی کو دیکھ رہی تھی، فارقلیط حسن نے اس کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھے، مگر اب نہ تو یہ لمس اسے مہربان لگتا تھا، نہ ہی نرم اور ہمدرد۔

"نکاح کروائیں مولوی صاحب۔" ماہ وش کا دل اتھل پتھل ہونے لگا، جبکہ عیسٰی احمد کے اندر موت کا سناٹا اترنے لگا تھا، اس کا جی چاہا اٹھ کر بھاگ جائے، مگر اس بار وہ ایسا نہ کر سکتا تھا۔

☆☆☆

نکاح ہو گیا اور پھر کھانا سرد کیا جانے لگا، پورے لان میں اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو پھیل چکی تھی، ماہ وش بے حد خوش تھی، وہ ہنس ہنس کر اپنی فرینڈز سے باتیں کر رہی تھی، پورے لان میں گھوم پھر رہی تھی، مگر عیسٰی احمد نے اس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

"بڑے ڈرامائی انداز سے تم نے شادی کی سر سے۔" اس کی دوست ٹینا بولی، جواب میں ماہ وش زور سے ہنسی اور اس کی ہنسی، عیسٰی احمد کے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہی تھی، اسے اس لڑکی سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

جس نے اس کے ساتھ ساتھ عروبہ غضنفر کو بھی بے بس کر دیا تھا، مہمانوں نے کھانا کھایا تھا، عیسٰی احمد نے برائے نام کھانا کھایا تھا، اس کا سرد و سپاٹ انداز فارقلیط حسن کو تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔

"ٹھیک سے کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟" بالآخر فارقلیط حسن اس کے پاس آیا۔

"میں مر نہیں جاؤں گا، آپ بے فکر رہیں۔" وہ تلخ ہوا۔

"خدا نہ کرے۔" بے اختیار فارقلیط حسن کے منہ سے نکلا۔

"آپ بہت Selfish ہیں۔" وہ کہہ گیا۔

"میں جو بھی ہوں اس کو چھوڑو، میری بیٹی بہت معصوم اور اچھے دل کی مالک ہے، اسے دکھ نہ دینا۔" وہ متفکر تھا۔

"آپ نے جتنا مجبور کرنا تھا کر لیا، اب جیسے میرا دل چاہے گا کروں گا۔" فارقلیط حسن اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

نویلہ ہاسپٹل سے واپسی پر پاپا کے گھر آ گئی تھی، آج علیشہ واپس اسلام آباد جا رہی تھی، اس نے کہا تھا کہ وہ ادھر آ جائے، وہ سب لاؤنج میں بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے، علیشہ کافی کمزور ہو گئی تھی، تیمور عباس اسے بے حد چاہتا، اس کا خیال رکھتا، مگر اس کے دل میں جو اولاد کی خواہش تھی حسرت بن کر اسے چاٹ رہی تھی۔

"نویلہ تم اور زین بھائی کبھی چکر لگاؤ نہ ہماری طرف۔" علیشہ نے کہا۔

"ہاں کوشش کریں گے۔" نویلہ نے کہا۔

"میرے پاس تم لوگوں کے لئے ایک خبر ہے۔" صوفیہ نے دونوں بیٹیوں کو بتاتے ہوئے غضنفر علی کی طرف دیکھا۔

"کیا ماما؟" نویلہ نے استفہامیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

"عروبہ نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔" غضنفر علی خاموش بیٹھے تھے، انہوں نے کوئی بات نہ کی، نہ ہی ان کی جانب دیکھا۔

"اور یہ پتا ہے کس کے ساتھ کی؟" وہ تجسس پھیلاتے ہوئے بولیں۔

"کس سے ماما؟" علیشہ نے پوچھا۔

"عیسٰی احمد سے۔" غضنفر علی نے تیر کی سی تیزی سے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا تھا۔

"مجھے جھٹلاتے رہے آپ سب، مگر دیکھ لو، محبت کی جس داستان کو عروبہ نے ادھورا چھوڑا، اس کی بیٹی نے اس کو مکمل کر دیا۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولیں۔

"خدا غارت کرے اس کو، میری نویلہ کو کیسا دکھ دیا، اسے طلاق دے کر بھاگا، تو خود در در کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔" وہ پھنکاریں۔

"آخر کو عروبہ کا داماد بن گیا۔" وہ ہنسیں۔

"ماما!" نویلہ احتجاجاً بولی۔

"دوبارہ یہ بات منہ سے مت نکالئے گا۔" وہ برا مان گئی تھی۔

کچھ ہی دیر تک زین ندیم اسے لینے آ گیا تھا، وہ پہلے سے ہی تیار تھی۔

غضنفر علی گھر سے باہر چلے گئے تھے، انہوں نے کوئی بات نہ کی تھی۔

"ماما! پاپا کے سامنے ایسی بات مت کیا کریں جو انہیں تکلیف دے۔" علیشہ نے کہا۔

"بس باپ کی ہمدرد بن جاؤ دونوں، میں تو دشمن ہوں۔" وہ برا مان گئیں۔

نویلہ چلی گئی تھی، زین ندیم بہت خاموش بیٹھا تھا، نویلہ نے بھی نوٹ نہ کیا، وہ عیسٰی احمد کے متعلق سوچ رہی تھی۔

"ڈرائیور!" زین ندیم کی آواز سے اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔

"گاڑی روکو۔" زین ندیم نے تحکم بھرے لہجے میں کہا، گاڑی رک گئی۔

"آپ ٹیکسی پکڑ لیں، ہم ابھی کہیں جا رہے ہیں گاڑی میں خود ڈرائیو کروں گا۔" عروبہ غضنفر کو اس کا انداز مشکوک سا لگا۔

"آگے آ جاؤ۔" زین ندیم ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا، اسے بھی آگے بلایا۔

"کیا ہوا، کہاں جانا ہے؟" نویلہ اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"عیسٰی احمد کون ہے؟" اس کے سوال پر نویلہ کو ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا ہو جیسے، گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی، خوف کے مارے نویلہ کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میرا...... کزن۔" اس نے تھوک نگلا۔

"صرف کزن؟" زین ندیم اسے چبھتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوال کر رہا تھا۔

''اس کے علاوہ بھی تو ایک اور رشتہ تھا، وہ بھی تو بتاؤ۔'' نویلہ گنگ بیٹھی، اسے دیکھ رہی تھی، زین ندیم کے تیور بہت خطرناک تھے،نویلہ کی حالت ایسی تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، زین کی باتوں سے اسے پتا چلا کہ وہ اس کے ماضی سے ناواقف ہے، جبکہ ماما نے اسے یہ بتایا تھا کہ انہوں نے زین کی ماما کو سب کچھ سچ بتایا ہے، ایک نئی آزمائش اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

عروبہ غضنفر، ماہ وش کی رخصتی کے بعد اپنے روم میں نہیں آئی تھی، فارقلیط حسن اس کا انتظار کرتا رہا اور بالآخر اسے تلاش کرنے روم سے نکلا، اسے وہ ماہ وش کے روم میں روتی ہوئی ملی تھی۔

''دنیا میں سب سے زیادہ جو چیز مجھے تکلیف دیتی ہے، وہ تمہارے آنسو ہیں مسز۔'' اس کے عقب میں کھڑے ہو کر بازو اس کے گرد حمائل کرتے ہوئے، اس کا رخ اپنی جانب موڑا اور اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

''جھوٹ بولتے ہیں آپ۔'' اس نے فارقلیط حسن کے ہاتھ بری طرح جھٹکے، وہ بے یقین تھا، عروبہ غضنفر نے اس سے اس طرح سے تو کبھی بات نہ کی تھی۔

''آپ جتنی تکلیف مجھے دے سکتے تھے، دے چکے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے آپ، اچھا بدلہ لیا ہے آپ نے۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''غلطی میری ہے، میں نے آپ پر اعتبار کیوں کیا، آپ کو اپنا سب کچھ کیوں سمجھا۔'' وہ اس کے الفاظ اور لہجے کی تلخی کو خاموشی سے سہہ رہا تھا۔

''آؤ اپنے کمرے میں چلتے ہیں، وہاں چل کر رو لینا۔'' فارقلیط حسن نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ اس سے دور جا کھڑی ہوئی۔

''نہیں جانا مجھے وہاں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''دیکھنا ایک وقت آئے گا تم بھی میرے اس فیصلے کو سراہو گی۔'' فارقلیط حسن نا جانے اسے کیا سمجھانا چاہتا تھا، وہ اس وقت کچھ بھی سمجھنے کے موڈ میں نہ تھی۔

''آپ جائیں پلیز۔'' وہ اس کے ساتھ جانے کے لئے بالکل بھی آمادہ نہ تھی۔

''میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ کہہ کر واپس پلٹ گیا تھا۔

عروبہ غضنفر روم میں نہیں گئی تھی، تمام رات وہ روتی رہی تھی، فارقلیط حسن کے فیصلے اور اس کی بیٹی کی پسند نے اسے سخت تکلیف پہنچائی تھی۔

حسن بہزاد اگلے روز واپس چلے گئے تھے، فارقلیط حسن ان دو لوگوں کو ناراض کر چکا تھا جنہیں وہ بے حد چاہتا تھا، مگر وہ لاپرواہ دکھائی دیتا تھا۔

☆☆☆

ماہ وش اس کی منتظر بیٹھی تھی، مگر وہ اس کے وجود سے قطعاً انجان بنا اتنی ٹھنڈ میں ٹیرس پر کھڑا نیلے امبر کی سیاہیوں پر غور کر رہا تھا، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے اپنی بہت قیمتی متاع کھو دی ہو اور ایسا ہی تو ہوا تھا، وہ جس کی یاد دل کو سینے سے لگائے زندگی بسر کر رہا تھا، اس سے ایک عجیب سا رشتہ جڑ گیا تھا۔

''اے محبت! تیرے انجام پر رونا آیا۔'' اس نے ایک سرد آہ بھری، ریلنگ پر ہاتھ جمائے وہ آسمان کی وسعتوں میں کھویا ہوا تھا، دفعتاً اسے اپنے شانے پر کسی کا اجنبی لمس محسوس ہوا تھا، مگر اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔

''یہاں بہت سردی ہے اندر آ جائیں۔'' وہ اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی تھی، عیسیٰ احمد نے اس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

''موسم کی سختیاں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔'' وہ نگاہیں سامنے جمائے کھڑا تھا، ماہ وش کے دل نے شدت سے خواہش کی کہ وہ اسے دیکھے، اسے سراہے، مگر وہ ابھی کم عمر اور نادان تھی، ابھی تو اس نے محبت کی خاردار وادی میں قدم رکھا تھا، اسے ہر طرف پھول ہی پھول کھلتے نظر آ رہے تھے، مگر وہ نہ جانتی تھی کہ ان پھولوں سے اپنا دامن بھرنے کی خواہش کرنے والوں کے ہاتھ کانٹوں سے لہولہان ہوتے ہیں، محبت کے پھول دل میں کھلانے کے لئے پہلے سخت کانٹوں کی چبھن سہنی پڑتی ہے۔

''کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' اس کا انداز گفتگو، اسے نظر انداز کرنا ماہ وش سے برداشت نہ ہو رہا تھا، وہ بے چینی سے گویا ہوئی۔

''نہیں۔'' اس نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

''تو پھر مجھے اس طرح اگنور کیوں کر رہے ہیں؟'' اس نے عیسیٰ احمد کے بازوؤں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔

''کسی کا وجود حاصل کرنا شاید بہت آسان ہے، مگر دل نہیں۔'' اس نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر ماہ وش کو دیکھا تھا، مگر نہ تو اس کے دل میں کوئی خواہش جاگی، نہ ہی اس کا حسن اور یہ روشن چہرہ اس کے دل کو مسخر کر سکا۔

''آپ مجھ سے بدلہ لیں گے؟'' اس کے تاثرات ماہ وش کو ہلا گئے تھے۔

''نہیں۔'' اس نے سر کو نفی میں ہلایا، چند ثانیے وہ اسے بغور دیکھتا رہا، سرد اور سپاٹ نگاہوں سے۔

''جس طرح آپ میرے کہنے سے پیچھے نہیں ہٹی تھیں، اسی طرح میں آپ کے چاہنے سے آپ کے قریب نہیں ہو سکتا۔'' اس کے لہجے میں موسم سے زیادہ سختی تھی، وہ پلٹا کمرے میں داخل ہوا اور پھر باہر نکل کر سیڑھیاں اترنے لگا، ریلنگ پر ہاتھ رکھے پتھر کا بت بنے وہ اسے جاتے ہوئے بے بسی سے دیکھتی رہی۔

(جاری ہے)

زندگی مسکرانے لگی

سعدیہ عابد

''السلام علیکم! ماما کیسی ہیں آپ؟'' جیسے ہی رابطہ ہوا اس نے سلامتی بھیج کر ماں کی خیریت پوچھی۔

''وعلیکم السلام، میں ٹھیک ہوں، تم بتاؤ تمہاری فلائٹ کب کی ہے؟'' ان کا لہجہ ممتا سے چور تھا، ضوریز علی خان نے واپسی کی تاریخ اور وقت بتایا جبکہ اس کی آخری بات مسز علی خان کو پریشان کر گئی۔

''لیکن ضوریز! اس کے لئے کوئی بھی راضی نہیں ہوگا، اپنے دادا جان اور تایا جان کے مزاج کو تو تم جانتے ہونا؟ وہ اس بات کے لئے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔'' وہ پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔

''ماما! اندازہ ہے مجھے لیکن میں حمائل کو منع

ناولٹ

نہیں کرسکتا، پاپا سے بات کر چکا ہوں، وہ کہہ رہے تھے کہ دادا جان کو وہ سمجھا لیں گے۔'' اس نے پہلے۔بات باپ سے کی تھی کہ ماں کی جلد پریشان ہونے والی فطرت سے واقف تھا۔

''کیا احراز نے تمہیں اجازت دے دی ہے؟'' ان کی پریشانی پر حیرت غالب آ گئی اور اس کے مثبت جواب پر وہ قدرے غصہ میں آ گئیں۔

''ماما! آپ غصہ کیوں ہو رہی ہیں؟'' وہ ماں کے تیز لہجے سے خائف ہو کر بولا۔

''اس لئے کہ تم لوگ لینے کو فیصلے تو لے لیتے ہو مگر سب کا عتاب نازل مجھ پر ہی ہوتا ہے، تمہارے دادا اور تایا کو جواب مجھے دینا پڑے گا، تمہاری تائی کی صلوتیں سننی پڑیں گی کہ میں نے کیسی پرورش کی ہے؟ ایک مسئلہ نہیں ہوگا۔'' وہ



[illegible] کی ٹینشن کا سبب سمجھ گیا تھا اس لئے [illegible]
بولنے لگا۔

''ماما! آپ پریشان نہ ہوں سب کو میں ہینڈل کر لوں گا، حمائل میرا دوست ہے، میں اسے جانتا ہوں، اس کی گارنٹی دے سکتا ہوں، اب میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ بے سوچے سمجھے کسی کو بھی اپنے گھر لے آؤں۔'' وہ ماں کو نرمی سے قائل کر لینا چاہتا تھا۔

''تمہارے خاندان والوں کو کنزرویٹو سوچ اور روایات الگ یہ سب مجھے بھی مناسب نہیں لگ رہا کہ ایک غیر لڑکا ہمارے گھر آ کر رہے۔'' [illegible] سے بولیں۔

''ماما! حمائل میرا دوست ہے وہ میرے ساتھ پاکستان آ رہا ہے اور ہمارے گھر ٹھہرے گا، [illegible] کوئی اعتراض ہے تو آپ بابا سے بات کر لیں۔'' اس نے قدرے ناراضگی سے رابطہ منقطع کر دیا اور اپنے لاڈلے بیٹے کی ناراضگی کے خیال سے ہی وہ اپنے اندر اضطراب محسوس کرنے لگیں۔

☆☆☆

ساویز علی خان کے دو بیٹے تھے، بڑے بیٹے کا نام شاویز علی خان اور چھوٹے بیٹے کا نام احراز [illegible] خان تھا، ساویز علی خان بہت سخت طبیعت کے [illegible] تھے، عورت کی آزادی کے قائل ہی نہ تھے [illegible] انہیں ان کی قدامت پسندی کا شکار ہوئیں، [illegible] اور اکلوتی بیٹی، جو 22 برس کی عمر میں ہی ٹریفک حادثے میں موت کا شکار ہو گئی، بہوئیں ان کی تنقید کا نشانہ زیادہ نہیں بنی کہ وہ دوسرے [illegible] ان کے لئے پر شاویز [illegible] خان نے اپنی مرضی کے پہرے بٹھائے ہوئے تھے، شاویز علی خان کے دو بیٹے اور بیٹی تھی جبکہ احراز علی خان کا ایک بیٹا اور ایک ہی بیٹی تھی۔

شاویز [illegible] جبکہ احراز علی خان باپ اور بھائی کی قدامت پسندی سے نالاں مگر وہ کبھی کچھ کر نہیں سکے کیونکہ شاویز علی خان چاہے رہتے بڑے بیٹے کے پورشن میں ہوں مگر ان کے گھر میں بھی اصول ان کے ہی بتائے ہوئے چلتے تھے اسی لئے وہ بہت چاہ کر بھی اپنی لاڈلی بیٹی انعمتہ علی خان کو میٹرک سے آگے پڑھا نہیں سکے تھے ساویز علی خان کا بڑا بیٹا تمریز علی خان باپ کا پرتو تھا جس کا نکاح دو سال قبل انعمتہ سے ہو گیا تھا اور انعمتہ [illegible] جبکہ ثمرین ان دونوں سے دو سال [illegible] اس کی بات ضوریز خان سے [illegible] اپنے ماحول سے بہت گھٹن [illegible] پڑھنے اور ڈاکٹر بننے کا جنون کی حد تک شوق تھا مگر وہ بھی میٹرک کے آگے [illegible] بات تھی کہ اس نے ہاتھ پیر بہت مارے تھے مگر اس کی حمایت کرنے والا کوئی تھا نہیں اس لئے اسے ہتھیار پھینکنے پڑے تھے [illegible] خواہش آج بھی اسے تنگ کرتی تھی وہ گھر والوں سے خائف تھی اور ضوریز علی خان سے اسی لئے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی [illegible] وہ اپنے گھر کے ماحول سے گریزاں یہاں سے فرار حاصل کرنا چاہتی تھی، ضوریز علی خان ہائیر ایجوکیشن کے لئے لندن گیا تھا اور چار سال بعد اس کی واپسی ہو رہی تھی مگر وہ اپنے ساتھ دوست کو بھی لا رہا تھا اور یہ بات کافی پریشان کن تھی، مگر اس کا موقف بھی کچھ غلط نہیں تھا کہ وہ اپنے دوست کو منع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ حمائل کے ساتھ مل کر بزنس کرنا چاہتا تھا حمائل کے والدین پاکستانی تھے مگر ساری زندگی رہے لندن میں، وہ وہیں پیدا ہوا، اب وہ اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان شفٹ ہونا چاہتا تھا اس لئے اس نے ضوریز سے بات کی تھی ضوریز

نے اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ وہ گھر لینے سے بزنس سیٹ ہونے تک اس کا ساتھ دے گا تو اب کیسے پیچھے ہٹ سکتا تھا؟ اس نے باپ کو راضی کر لیا تھا اور آگے کا اور باقی لوگوں کے جانے یا نا ماننے کا وہ سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ دادا کی سوچ ان کے عمل و اصولوں سے ساری زندگی ہی خائف رہا تھا مگر باپ خاموش تھا تو وہ بول نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ اسے بھی خاموش کروا دیتے تھے۔

☆☆☆

''آپ کو آخر ہو کیا گیا ہے احراز، کیا آپ بابا جان کے غصے سے واقف نہیں ہیں، وہ اس بات کو ہرگز بھی پسند نہیں کریں گے۔'' وہ خائف سی بہت [illegible] رہی تھیں۔

''آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں آمنہ؟ بابا جان سے میں بات کر لوں گا، ضوریز اگر اس کو لا رہا ہے تو کچھ سوچ کر ہی لا رہا ہوگا۔'' وہ اپنے ازلی نرم لہجے میں بولے تھے۔

''ضوریز کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور کوئی بات نہیں ہے اور آپ اسے سمجھانے کی بجائے اس کی حمایت میں لگے ہیں، میں آپ سے صاف کہہ دیتی ہوں احراز، اس معاملے میں بالکل خلاف ہوں، مجھ پر کسی قسم کی بات نہیں آنی چاہیے۔'' وہ سسر اور جیٹھ کے غصہ اور سخت مزاجی سے نالاں ہی نہیں رہتی تھیں بلکہ ڈرتی بھی بہت تھیں اور وہ بیوی کی شکل دیکھ کر بے ساختہ ہنستے چلے گئے اور ان کا ہنسنا گویا ان کے غصہ کو ہوا دے گیا۔

''آپ جتنا ہنس رہے ہیں ہنس لیں، جب آپ کی اور آپ کے لاڈلے کی وجہ سے، ہم سب پر بابا جان کا عتاب نازل ہوگا تب پوچھوں گی کتنی ہنسی آتی ہے۔'' وہ جلے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھیں اور انہیں لامحالہ سنجیدہ ہونا پڑا۔

''آپ بابا جان سے کچھ زیادہ ہی ڈرتی ہیں، اب وہ اتنے بھی سخت گیر نہیں۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی باپ کی حمایت کر گئے میں بابا جان سے ڈرتی ہوں یہ ایک اٹل حقیقت ہے مگر میں ان کی عزت زیادہ کرتی ہوں اور جب ہمیں پتہ ہے کہ یہ بات انہیں پسند نہیں آئے گی تو ہم ایسا کام کریں ہی کیوں؟ اور جبکہ یہ بات تو مجھے بھی غیر مناسب لگ رہی ہے۔'' ان کے لہجے میں ساویز علی خان کے لئے احترام در آیا تھا۔

''آپ کی ہر بات درست ہے میں نے ضوریز خان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہ صرف بضد ہو گیا یار ایک مہینے کی تو بات ہے میں بابا جان سے بات کر کے ان کو راضی کرا دوں گا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

''اور وہ جو نہیں مانے تو؟''

''کوشش تو کی جا سکتی ہے کہ اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔''

''کیسے نہیں ہے؟ گھر میں جوان بچی موجود ہے، وہ لڑکا نہ جانے کس عادت مزاج کا ہو۔'' ایک خدشہ تھوڑی تھا، انہیں ہزار خدشے منہ پھاڑے ان کے سامنے منڈلا رہے تھے۔

''میری بات لکھ لیں، بابا جان بھی اسی پہلو کو وجہ اعتراض بنا کر انکار کر دیں گے اور میں ان کے ساتھ جا کھڑی ہوں گی۔'' انہوں نے دھمکی لگائی۔

''آپ کو اچھی بہو بننے کا، خبط ہو چلا ہے۔'' انہوں نے بیوی کو چھیڑا وہ انہیں محض گھور کر رہ گئیں۔

''فضول بات نہ کریں، بات اتنی عام و معمولی نہیں ہے کہ آپ اس کی گمبھیرتا کو سوچیں بھی نا۔'' ان کی خفگی بڑھی تھی۔

''یار اس پہلو پر سوچتے ہوئے میں نے بھی ضوریز کو سمجھانا چاہا تھا مگر اس نے مجبوری ظاہر

کر کے بابا جان کو سمجھانے کی التجا کر ڈالی، میں خود پریشان ہوں، آپ کوئی مشورہ دیجئے کہ بابا جان کے اعتراض اٹھانے سے پہلے ہم کوئی حل نکال لیں اس کے بعد بابا جان سے بات کروں گا، وہ مان گئے تو ٹھیک، ورنہ ضوریز کو ہی سمجھاؤں گا کہ وہ دوست سے معذرت کر لے۔"
وہ گہری سنجیدگی سے بول رہے تھے اور شوہر کو متفکر پا کہ وہ اپنا غصہ و خفگی بھول گئیں اور کچھ سوچنے کے بعد بولیں۔

"انعمتہ کو آپا کافی عرصے سے اپنے پاس بلا رہی ہیں ہم اسے اسلام آباد بھیج دیتے ہیں۔" وہ پہلے تو حیران ہوئے اور پھر ان کی تجویز پر غور کیا۔

"تو یہی حل سامنے رکھ دیں گے۔" وہ دونوں ہی قدرے سکون محسوس کرنے لگے اور ان لوگوں کی سوچ کے مطابق ساویز علی خان نے اعتراضات کے انبار لگا دیئے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے، گھر میں بچیاں ہیں، ایسے کسی بھی ایرے غیرے شخص کو اپنے گھر بلا کر بٹھا لیں؟" شاویز علی خان کا سخت لہجہ کمرے کی خاموش فضا میں گونجا۔

"بابا جان! وہ ضوریز کا دوست ہے، چار سالوں سے وہ اسے جانتا ہے۔" وہ آہستگی سے بولے۔

"[illegible] ہوگا، ہم تو نہیں جانتے اور یاد رکھو اچھائی سامنے آتے دیر نہیں لگتی اور برائی بدنیتی و بدفطرت سامنے آنے میں عمر گزر جاتی ہے، اس لئے ہم ایسے کسی بھی شخص پر بھروسہ کر کے اسے اپنے گھر تک آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹ چکے تھے۔

"بابا جان آپ کی ہر بات درست ہے، لیکن ضوریز اس لڑکے سے وعدہ کر چکا ہے۔"

"ضوریز کو ہمارے گھر کی روایات کا نہیں پتہ جو اس نے وعدہ کر لیا۔" وہ غصے سے بولے۔

"بابا جان ضوریز سے اس کے دوست نے لیا تو وہ انکار نہیں کر سکا، لیکن آپ کو اعتراض ہے تو میں اسے منع کر دوں گا۔"

"ضوریز کا دوست ہمارے گھر نہیں آئے گا، ضوریز کا وعدہ آپ کے حکم سے بڑھ کر نہیں ہے۔" ان کے انداز میں غیر معمولی سنجیدگی تھی۔

"ضوریز سے کہو کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے، مگر اسے سمجھا دینا کہ وہ آئندہ کسی سے بھی وعدہ کرتے وقت دھیان رکھے ہم بار بار اس کے وعدے پورے کرنے کو اپنی روایات اور اصولوں کے خلاف نہیں جائیں گے۔" یکا یک مانتے ہوئے انہوں نے بہت سختی سے کہا اور وہ سب ان کے مان جانے پر متحیر رہ گئے۔

"بابا جان! میں جانتا ہوں ایسا آپ صرف ضوریز کے وعدے کے سبب کر رہے ہیں لیکن انعمتہ کے بارے میں سوچیں ایک غیر محرم کا گھر آ کر ٹھہرنا ہرگز بھی مناسب نہیں رہے گا۔" شاویز علی خان نے اعتراض کا پہلو بڑی سرعت سے اٹھایا۔

"ہم ضوریز کی واپسی کے منتظر تھے تاکہ اس کی اور ثمرین بیٹی کی اور تمریز کی انعمتہ سے شادی کر دیں مگر اب وہ دوست کا دم چھلا ساتھ لگا کر لا رہا ہے، اس لئے انعمتہ کی رخصتی اس کے آنے سے پہلے ہو گی اور اس کی شادی بعد میں دیکھی جائے گی۔" انہوں نے مان جانے کے پیچھے کی سوچ بیان کی ان میں سے کسی کو بھی اعتراض تھا بھی تو سامنے نہیں آیا اور ساری تیاریاں تو مکمل ہی تھیں سادگی سے انعمتہ کو تمریز علی خان کے ساتھ رخصت کر دیا بھائی کی غیر موجودگی انعمتہ کے لئے تکلیف کا باعث تھی لیکن جیسے اس نے دادا کے ہزار فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کیا تھا

یہاں بھی جھک گئی تھی، ضوریز اپنے دوست کے ساتھ ولیمہ کی شام لوٹا تھا، ولیمہ کی تقریب کا اہتمام علی خان ہاؤس میں ہی کیا گیا تھا، اس نے اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیا تھا مگر شاویز علی خان اس کی ناراضگی کو خاطر میں ہی نہیں لائے تھے اور اس کی اور ثمرین کی باقاعدہ منگنی کر دی گئی تھی، وہ اس سب پر ناراض تھا اور وہ ناخوش تھی کتنا ہی وہ رو چکی تھی مگر نصیب کی سیاہی آنسوؤں سے نہیں دھلا کرتی اس لئے اسے رو دھو کہ چپ ہو ہی جانا تھا وہ چاہ کر بھی دادا کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتی تھی اور وہ قفس زدہ زندگی کو مزید قفس میں گزارنے کے احساس سے اندر ہی اندر مر رہی تھی۔

☆☆☆

"پپا! میں یہاں آ کر خوش ہوں ضوریز کی پوری فیملی بہت اچھی ہے بٹ پپا، اس کے دادا کافی سخت گیر طبیعت کے حامل ہیں علی خان ہاؤس کے دونوں پورشنز میں ان کا حکم چلتا ہے مگر پپا وہ مجھے کچھ غلط بھی لگتے ہیں اپنے فیصلے اور بات کے آگے کسی کی نہیں سنتے اور پپا ضوریز کی کزنز اور سسٹر وہ گھر سے ہی نہیں نکلتیں، اس دور میں بھی ضوریز کے دادا خواتین کی تعلیم اور آزادی کے خلاف ہیں۔" حمائل آفریدی اسکائپ پر اپنے پپا سے بات کر رہا تھا وہ پاکستان پہلی دفعہ آیا تھا، حماد آفریدی کئی سالوں سے لندن میں مقیم تھے، ان کی بیوی آسیہ آفریدی کنورٹڈ مسلم تھیں، آسیہ کی پوری فیملی لندن میں ہی تھی مگر جب انہوں نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا سب کا ساتھ چھوٹ گیا تھا رہ گئے حماد آفریدی کے گھر والے تو ان کے صرف والدین تھے جو بیٹے کی واپسی کی آس لگائے لگائے ہی مالک حقیقی سے جا ملے تھے، پاکستان واپسی کا ان کا ارادہ ہی نہ تھا لیکن حمائل آفریدی کو پاکستان دیکھنے کا شوق ہو گیا تھا اور اسی شوق کی خاطر اس نے ضوریز علی خان سے پاکستان چلنے کی بات کی تھی اور وہ اسے اس لئے انکار نہیں کر سکا تھا کیونکہ وہ پاکستان دیکھنا چاہتا تھا دو ماہ میں اس کو پاکستان اچھا لگتا تو اس نے پاکستان شفٹ ہونے کی کوشش کرنی تھی اور وہ ایسا کسی ہیلپ کے بغیر نہیں کر سکتا تھا اس لئے ضوریز نے اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔

حمائل ایک آرگنائزڈ سسٹم میں رہ کر آیا تھا، اس لئے یہاں بے ترتیبی اسے بے سکون کر رہی تھی وہ پندرہ دن میں ہی گھبرانے لگا تھا اور یہاں سیٹ ہو جانے، گھر لینے اور ضوریز کے ساتھ مل کر بزنس شروع کرنے کی پلاننگ خاک ہونے لگی تھی پاکستان اب کافی ترقی کر گیا ہے مگر اب بھی اگر اس کا شمار ترقی پذیر ممالک کی صف میں ہوتا ہے تو اس کا سبب ایسی ہی سوچ کا کارفرما ہونا ہے پوری دنیا میں عورت مرد کے شانہ بہ شانہ ترقی کی راہ میں دوڑ لگا رہی ہے اور پاکستان میں آج بھی عورت کو پردے میں رکھنا اس کی آزادی سلب کرنا عام سی بات ہے، وہ گہرے طنز سے بولے تھے کہ پینتیس سالوں میں ان کی سوچ نہ صرف بدلی تھی بلکہ مادیت پسند اور مغربیت کا رنگ بھی چڑھ گیا تھا، پپا پردے کی جہاں تک بات ہے یہ کافی اچھی اور پسندیدہ بات ہے کہ عورت ڈھکی چھپی ہی اچھی لگتی ہے یہاں پر عورت کا اچھے مہذب لباس میں خود کو چھپا کر نکلنا میری نگاہ و ذہن میں کافی مثبت اثر چھوڑ گیا ہے کہ ایک ایسی عورت جو خود کو نمایاں کرے اس کی عزت کرنے کو ذہن و دل تو دور کی بات ہے نگاہ تک احترام کی طرف مائل نہیں ہوئی اور ایسی عورت جس کے لباس اس کے انداز و چال ڈھال میں شائستگی حیا

دشرافت ہو ذہن و دل سے پہلے ہی نگاہ احتراماً جھک جاتی ہے یہاں آ کر کافی مثبت چیزیں محسوس کی ہیں میں نے اور جو منفی عوامل کارفرما ہیں اس میں لوگوں کی دقیانوسی سوچ بدلنے کی لگن کی کمی کا ہاتھ ہے جو جیسا ہے چلنے دو، یہ سوچ یہاں تبدیلی نہیں لا رہی، مغرب میں لمحہ نہیں لگتا سسٹم کے خلاف آواز اٹھانے میں اور یہاں لوگ صرف زبان سے سسٹم کی خرابی کا ذکر کرتے ہیں، عملاً [illegible] کرتے اور جو کرتے ہیں ان کا اپنا قبلہ درست نہیں ہوتا اور جن کا ہوتا ہے ان پر تنقید کی جاتی ہے ساتھ ان کا بھی کوئی نہیں دیتا کہ سسٹم بدلنا آسان ہے سوچ اور نظریات بدلنا انتہائی مشکل کہ آپ ضوریز کے دادا کی مثال لے لیں، ان کی منفی سوچ کے سبب ہر ایک چیز بہت آرگنائز اور اعلیٰ وارفع ہے مگر ان کی عورتوں سے متعلق سوچ قابل مذمت ہے۔

''وہ یہاں آ کر ہر ایک چیز ہر ایک انسان کا تجزیہ کر رہا تھا اور آج انہیں اپنے بیٹے کی باتوں میں اپنے باپ جیسی سوچ کا عکس محسوس ہو رہا تھا۔''

حامد آفریدی کافی انقلابی سوچ کے حامل تھے اپنے زمانے میں وہ بڑی بڑی پارٹیوں کے کارکن رہ چکے تھے، ملک و قوم کے لئے انہوں نے [illegible] تھا جبکہ وہ بچپن سے ہی مادیت پسندی کی طرف راغب رہے تھے اور جیسے ہی موقع ملا تھا لندن فرار ہو گئے تھے، بلانے پر بھی نہیں پلٹے تھے اور انہیں یہ ہی لگتا تھا کہ ان کا بیٹا چند ہی ہفتوں میں گھبرا کر پلٹ آئے گا اس لئے انہوں نے بیوی کو قائل کر کے اسے پاکستان جانے کی اجازت دی تھی اور پندرہ دن تک جس طرح کی وہ باتیں کرتا رہا تھا وہ مطمئن تھے مگر آج کی اس کی گفتگو نے ان کے اطمینان میں دراڑ سی ڈال دی تھی، لگنے لگا تھا کہ جس طرح وہ وہاں نہیں پلٹے تھے۔

''وہ یہاں نہیں بدلے گا، مائی سن، وہاں بہت کچھ نور آ ڈٹ بہت اچھا ہے مگر جو مزا یہاں ہے، وہ سالوں کی نااہلی اور عدم توجہی کا شاخسانہ ہے، جسے اب بدلا نہیں جا سکتا۔''

''پاپا میں کچھ بدلنا بھی نہیں چاہتا، میں صرف اس بات کا سراغ لگانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے ساتھ جو ممالک وجود میں آئے جو بعد میں آزاد ہوئے وہ سب ترقی کی راہ میں آگے کیسے نکل گئے، پاکستان طویل آزاد سالوں میں بھی ترقی پذیر کی صف میں کیوں ہے، میں جانتا ہوں کہ مشکل ہے مگر مجھے اس کا مکمل نہیں تو آدھا ادھورا جواب تو ڈھونڈنا ہی ہے، اس کے پیچھے مجھے نظریات کا عمل دخل لگا ہے، تو اس اندازے میں کتنی سچائی ہے؟ اس کے جاننے تک تو مجھے یہاں رکنا پڑے گا کہ میں یہاں نہیں آیا تھا تو سکون میں تھا، بنا جواب کے حصول کے لوٹا تو ساری عمر بے سکون رہوں گا۔'' وہ اپنی فطرت کے مطابق کہہ رہا تھا وہ آگے سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اسے جانتے تھے کہ جس چیز کے پیچھے پڑ جائے اطمینان کے حصول تک کوشش کرتا رہتا تھا، وہ ہی نہیں اس کے ٹیچرز بھی اس کے سوالوں سے عاجز رہتے تو کہ وہ اپنی تشفی کو ایک کے بعد ایک سوال کرتا تھا۔

''او کے مائی سن، جو چاہے کرو ہمیں تمہاری خوشی عزیز ہے بٹ تمہاری مما تمہیں مس کر رہی ہے کہ تم ہم سے پہلی دفعہ دور ہوئے ہو۔'' وہ باپ کو آزردہ پا کر خود بھی اداس ہو گیا تھا۔

''آئی مس یو ٹو بٹ پاپا یہ یقین رکھیں کہ میں لوٹوں گا نہیں تو آپ لوگوں کو اپنے پاس بلا لوں گا، آپ کی والی غلطی نہیں دہراؤں گا۔'' وہ بیٹے کی بات پر شرمندہ ہو گئے تھے کہ وہ نہ لوٹے تھے نہ انتظار کی سولی پر لٹکے والدین کو اپنے پاس بلایا تھا اور اپنے اقدام پر وہ کبھی شرمندہ نہیں ہوئے تھے کہ انہیں والدین کی تکلیف کا احساس نہیں ہوا تھا مگر جو احساس 35 برسوں میں نہیں ہوا تھا وہ پندرہ دنوں میں ہی ذہن و دل پر دستک دینے لگا تھا کہ بہت نزدیک سے دیکھنے پر تصویر کے خدوخال نمایاں نہیں ہوتے، دھندلا جاتے ہیں اور ان کا عکس ان کا بیٹا ان کے پاس تھے بے حد قریب، تو کھونے کا احساس نہ تھا فاصلے پر گیا تھا تو اپنا عکس اس میں صاف نظر آنے لگا تھا اور اپنے عکس کو دیکھتے وہ خود کو باپ کی جگہ محسوس کرنے لگے تھے اور اس کچھ کھو دینے کا خوف اس کے پلٹ کر نہ آنے کا اندیشہ رات دن ستانے لگا تھا کہ ان کا بیٹا ان کے جیسا ہی ہے یہ محسوس کیا تھا اب کہیں وہ یہ ثابت نہ کر دے، اس سوچ پر انہیں اپنی سانس بند ہوتی محسوس ہوئی تھی اور باپ کا [illegible] پر دستک دینے لگتا کہ وہ کیسے [illegible] اسے پکارتے ہوئے تھے، جب احساس کی ضرورت نہ تھی کہ جنہیں ضرورت تھی وہ نہیں رہے تھے کہ وقت پر حاصل ہونے والا کنکر وقت گزرنے کے بعد حاصل ہونے والے ہیرے سے کمتر ہونے کے باوجود بہت برتر ہوتا ہے، آج یہ وہ محسوس کرنے قابل ہو گئے تھے۔

☆☆☆

''ہیلو، اسلام علیکم چچی امی۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھا نیوز پیپر پڑھ رہا تھا، اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کال ریسیو کی تھی کہ وہاں اول وہی موجود تھا دوئم یہ کہ ضوریز کے سونے کا بھی اس کے علم میں تھا، ریسور کان سے لگایا تھا کہ نرم، کھنک دار لہجہ کانوں میں اس گھول گیا تھا اور ان کے جواب کی منتظر وہ جواب نہ پا کر بول اٹھی تھی۔

''چچی امی، آپ سن رہی ہیں؟ میں ثمر بول رہی ہوں وہ اس کی آواز کی خوبصورتی میں کھو رہا تھا اور وہ کوئی جواب نہ پا کر متفکر ہونے لگی تھی۔''

''چچی امی، ہیلو آپ کچھ بول کیوں نہیں رہیں۔'' اب کے اس نے نرم لہجے میں گھبراہٹ محسوس کی تھی، تفکر کے سائے محسوس کیے تھے۔

''ہیلو۔'' وہ گمبھیر مردانہ لہجے پر کانپ کر رہ گئی تھی۔

''آئی ایم حمائل آفریدی، آئی تھنک ضوریز کی مدر سو رہی ہیں۔'' اس نے اپنا تعارف کروانے کے ساتھ اندازہ ظاہر کیا تھا اور وہ اس کے تعارف سے پہلے ہی اندازہ کر چکی تھی کہ گھر کے فرد کے علاوہ ضوریز کا دوست ہی ہو سکتا ہے مگر اسے فون کرنے سے قبل ایک فیصد بھی امید نہ تھی کہ کال چچی امی کے علاوہ بھی کوئی ریسیو کر سکتا ہے اس لئے اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریسور کریڈل پر ڈال دیا تھا، اس کے خوبصورت چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں کہ دادا جان نے ان تینوں کے ہی احراز علی خان کے پورشن میں جانے پر پابندی عائد کر دی تھی، اس نے کڑھی بنائی تھی جو ضوریز کو بہت پسند تھی فون کرنے کا مقصد یہی تھا کہ ضوریز اور وہ سب ان کے ہاں کھانا کھا لیں یا پھر آمنہ آ کر کڑھی لے جائیں، اسے اندازہ نہ تھا کہ اس کے ہیلو بولتے پر فون رکھ دیا جائے گا ورنہ وہ کبھی ہیلو نہ کہتا وہ الجھن میں گرا کھڑا تھا اور ادھر وہ ماتھے پر چمک آنے والے پسینے کو دوپٹے کے پلو میں جذب کرنے لگی تھی اس کے ہاتھوں میں خفیف سی لرزش تھی، دل سوکھے پتے کی مانند اس خوف سے لرز رہا تھا کہ کسی کو پتہ چلا تو کیا ہوگا؟ اسی لئے مہرین کی آواز پر وہ پورے وجود سے ہل گئی تھی، منہ سے چیخ الگ برآمد ہوئی تھی۔

"کیا ہوا ثمر، تم اتنا ڈری ہوئی کیوں ہو؟"
مہرین اس کے زرد چہرے کو دیکھ کر متفکر ہوئی تھی اور اس نے تفصیل کہہ سنائی تھی۔

"تم گھر میں اب کسی سے ذکر بھی مت کرنا ورنہ دادا جان تو جان سے مار دیں گے کہ جب سے ضوریز بھائی کے دوست آئے ہیں ہم وہاں نہیں گئے اور یہاں تک کہ انعمتہ بھی نہیں، نہ بات بڑی ہے اور نہ تمہاری غلطی ہے مگر کسی کے بھی علم میں یہ بات آ گئی تو سب کا عتاب تم پر نازل ہو جائے گا۔" وہ کہہ رہی تھی اور وہ اسی خیال سے خوفزدہ تھی۔

"میں کمرے میں جا رہی ہوں، تم مما سے کچھ بھی کہہ دینا تاکہ وہ چچی امی کو فون کر دیں۔" وہ خود کو کمپوزڈ کر چکی تھی، سختی سے کہہ کر نکلتی چلی گئی تھی اور اسے کچھ کرنا نہیں پڑا تھا کہ کچھ دیر بعد آمنہ خود ہی آ گئی تھیں اور ڈونگے میں کڑھی لے گئی تھیں۔

☆☆☆

"میری قسمت میں نہ جانے کیا لکھا ہے، یوں بے مصرف قفس زدہ زندگی کب تک گزارنی ہے۔" دوپہر کے واقعے نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا کہ بات معمولی تھی مگر اس کے گھر والوں کے نزدیک نہیں اور اسے نیند نہیں آ رہی تھی، اس لئے وہ عادت کے مطابق ٹیرس پر چلی آئی تھی، کین کی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے دلگرفتی سے سوچ رہی تھی۔

نیند نہ آنے کے سبب، وہ کمرے سے نکلا تھا اور کچھ سوچ کر ٹیرس پر چلا آیا تھا اور پوری توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا، پنک دوپٹے کے ہالے میں سرخ و سفید رنگت والا تیکھے نین نقش سے مزین چہرہ، چاندنی روشنی میں بے حد دلکش لگ رہا تھا، وہ اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا۔

"زندگی بھر کوئی آرزو کوئی خواہش پوری نہیں ہوئی، میں نے تو بہت بڑے بڑے خواب دیکھے بھی نہ تھے لیکن تعلیم حاصل کرنا تو میرا حق تھا، تو مجھے کیوں اس حق سے محروم کر دیا گیا، ذہن و دل کی بات زبان سے ادا کرنے کا اختیار کیوں مجھ سے چھین لیا گیا، مجھ سے پردہ کرواتے، مجھ پر انٹرکشنز لگاتے، مجھ سے بے جا آزادی کا حق چھین لیتے مگر مجھے کھل کر سانس لینے کا حق تو دیتے، تعلیم کے حصول سے نہ روکتے۔" اس کی بند پلکوں سے گرتے آنسو یہ منظر اتنا دل موہ لینے والا تھا کہ اسے لگنے لگا تھا کہ آنسو اس کے گالوں نہیں اس کے دل کی سوکھی زمین پر گرتے اسے بھگو رہے تھے کھڑے کھڑے اس کا کورا دل زرخیز ہو چلا تھا اس نے ہاتھ اٹھا کر گال رگڑے تھے اور آنکھیں وا کی تھیں اور ایک اجنبی کو خود پر نگاہ جمائے دیکھا، پہلے وہ ساکت ہوئی تھی پھر جیسے ہی حواس لوٹے تھے اس نے کھڑے ہوتے ہوئے پنک آنچل کے کونے کا حصار چہرے پر کھینچ دیا تھا کرسی کھسکنے کی آواز پر اس کی محویت ٹوٹ گئی تھی اور اب وہ اس حسین سراپے کو لرزتے دیکھ رہا تھا، آنکھوں کی سرخ نم سطح خوف سمیٹ لائی تھی اس کی نگاہیں چار ہوئی تھیں، وہ لمحے کے دسویں حصے میں نگاہ جھکا گئی تھی اور بڑی سرعت سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی کہ وہ اسے پکار اٹھا تھا بدحواسی سے سیڑھیاں اترنے لگی تھی اور اس کی عجلت دیکھ کر اسے ڈر لاحق ہوا تھا کہ وہ گر نہ جائے اسی خیال سے وہ آگے بڑھا تھا مگر کسی دوسرے خیال نے اس کے قدم تیسری سیڑھی پر ہی روک لئے تھے وہ تادیر وہاں کھڑا رہا اور پھر چلتا ہوا اسی کرسی پر آ بیٹھا جہاں وہ اپنا لمس اپنی خوشبو چھوڑ گئی تھی، اس نے آنکھیں موند لی تھیں، سرسبز ہو جانے والا دل جذبوں سے لہرانے لگا

تھا۔

☆☆☆

وہ بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھی اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا، بے پردہ ہو جانے کا خیال اسے ستانے لگا تھا، کہ وہ سب [illegible] تھیں، اسے نہیں یاد تھا کہ کبھی وہ کسی مرد سے یوں ملی ہو گی اس کا کسی سے سامنا ہوا ہو گا، ضوریز علی خان جو اس کا بچپن کا منگیتر تھا اس سے بھی یوں سامنا نہیں ہوا تھا اس لئے حمائل آفریدی کے سامنے اسے حقیقتاً مضطرب کر ڈالا تھا اور پھر کسی کے جان جانے کا خوف، وہ بیٹھے بیٹھے کانپ رہی تھی، دادا جان صحیح کسی کے یوں گھر میں آنے جانے کے مخالف تھے جیسے وہ دادا سے اختلاف رکھتی تھی کتنی ہی باتوں پر اتفاق بھی تھا اور آج کے حادثے نے اسے سمجھایا تھا کہ شاویز علی خان کی سخت گیر طبیعت ان کی سیفٹی کے لئے تھی ان کی محتاط پسندی نے انہیں کتنی ہی پریشانیوں سے بچا لیا تھا وہ پہلی دفعہ ہی اصول سے ہٹے تھے اور وہ ہی نقصان کا باعث بن گیا

"کیا ہوا ہے ثمر؟ رو کیوں رہی ہو؟" اس کے بیڈ پر دھم سے گرنے پر اس کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ بہن کے گلے لگ کر سسک اٹھی تھی اور اس کی بات سن کر وہ حیرت سے منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

"مم ... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے مہر، اگر دادا جان کو پتہ چلا تو وہ مجھے جان سے مار دیں گے۔" وہ بلک رہی تھی اور وہ کچھ نہیں بولی تھی کہ وہ کچھ درست ہی رہی تھی۔

"مگر میری کوئی غلطی نہیں ہے مہر، مجھے کیا پتہ تھا کہ ضوریز کے دوست وہاں آ جائیں گے، میں تو روز ہی ٹیرس پر جاتی ہوں، سب گھر والے جانتے ہیں مجھے اندازہ ہوتا تو کبھی نہیں جاتی۔" وہ آج اپنے جانے پر خود کو ملامت کر رہی تھی۔

"تم روؤ نہیں، کسی کو پتہ نہیں چلے گا، تمریز بھائی کو بھنک بھی پڑی تو وہ دادا جان سے پہلے تمہیں سولی پر لٹکا دیں گے کہ وہ تمہیں ٹیرس پر جانے سے منع کرتے ہیں۔"

ان کے حالات ایسے تھے کہ وہ تسلی دینے کے بجائے اسے الٹا ڈرا گئی تھی۔

"میں مما کو خود ہی ساری بات بتا دوں گی، کہ میں چھپاؤں کو تب جب میں نے کوئی غلطی کی ہو، مما کو پتہ ہو گا، تو وہ خود سے ہینڈل کر لیں گی کہ بعد میں بات کھلی تو میں ہی بری بنوں گی اور یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔" کافی سوچ بچار کی بعد اس نے فیصلہ کیا تھا اور مطمئن ہو گئی تھی جبکہ وہ منع بھی کر رہی تھی کہ وہ ماں کی سخت مزاجی سے انجان تو نہ تھی مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا اور سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" حمائل کی سرخ آنکھیں دیکھ کر اسے تشویش ہوئی تھی۔

"اوہوں بس رات سو نہیں سکا؟" وہ لیٹے لیٹے ہی سستی سے بولا تھا اور اس کے وجہ پوچھنے پر محض ہنکارا بھر کر رہ گیا تھا کہ اسے کیا بتاتا کہ کسی کے حسن بے خبر نے اس کی رات کی نیند اور چین چرا لیا ہے۔

"تم فریش ہو کر آؤ میں تمہارے لئے کمرے میں ہی ناشتہ منگواتا ہوں۔" وہ اس کے اقرار پر باہر نکل گیا تھا اور وہ ایک بار پھر رات کے منظر و خوبصورتی میں ڈوبنے لگا تھا۔

"مجھے اس کے بارے میں ضوریز سے پوچھنا پڑے گا لیکن جس طرح کا اس کے گھر کا ماحول ہے یہ برا ہی نہ مان جائے۔" فیصلہ لیتے لیتے خدشے کے تحت رک گیا تھا۔

''تم نے پھر کیا سوچا ہے؟'' وہ ضوریز کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔
''پاکستان میں سیٹل ہونا ہے یا باہر جانا ہے؟'' اس نے وضاحت کی تھی۔
''کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا، پپا اور مما چاہتے ہیں کہ میں لوٹ آؤں یہاں پاکستان میں کچھ نہیں رکھا جبکہ میرا دل کسی نہ کسی بہانے رکنے کو مچل جاتا ہے۔''
وہ رات دل پر گزرنے والی واردات کے تحت کہہ رہا تھا کہ پرسوں اس نے جانے کا ارادہ بنا لیا تھا اور اب لگ رہا تھا کہ وہ جا نہیں پائے گا۔
''اوہوں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو کہ یہاں سب کچھ نئے سرے سے تمہیں شروع کرنا پڑے گا اور کامیابی بھی چانسز پر ٹکی ہوگی جبکہ لندن میں تم سیٹ ہو، اچھا بہترین مستقبل باہیں وا کیے تمہارا منتظر ہے۔'' جو بات اسے لندن میں سمجھائی تھی پھر اسے سمجھانا چاہا تھا۔
''یہی تو پپا کہتے ہیں لیکن وہاں میں کتنا ہی کامیاب بن جاؤں رہوں گا پرایا، اجنبی ہی، اس لئے میں اپنے ملک میں جہاں میرے باپ دادا کی نسلیں آباد رہیں ان کی جڑیں ہیں وہیں میں اپنی اور اپنی آنے والی نسلوں کی بنیاد رکھنا چاہتا ہوں کہ میں اگر پپا کی طرح لندن کو پیارا ہوگیا تو ہماری نسلوں کا تعلق اپنے وطن سے ٹوٹ جائے گا اور غیروں میں جتنا دل لگا لیا جائے وہ رہتے غیر ہی ہیں میں وہاں کچھ بھی کیوں نہ کرلوں کامیابی کی ہر سیڑھی عبور کرلوں، مگر رہوں گا تیسرے درجے کا شہری، کہ چاہے میری پیدائش وہیں کی ہے مگر میری جڑیں وہاں نہیں، یہاں ہیں جہاں میں سانس لے رہا ہوں، یہاں آکر میں کچھ بے سکون ضرور ہوا ہوں یہاں کہ حالات نے مجھے مایوس بھی کیا ہے، مگر سب کچھ بہت اپنا اپنا سا لگتا ہے وہ سکون جو وہاں میسر نہ تھا وہ یہاں آکر مل گیا ہے میں شاید اب چاہ کر بھی وہاں لوٹ نہ سکوں۔'' وہ فیصلہ جو وہ کر نہیں پا رہا تھا کسی طاقت نے کروایا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار وہ حسین چہرہ آ رہا تھا اور دل جس سے دستبرداری قبول کرنے کو مائل نہ تھا اس لئے اس نے یہیں سیٹ ہوجانے کا فیصلہ لے لیا تھا۔
''چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی، اب تم نے ایک فیصلہ لے لیا ہے تو بس اب آج سے ہی کام شروع کردیتے ہیں، میں اسٹیٹ ایجنسیوں میں رابطہ کرتا ہوں، سروے کرلینا پھر جہاں دل کرے گھر لے لینا، لیکن پہلے یہ طے کرلو کہ بنا بنایا لینے کا ارادہ ہے یا پلاٹ لے کر اپنی پسند کا بنوانا ہے۔'' وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرکے کپ میں چائے نکالنے لگا تھا۔
''پلاٹ لے کر بنوانے کے لئے بہت وقت درکار ہوگا اور میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے کہ میں تمہارے گھر زیادہ دن ٹھہر نہیں سکتا۔'' وہ ناشتہ سے فارغ ہوکر اب چائے پی رہا تھا۔ ضوریز نے فوراً ہی ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔
''یار مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تم کچھ نہیں کہتے مگر مجھے اندازہ ہے کہ میری وجہ سے تمہاری مشکل میں ہے کہ تمہارے گھر کا ماحول بہت جداگانہ ہے اور میں رہنے کو ہوٹل میں رہ سکتا ہوں مگر میں تمہارے گھر آیا تو صرف اس لئے کہ میں یہاں کے لوگوں کو آبزرو کرنا چاہتا تھا اور تمہاری فیملی سے بہت متاثر ہوا ہوں کہ تم سب نہ چاہتے ہوئے بھی میری کیئر کررہے ہو کہ میں تم لوگوں کا مہمان ہوں۔'' وہ دل سے یہ سب کہہ رہا تھا۔
''اب ایسی بھی بات نہیں ہے، بس دادا جان کچھ غصہ کے تیز ہیں، ان کے اپنے ہی اصول ہیں جنہیں ہم فالو کرتے ہیں۔'' وہ قدرے شرمندگی سے بولا تھا۔
''تمہارے دادا سے بھی میں کافی متاثر ہوا ہوں، بٹ ایک بات مجھے سمجھ نہیں آئی کہ وہ خواتین کی پڑھائی کے خلاف کیوں ہیں؟'' ضوریز نے اسے اپنے گھر کے ماحول کا پہلے بھی بہت کچھ بتایا ہوا تھا باقی یہاں آنے کے بعد جتنی ضرورت تھی بتا دیا تھا۔
''یہ اختلاف تو مجھے بھی ہے مگر دادا جان اپنے آگے کسی کی سنیں تب نا۔'' وہ جلے ہوئے انداز میں بولا تھا۔
''انعمتہ کو آگے پڑھنے کا کتنا شوق تھا مگر دادا جان راضی نہیں ہوئے اور اتنی جلدی اس کی شادی کردی۔'' اسے بے حد غصہ تھا مگر احراز علی خان نے اسے اظہار نہیں کرنے دیا تھا۔
''لیکن وہ کیوں اس کے خلاف ہیں اور تمہارے پپا اور تایا انہیں سمجھاتے کیوں نہیں؟ انہیں اس بات کے لئے منایا جاسکتا ہے۔''
''دادا جان کو ان کی بات سے ہٹا کر کسی بات کے لئے قائل کرنا ناممکنات میں سے ہے، انعمتہ تو خیر آگے پڑھنے کا صرف شوق رکھتی تھی، لیکن ثمرین اسے تو جنون ہے اس نے کتنی کوشش کی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔'' وہ جلے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا اور وہ ثمر نام پر چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔
''اپنی فیانسی کی بات کر رہا ہوں، اسے ڈاکٹر بننے کا جنون ہے مگر دادا جان اور تایا ابو راضی نہیں ہوئے۔'' وہ کہہ رہا تھا اور اسے اپنا دل بوجھل سا محسوس ہونے لگا تھا۔
''میں ثمر بول رہی ہوں۔'' سماعتوں میں نرم لہجہ گونجا تھا۔
''یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا اگر وہ ہی اس کی فیانسی ہوئی تو؟'' اس تو کے آگے اس کو اپنا دل جلتا محسوس ہونے لگا تھا۔
''تیرے تایا ابو کے کتنے بچے ہیں؟'' کس امید کے تحت پوچھا تھا۔
''تمریز بھائی سب سے بڑے ہیں ثمر سے بڑی مہرین ہے۔'' وہ بتا رہا تھا اور اس کا دل کانچ کے شیشوں کی طرح دولخت ہوتا چلا گیا تھا۔
''میری ثمر سے منگنی میں بھی دادا جان کا ہاتھ ہے، جس شام انعمتہ کا نکاح ہوا تھا، میرا اور ثمر کا بھی نکاح ہونا تھا مگر عین نکاح کی شام ثمر سیڑھیوں سے گر گئی تھی اور میں نے بلا ٹل جانے پر شکر ادا کیا تھا۔'' وہ اس کی آخری بات پر چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔
''مطلب کیا ہے تمہاری بات کا؟ تم خوش نہیں ہو اس رشتے سے؟'' وہ خود کو کمپوزڈ کرکے پوچھ رہا تھا۔
''ہرگز نہیں، جس لڑکی کو ایک گھر میں رہتے کبھی نہیں دیکھا، جو صرف میٹرک پاس ہے، اس سے شادی پر میں کیسے خوش ہوسکتا ہوں؟ میرے ذہن میں تو میری شریک حیات کا بہت پیارا سا امیج ہے، پڑھی لکھی باشعور لڑکی جو میرے قدم سے قدم ملا کر چل سکے، جیسی زندگی مما اور تائی نے گزاری ہیں اپنی بیوی کا ایسا روپ ایسی لائف نہیں چاہتا۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوا تھا اور وہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''جب تم اس رشتے سے راضی ہی نہیں تھے تو منع کیوں نہیں کیا؟'' وہ تاسف سے بولا تھا۔
''منع کیا تھا مگر دادا جان کے آگے کبھی تایا جان کی نہیں چلی، میری کیا چلتی اور جب دادا جان نے عاق کردینے کی بات کی تو میں مصلحتاً خاموش ہوگیا، مگر میرا ارادہ ثمر سے شادی کرنے کا نہیں ہے، اسی لئے جب تم نے میرے ساتھ بزنس شروع کرنے کی بات کی تو میں راضی ہوگیا

میں اپنے قدم جمانا چاہتا ہوں، اپنی ایک الگ پہچان بنانا چاہتا ہوں تا کہ دادا جان کی حکومت سے نکل سکوں۔" وہ ضوریز کو بے حد حیرانگی سے دیکھ رہا تھا کہ اسے کہاں اندازہ تھا کہ وہ اتنا مفاد پرست بھی ہو سکتا ہے وہ اسے گھر والوں کے خلاف جا کر اسے اپنے ساتھ اپنے فائدے کے لئے لایا تھا۔

"میرے خیال سے تمہاری سوچ تمہارا طریقہ دونوں ہی غلط ہیں کہ تم اگر اپنے دادا سے اختلاف رکھتے ہو تو صاف کہو، انہیں قائل کرو یوں دھوکا دے کر راہیں الگ کرنا نہایت برا فعل ہے اور تمہاری منگیتر اس کا کیا قصور ہے کہ تم نے اس کو بیچ منجدھار میں لٹکا دیا ہے شادی نہیں کرنی تو منگنی توڑ دو اس طرح دھوکے میں مت رکھو، وہ لڑکی تم سے جڑے رشتے کے سبب کتنی ہی خوش کن امیدیں تم سے وابستہ کر چکی ہو گی تم اس سے شادی نہیں کرو گے تو یہ اس کے ساتھ زیادتی ہو گی جبکہ تمہیں تو چاہیے یہ تھا کہ تم اس کی خواہش کے لئے اسٹینڈ لیتے اپنے دادا کو اس کی پڑھائی کے لئے راضی کرتے اس طرح اس کی خواہش بھی پوری ہو جاتی اور وہ بھی تمہاری پسند کے خاکے پر پوری اترتی۔" اس کا انداز بہت سادگی لئے ہوئے تھا اور وہ شرمندہ ہو گیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو کہ میں اپنے گھر کے ماحول سے خائف تو رہا اسے بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی مگر اب میں کوشش ضرور کروں گا۔" وہ بدقت تمام مسکرایا تھا۔

"تمہیں میری جس طرح کی مدد درکار ہو گی مجھے اپنے لئے منتظر پاؤ گے۔" اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ لڑکی اس کی نہیں ہو سکتی مگر وہ اس کی راہ کے کانٹے ہٹانے کی کوشش ضرور کرے گا۔

☆☆☆

"سوچ سمجھ کر بولو ضوریز۔" اس نے سب کی موجودگی میں جو انکشاف کیا تھا وہ سب کو ہی حیران و پریشان کر گیا تھا اور ساویز علی خان حیرت سے نکلتے غصہ میں دھاڑے تھے۔

"میں نے جو کہا ہے بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے اور میں اپنی بات اور فیصلے سے ہرگز نہیں ہٹوں گا۔" وہ تایا کہ غصہ کو خاطر میں ہی نہیں لایا تھا۔

"کوئی بھی ایسا فیصلہ کرنے سے پہلے تو تم نے سوچنے کی زحمت نہ کی مگر قائم رہنے کی ضد پر نظر ثانی کر لو کہ اگر تم نے میری بہن کے خلاف کوئی غلط فیصلہ کیا تو فیصلے کا اختیار میں بھی رکھتا ہوں، یہ یاد رکھنا کہ تم صرف منگنی ختم کرو گے اور میں شادی، نکاح ختم کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگاؤں گا۔" وہ صوفے سے کھڑا ہوا تھا اور نہایت برہمی سے بولا تھا اس کی آنکھوں میں شعلوں کی سی لپک تھی اور لہجہ نرمی سے مبرا تھا اور اس نے بات بہت بڑی کہی تھی اور جس کا ردعمل بھی ضوریز علی خان کی بات سے بڑا ہی سامنے آیا تھا، شاویز علی خان اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور بیٹے کے مقابل ٹھہرے تھے وہ آگے مزید کچھ بکواس کرتا کہ ان کے الٹے ہاتھ کا تھپڑ اسے حیرت سے منجمد کر گیا تھا۔

"رشتوں کو مذاق سمجھ لیا ہے تم دونوں نے کہ جب چاہا جوڑ لئے اور جب چاہا توڑنے کا فیصلہ لے لیا، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی اتنی بڑی بات منہ سے نکالنے کی؟" وہ سخت مشتعل ہو کر دھاڑے تھے۔

"بابا جان ضوریز نے اگر اپنے کہے پر عمل کیا تو میں بھی اپنے کہے پر ہی عمل کروں گا۔" وہ غم و غصے سے چیخا تھا کہ اس پر شاویز علی خان نے پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھایا تھا، اسے تکلیف کے ساتھ

ہتک کا بھی احساس ہو رہا تھا۔

"اور تم ایسا کرو اس سے قبل ہی میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" وہ بیٹے کے سرخ چہرے و آنکھوں کو دیکھ کر غرائے تھے، ضوریز کی بجائے لعنت وملامت کا رخ شمریز کی جانب مڑ گیا تھا۔

"ابھی میں زندہ ہوں یہ مت بھولو تم لوگ۔" ساویز علی خان کی آواز میں غصہ کی آنچ تھی۔

"بابا جان! ضوریز کی بات ہم میں سے کسی کو بھی پسند نہیں آئی اور ضوریز کو کیا سزا دینی ہے، اسے کیسے قائل کرنا ہے ہم مل کر فیصلہ کر لیں گے لیکن شمریز کو اتنی بڑی بات کہنے کی ہم قطعاً اجازت نہیں دیں گے، غصہ و ضد میں بھی ایسی بات اس نے منہ سے نکالی بھی تو کیسے؟ یہ اپنی بیوی کو چھوڑنے کی بات کسی بھی حالات میں کر بھی کیسے سکتا ہے؟" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بیٹا کو جان سے ہی مار دیں۔

"یہ بات مجھے نہیں آپ ضوریز کو سمجھائیں کہ رشتے مذاق نہیں ہوتے، عمارت کی ایک اینٹ نکال دی جائے تو عمارت نہ صرف بدنما ہو جاتی ہے بلکہ اس میں نقص و ناپائیداری بھی در آتی ہے، اس لئے ہمارے رشتوں کی بنیاد میں اس نے خامی لانے کی کوشش کی تو صرف ایک رشتہ نہیں پوری عمارت گرے گی۔" وہ باپ کی قہر آلود نگاہیں خود پر محسوس کرتا جز بز ہوتا پریشان کھڑے ضوریز کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"تمہیں ثمر بیٹی سے شادی نہیں کرنی تھی تو جب چار سال پہلے یہ قصہ شروع ہوا تھا تب ہی کیوں کچھ نہیں کہا تھا؟" کافی دیر کی خاموشی کے بعد انہوں نے کڑے تیوروں سے پوتے سے سوال کیا تھا۔

"کیونکہ مجھے انکار تھا ہی نہیں، اور انکار تو مجھے اب بھی نہیں ہے۔" وہ ان کے غصہ سے خائف ہوتا دھیمے سے بولا تھا۔

"انکار نہیں ہے تو اس ساری بکواس کا کیا مطلب نکلتا ہے؟" انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے پوتے کو دیکھا تھا۔

"مجھے اعتراض ثمر سے شادی کرنے پر نہیں ہے اس کے آگے نہ پڑھنے پر ہے کہ میں ایک میٹرک پاس لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا اس لئے ثمر کو آگے پڑھنے دیں میں اس سے شادی کر لوں گا۔" وہ سب اسے یوں دیکھنے لگے تھے جیسے دماغی حالت پر شبہ ہو چکا ہو۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ضوریز نہ جانے کیا بکواس کیے جا رہے ہو۔" شاویز بھتیجے پر بگڑے تھے۔

"آپ لوگ کچھ بھی سمجھیں مگر یہ میرا اٹل فیصلہ ہے کہ میں ثمر سے شادی جب ہی کروں گا جب وہ تعلیم یافتہ ہو گی۔" وہ ان کے غصہ سے ہرگز بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔

"تم نے کون سی اس سے نوکری کروانی ہے جو تمہیں بیوی تعلیم یافتہ چاہیے۔" وہ بہت ضبط سے کام لے رہے تھے۔

"دادا ابو تعلیم نوکری کے حصول کے لئے حاصل نہیں کی جاتی ہے علم حاصل کرنا تو مرد اور عورت پر فرض ہے، علم سے شعور ملتا ہے، زندگی گزارنے کا سلیقہ آتا ہے۔" وہ دھیمے سے بولا تھا۔

"یعنی تمہارے کہنے کے مطابق تمہاری تائی اور پھپھیاں بدسلیقہ اور بے شعور ہیں، ایک باشعور تو تمہاری ماں ہے جس نے تمہیں یہ ساری پٹیاں پڑھائی ہیں۔" وہ کھا جانے والی نگاہوں سے پوتے کو گھورتے ہوئے بہو کو درمیان میں کھینچ

لائے تھے۔

''دادا ابو! آپ مما کو بیچ میں مت لائیں کہ انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مما تائی امی اور پھپھو سے لاکھ گناہ اچھی ہیں۔'' وہ ناگواری سے کہہ گیا تھا۔

''ہاں تمہیں تو ماں اچھی ہی لگے گی۔''

''بات ماں ہونے کی نہیں ہے، آپ مما کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکے، آپ کو مما کے پڑھے لکھے ہونے پر جو اعتراض تھا اس کے سبب آپ نے مما کو سمجھنا ہی نہیں چاہا ورنہ دل و دماغ کی سچائی سے سوچیں گے تو خود آپ کا دل گواہی دے گا کہ جتنی عزت مما آپ کی کرتی ہیں کبھی پھپھو نے بھی نہیں کی کہ مما نے کبھی آپ کے اصولوں کو آپ کے پیچھے برا نہیں کہا، کبھی آپ کا حکم ماننے کے بعد آپ سے چھپ کر اس میں اپنی سی ممکن تردید نہیں کی اور ایسا مما نے تعلیم اور شعور کے سبب کیا، صحیح و غلط میں فرق ہونے کے سبب کیا، آپ نے مما کو پردہ کرنے کے لئے کہا تو مما نے پردہ کرنا شروع کیا اور کبھی تائی امی کی طرح پردے کو نرا عذاب اور آپ کا حکم نہیں سمجھا کہ مما علم رکھتی ہیں کہ پردہ فرض ہے عورت پر، اسی لئے اللہ کی رضا کے بعد وہ آپ کے احترام میں پردے کا اہتمام کرتی ہیں، تائی امی اور پھپھی کی طرح نہیں کہ آپ کے سامنے پردہ اور جہاں آپ نہیں وہاں پر... کچھ نہیں۔'' وہ لگی لپٹی کے بغیر کہتا چلا گیا تھا، عاصمہ بیگم اپنے آپ میں چور بن گئی تھیں کہ اس نے حقیقت ہی تو بیان کی تھی وہ صرف سسر کے ڈر سے پردہ کرتی تھیں اور اکثر شادیوں وغیرہ جہاں وہ نہیں ہوتے تھے (اکثر میکے میں) وہ حجاب نہیں کرتی تھیں اپنے تمام کزنز کے سامنے جاتی تھیں، جبکہ ضوریز کی والدہ نے شادی کے بعد حجاب کرنا شروع کیا تھا تو اس کے تمام تقاضے بھی پورے کیے تھے کہ انہوں نے ... اللہ ... اس سب کو قبول کرلیا تھا۔

''ضوریز تم صرف اپنی بات کرو، میں کیا کرتی ہوں کیا نہیں، یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے کہ میں تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دوں گی کہ تم میرے دفاع کے لئے بھابھی یا آپا کو کچھ کہو۔'' وہ ناگواری سے بیٹے کو ٹوک گئی تھیں اور ساویز علی خان انہیں دیکھنے لگے اور انہیں خود سے یہ اقرار کرتے لمحہ نہیں لگا تھا ان کی بہو نے ان کی عزت ان کی اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر کی تھی ان کی بات کا حکم سمجھ کر نہیں اپنا فرض سمجھ کر قبول کرکے ہمیشہ ان کی بات اور فیصلہ کا مان رکھا تھا کہ وہ اچھے سے جانتے سمجھتے تھے کہ ان کی اولادوں کو ان کے فیصلوں پر اعتراض ہوتا ہے مگر وہ واحد تھیں جو ان کے ہر فیصلے کو ان کے احترام میں قبول کر لیتی تھیں۔

''بابا جان ضوریز کے رویے اس کی ہر بدتمیزی کے لئے میں آپ سے معذرت چاہتی ہوں اور آپ بے فکر رہیں ثمر کی شادی ضوریز سے ہی ہو گی، ضوریز آپ کے فیصلے کا احترام کرے گا۔'' وہ بیٹے کو گھورتی اب سسر کی جانب مڑی تھیں ان کے لہجے میں ہی نہیں چہرے اور آنکھوں میں بھی ان کے لئے احترام پنہاں تھا وہ بہت آہستگی و نرمی سے بولی تھیں۔

''مما!'' اس نے احتجاج کرنا چاہا تھا۔

''آگے ایک لفظ نہیں ضوریز کہ رشتے تمہارے نزدیک مذاق ہوں گے ہمارے لئے نہیں ہماری پوری زندگی ہیں اور تم سے یہ رائے نہیں مانگی گئی کہ تم ثمر سے شادی کرو گے؟ اور کس بنیاد پر کرو گے؟'' وہ بیٹے کی جانب گھومی تھیں اور سختی سے بولی تھیں۔

''میں اور تمہارے پاپا احترام کرتے ہیں...

... تم بھی اپنے دادا ابو کی خوشی کے لئے ان کے فیصلوں کو دل سے ذہن کی آمادگی سے قبول کرو کہ یاد رکھنا ضوریز، علم کتابوں میں نہیں انسان کے لاشعور میں پوشیدہ ہوتا ہے اور وہ جو اسے تلاش لیتا ہے وہی کتابوں میں چھپے علم کو سمجھ سکتا ہے اور ثمر نے بے شک دنیاوی علوم حاصل نہیں کیے مگر وہ ایک باشعور لڑکی ہے اور نسلیں اب ... اور اے بی سی سے نہیں عقل و سمجھ کے ذریعے اپنے اندر کی اچھائی سے پروان چڑھائی جاتی ہیں اور مجھے پورا یقین ہے، بھروسہ ہے کہ ثمر پڑھی لکھی نہیں ہے ثمر اپنے شعور ... نسل کو پروان چڑھائے گی۔'' ان کا انداز ناصحانہ مگر بے لچک تھا کہ وہ بیٹے کو باور کرا دینا چاہتی تھیں کہ اسے بہرحال میں ساویز ... کو تسلیم کرنا ہے مگر اس نے بھی جیسے سب کے خلاف جانے کا تہیہ ہی کر لیا تھا، اس لئے اپنے ... پر یوں ڈٹا تھا کہ ایک انچ نہیں ... عاق کر دینے کی دھمکی پر بھی ثمر سے نکاح کرنے کو راضی نہیں ہوا تھا اور اس نے گھر ہی چھوڑ دیا تھا کہ ثمر کی پڑھائی تو محض بہانہ تھا کہ وہ کسی اور سے کمٹمنٹ کر چکا تھا اور اپنی کمٹمنٹ اور اپنی خوشی کے لئے اس نے دادا کی کمٹمنٹ اور والدین کی خوشی تک کا خیال نہیں کیا تھا اور اسی افسردہ اور تکلیف دہ ماحول میں مہرین کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے کہ مہرین کے سسرال والوں کو شادی کی جلدی تھی اور وہ انکار نہیں کر سکتے تھے کہ اول و آخر اس کی شادی کرنی ہی تھی اور مہرین کی شادی میں اس کے سسرال کے دور ... پسند کیا تھا ... رشتہ دار ... نے نہ صرف ثمر کو پسند کیا تھا بلکہ اس کا رشتہ ہی ڈال دیا تھا، احراز علی خان نے آخری امید کے تحت بیٹے کو کال کی تھی اور اس نے اب کے صاف بات کہہ دی تھی انہیں بتا دیا تھا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے اور اس سے ہی شادی کرے گا، انہیں بیٹے کی سوچ پر تاسف اور گہرے دکھ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا کہ اس نے اپنی خوشی کے لئے کتنے جھوٹ بولے تھے، ان سب کو دھوکہ دیا تھا۔

☆☆☆

''آئی ایم ساری احراز میں ضوریز کی اچھی پرورش نہیں کر سکی۔'' ان کے آنسو گر رہے تھے۔

''غلطی ہماری تربیت کی نہیں، کچھ اس کی فطرت ہی ایسی ہے ورنہ انعمتہ کی تربیت بھی آپ کے ہاتھوں میں ہی ہوئی ہے اس لئے خود کو موردِ الزام ٹھہرانے سے بہتر ہے اس کے سدھار کے لئے اس کے لوٹ آنے کے لئے دعا کی جائے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے لگی لپٹی کے بغیر بولے تھے۔

''مجھے بھائی صاحب اور بھابھی سے بہت شرمندگی محسوس ہوتی ہے وہ ثمر کے لئے کس قدر پریشان ہیں۔'' ان کی پریشانی کا سبب بدل گیا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے بیٹے کے رویے اس کی سنگدلی اور خود غرضی پر ڈسٹرب تھیں اور اب ثمر کی فکر ستانے لگی تھی کہ اس کے لئے جو پرپوزل آیا تھا وہ لوگ ہاں کرنے کا سوچ رہے تھے کہ ان کا یہ جان کر کہ ثمر کی منگنی ضوریز سے ہوئی تھی جسے وہ توڑ کر چلا گیا، ارادہ بدل گیا تھا اور انہوں نے مہرین کی ساس کے ذریعے انکار کہلوا دیا تھا اور وہ سب جب سے ہی مضطرب تھے۔

احراز علی خان کچھ کہتے کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا، سامنے ہی ملازمہ کھڑی تھی اور حمائل کے پیرنٹس کی آمد کا بتا کر واپس پلٹ گئی تھی ان کی آمد ان کے لئے غیر متوقع تھی تو ان کے آنے کا مقصد تو انہیں خوشگوار

کی حیرت میں ڈال گیا تھا۔

"ہم امریکہ سے صرف حمائل کی خوشی کے لئے آئے ہیں کہ وہ آپ کی بھتیجی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کے ہی کہنے پر ہم نے پہلے آپ سے بات کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو مناسب لگے تو آپ ثمرین کے پیرنٹس سے بات کر لیں۔" حمائل کے ڈیڈ بہت شائستگی سے کہہ رہے تھے۔

"حمائل، ثمر سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس نے ثمر کو کب دیکھا؟ کیسے جانتا ہے اسے؟" ان کے جملے بے ربط سے تھے کہ یہ بات انہیں ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ جانتی تھیں کہ ثمر شرعی پردہ کرتی ہے اور ایسے میں حمائل کی خواہش اس کی خوشی دونوں میاں بیوی ہی الجھ گئے تھے تب حمائل کی ماما نے تمام بات انہیں سچائی سے بتادی تھی۔

"ہم بڑی امیدیں لے کر آپ کے پاس آئے ہیں، حمائل ہمارا اکلوتا بیٹا ہے ہم نہیں چاہتے کہ اس کی خوشی ادھوری رہ جائے۔" وہ عاجزی سے کہہ رہی تھیں۔

"آپ ہمارے گھر کے ماحول کو نہیں جانتیں، اگر یہ سب بابا جان کو پتہ چلا تو وہ غصہ ہی نہیں ہوں گے بہت ہرٹ بھی ہوں گے اس لئے آپ سے ریکوئسٹ ہے آپ لوگ پلیز یہ بات دوبارہ مت کیجئے گا کہ اس طرح تو ثمر پر بھی حرف آئے گا اور یہ ہمیں کسی صورت منظور نہیں۔" وہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھیں، ساری تفصیل جان کر، اس لئے انہیں لوٹ جانے کو کہہ رہی تھیں۔

"دیکھئے جس طرح کی گواہی کی ضرورت ہو گی ہم دیں گے، ہم آپ کے بابا کو صاف بتادیں گے کہ ان کا سامنا اچانک ہوا تھا (اور ہمارا بیٹا دل ہار بیٹھا) اس میں اس بچی کا کوئی ہاتھ نہیں ہے، پرپوزل ہم اپنے بیٹے کی خوشی کے لئے لائے ہیں۔" وہ اس وقت صرف حمائل کی ماں نہیں صرف اس کی خوشی کو دیکھ رہی تھیں باقی کچھ انہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

"یہ سب اتنا بھی سیدھا اور سادہ نہیں ہے جیسے آپ سمجھ رہی ہیں لہٰذا آپ واپس لوٹ جائیں۔" ضوریز کی والدہ بولی تھیں، حمائل کی والدہ کچھ کہتیں کہ قدموں کی چاپ ابھری تھی، ساویز علی خان کو دیکھ کر ان دونوں میاں بیوی کو تو سانس ہی رک سی گئی تھی البتہ حمائل کے والد ساویز علی خان کو بغور دیکھتے ہوئے شناسائی کا کوئی لمحہ تلاشنا چاہتے تھے، چہرہ کافی جانا پہچانا معلوم ہو رہا تھا، ذہن میں بھی کچھ کلک ہونے لگا تھا، بیٹے کے منہ سے دوست کے دادا کا نام سن کر چونکے تھے جبکہ ضوریز کا سرنیم تو پہلے بھی چونکا گیا تھا مگر جس پر زیادہ توجہ نہ دی گئی مگر اس وقت ساویز علی خان کو دیکھ کر وہ انہیں پہچان ہی گئے تھے کہ ساویز علی خان ان کے والد کے دوست تھے اور وہ بہتر مستقبل کے لئے والدین کو چھوڑ گئے تھے، ساویز علی خان کو بھی بیٹے کی یاد میں آنسو بہاتا ان کا اکلوتا دوست دنیا سے رخصت ہو گیا یاد ہی تھا اور وہ بھی کچھ ہی پلوں میں اپنے بابا کے جگری یار کو پہچانتے شرمندگی سے سلام کر گئے تھے وہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے کہ ساویز علی خان، حمائل کے ڈیڈ پر بری طرح غصہ ہو رہے تھے انہیں سخت سست سنا رہے تھے۔

"بابا تو مجھے معاف کیے بنا میرے زندہ ہوتے ہوئے بھی مجھے روئے، تڑپتے اس دنیا سے رخصت ہو گئے، کم از کم آپ تو مجھے معاف کر دیں انکل۔" ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور انہوں نے ساویز علی خان کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور انہوں نے آگے بڑھ کر حمائل کے ڈیڈ کو سینے سے لگالیا تھا۔

☆☆☆

"حمائل! تھینک یو سو مچ۔" وہ اس کے سامنے رکی مسکراتے لہجے میں بولی تھی جبکہ اس کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بڑی سرعت سے گر رہے تھے، اس نے مسکرا کر اس کے آنسو پونچھے اور نرمی سے بولا۔

"میں تمہاری اس کامیابی پر بے حد خوش ہوں اور اللہ کا شکرگزار ہوں کہ اس نے میری ہر [illegible] وہ کامیابی دی میں نے جو چاہا پا لیا۔" حمائل نرمی سے بولا تھا اور وہ اسے اپنی مارکس شیٹ دکھانے لگی تھی اس نے ہر ایک مضمون میں بہترین نمبر لئے تھے کہ آج سے چار سال پہلے جب وہ شادی ہو کر حمائل کے گھر آئی تھی تو بہت ڈری ہوئی تھی کہ ضوریز کے منگنی ختم کر کے جانے اور بعد میں ہر رشتہ ادھورا رہ جائے پر وہ گھر والوں کے سامنے شرمندہ ہو رہی تھی اور حمائل سے شادی کا سن کر تو وہ کچھ بول ہی نہیں پائی تھی اور اس کی بنا دی گئی تھی کہ ضوریز کی حرکت نے ساویز علی خان کے فیصلوں میں دراڑیں ڈال دی تھیں اور حمائل انہیں اپنی پوتی کے لئے مناسب لگا تھا کہ وہ ان کے جگری یار کا پوتا تھا اور جتنے عرصہ ان کے گھر رہا تھا وہ اس کی عادات و سکنات سے مطمئن تھے اور رشتے تو آسمانوں پر ہی ہیں جب اللہ نے ان کی جوڑی بنائی تھی تو تمام معاملات بھی از خود سنوار دیئے تھے مگر ثمرین کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حمائل ایک بہت اچھا جیون ساتھی ثابت ہو گا نہ صرف اس کی راہ کا ہر ایک کانٹا چن لے گا اس کی ہر خواہش کو تکمیل کی منزل دکھا دے گا، آج اسے بی ایس سی کی ڈگری مل گئی تھی اور جیسے پا کر ہر دن سے زیادہ مسرور تھی اور جس کا اظہار اس کی نم پلکوں سے صاف ہو رہا تھا۔

"میں اپنے اللہ کے بعد آپ کی مشکور ہوں، حمائل کہ آپ کی ہی وجہ سے میں گریجویٹ کر پائی ہوں۔" اس نے تشکر سے اسے دیکھا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

"مشکور تو میں تمہارا ہوں کہ تم میری زندگی میں آئیں اور اپنے دم سے میری زندگی کے ہر پل کو سجا دیا، مجھے اپنے جیسی پیاری سی بیٹی کا باپ بنا دیا اور یہ ڈگری تمہاری نہیں میری بھی کامیابی ہے اور اس کامیابی کا سلسلہ تمہارے ڈاکٹر بننے تک انشاء اللہ جاری رہے گا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہہ کر اس کی ناک کھینچی تھی اور وہ جو اس کی گفتگو کے درمیانی حصہ پر حیاء سے سرخ پڑ گئی تھی مطمئن سی مسکرا دی تھی۔

"اور جب تک تم ڈاکٹر بنوں گی تب تک ہمارا ہاسپٹل بھی بن جائے گا، جہاں مفت علاج ہوا کرے گا۔" اس نے مزید اپنی پلاننگ اس پر ظاہر کی تھیں۔

"انشاء اللہ۔" وہ مطمئن سی بولی تھی۔

"ہماری ننھی پری کہاں ہے؟" اس نے گفتگو سمیٹتے ہوئے اپنی دو سالہ بیٹی کا پوچھا تھا۔

"ڈیڈ کے ساتھ دادا ابو کے پاس گئی ہوئی ہے۔" اس نے نرمی سے بتایا تھا گزرے چار سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا ساویز علی خان کی سوچ کافی بدل گئی تھی ضوریز اپنے کیے پر نادم تھا اور اسے سب کی خوشی کے لئے معاف کر دیا گیا تھا اس کا ایک بیٹا تھا زندگی ہر طرح سے پر سکون تھی کہ زندگی کی کچھ تکالیف انسان کی غلط سوچ کے سبب جنم لیتی ہیں اور سوچ کی سمت درست کر لی جائے تو عمل کی راہیں از خود بہتری کی جانب چل پڑتی ہیں اور زندگی سہل ہو جاتی ہے، بس آزمائش شرط ہے۔

☆☆☆

جیت یا مات

قرۃ العین سکندر

صبح کی پہلی کرن نمودار ہو چکی تھی، کاسنی شعاعیں کھڑکی کی درزوں سے چھلکتی ہوئی اب سارے کمرے کو منور کر رہی تھیں، نماز فجر اور وظائف کے بعد وہ اب فارغ تھی، رب العزت سے صبح سویرے راز و نیاز کرنا اس کو بے حد بھلا لگتا تھا، یہ تو برسوں پرانی عادت تھی اب اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ وہ اٹھتے بیٹھتے رب باری تعالیٰ سے محو گفتگو رہا کرتی تھی، اس نے قرینے سے تسبیح کو چوم کر رکھا تھا، پھر محرابی کھڑکی کا پٹ کھولا تھا، ہوا کے نمناک سرد جھونکے اس کے صبیح چہرے کو از سر نو تازگی کا احساس دلا گئے تھے، باہر بائیں جانب کھڑکی کی طرف لان کا منظر بے انتہا دلکشی سمیٹے تھا، پرندوں کی چہچہاہٹ گویا ذکر خداوندی میں محو ہوں، پھول ہوا کے دوش سے لہرا کر اپنے رنگ اور خوشبو سے فضا کو معطر کر رہے تھے، مختلف رنگ لئے یہ پھول آنکھوں کو بھلے لگ رہے تھے

چنبیلی کی روح پرور خوشبو کو اس نے اپنی سانسوں میں تحلیل کیا تھا، یہ سہانی سی صبح اسے احساس خود فراموشی میں مبتلا کر رہی تھی، وہ روزانہ صبح سویرے یونہی یک ٹک اس دلکش منظر کو اس ماحول کی طراوٹ کو اپنے قلب و جاں میں نقش کر لیا کرتی تھی، یہی لمحات اس کو خود شناسی کے احساس سے قریب تر کیا کرتے تھے، پھر سارا دن وہ خود ساختہ مصروفیات میں الجھی رہا کرتی تھی، اس نے اپنی آنکھوں میں اس خیرہ کر دینے والے دل موہ لینے والے منظر کو جذب کر کے کھڑکی سے ہٹ کر کمرے سے باہر سنگ مرمر کی لمبی روش جو سیدھ میں جاتی تھی قدم رکھے تھے، اس لمبی روش کو عبور کر کے اس نے راہداری میں قدم رکھا تھا، پھر دائیں جانب اس نے بی جان کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تھا، جو اس کی طرح صبح خیزی کی عادی تھیں، بی جان کا استخوانی وجود خداوند کریم

مکمل ناول



کے سامنے سربسجود تھا۔
تسبیح کے دانے گراتی ہوئی بی جان تسبیحات میں گم تھیں، حتی کہ انہوں نے اس کی آہٹ پر بھی کان نہ دھرے تھے، وہ بالکل خاموشی سے عقب میں رالونگ چیئر پر بیٹھی بی جان کی فراغت کا انتظار کرنے لگی تھی، اسے معلوم تھا کہ بی جان اس وقت سب بچوں کے لئے دعا گو ہوں گی، ان کی دعاوں کا محور مرکز ان کے بچے تھے، جس پر ان کی محبت شاہد تھی، دعاؤں میں شدت بھی اس سبب تھی کس کی پریشانی کس کا دکھ، کس کا اضطراب ان کے سجود کے طویل ہونے کا سبب بن جایا کرتے تھے، وہ اپنے بچوں کی خوشیوں اور آسودگی کے لئے دعا گو رہا کرتی تھیں، انہوں نے وظائف سے فراغت کے بعد پلٹ کر اسے دیکھا تھا، وہی ٹھنڈی میٹھی سی شفیق مسکان جو اس کے اندر تک ٹھنڈک و سیرابی کا سبب بن جایا کرتی تھی، صبح کی پہلی کرن کے ساتھ بھی اس حویلی میں زندگی پوری آب و تاب کے ساتھ دوڑنے لگتی تھی، بی جان کی خصلت کو اب تمام اہل خانہ اپنا چکے تھے، گھر بھر میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی تھی اور روزمرہ معمولات کی انجام دہی کا آغاز ہو جایا کرتا تھا۔

''جاگ گئی میری بٹیا رانی۔'' بی جان نے محبت پاش لہجہ میں پوچھا تھا، تو وہ بھی مسکرا کر رہ گئی تھی، پھر اس نے بی جان کی گردن میں اپنی نازک کلائیاں حمائل کر رہی تھیں۔
''میری پیاری بی جان، صبح سویرے آپ کا دیدار کرنا میرے لئے بے حد آسودگی کا باعث بن جاتا تھا۔'' وہ محبت سے بولی تھی۔
''میں بھی تو تم سب کے لئے جیتی ہوں۔'' بی جان نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھ چوم کر اپنی آنکھوں سے لگا لئے تھے، تبھی خانساماں نے کمرے کے دروازے کو ہولے سے کھسکا کر اصل مکین کے جاگ جانے کا یقین کرنا چاہا تھا، جبکہ برسوں سے بی جان کا یہی معمول تھا کہ چڑیوں کی چہچہاہٹ کے ساتھ ہی بی جان متحرک ہو جاتی تھیں، خانساماں مہر ماہ چائے لئے ٹی ٹرالی دھکیلتی اندر آن پہنچی تھی۔

''سلام بی جان!'' وہ ادب سے گویا ہوئی تھی، بی جان مبہم سا مسکرا دی تھیں۔
''سلام چھوٹی بی بی۔'' مہر ماہ نے رشنا کو بھی سلام کیا تو وہ مسکرا دی تھی۔
''آؤ مہر ماہ، ہمارے ساتھ تم بھی آج چائے پیو۔'' رشنا نے محبت و اپنائیت بھرے لہجے میں کہا تھا، مگر مہر ماہ اس گھرانے کی نمک خوار تھی، برسوں سے اس کی ماں اس کی نانی نے اس گھر کا نمک کھایا تھا، حدود و قیود ذہن نشین ہو چکے تھے، فاصلے ادب کے مرہون منت تھے، ادب کا تقاضا تھا کہ ایک مخصوص مقرر کردہ حد کی ناموس کا خیال رکھا جائے۔
''نہیں بی بی صاحب میں نے اب کہاں چائے پینی ہے میں کچن میں بیگم صاحبہ کا ہاتھ بٹا رہی ہوں۔'' وہ مودب انداز میں سر جھکائے واپسی کے لئے مڑ گئی تھی، رشنا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی، وہ ساری بات بخوبی سمجھ چکی تھی۔

بی جان کو چائے کا کپ تھما کر وہ بھی چائے کی چسکیاں لینے لگی تھی، بی جان اور وہ دونوں نفوس بالکل خاموشی سے کمرے میں موجود ہو کر بھی اپنی اپنی سوچوں میں دور سفر میں محو پرواز تھے، بی جان گھر میں ہونے والے مسائل کے لئے تفکر زدہ تھیں، جبکہ رشنا کو اب اس کے بعد فوری طور پر کالج کے لئے روانگی پکڑنی تھی، کیونکہ فراز بھائی نے اسے کالج جاتے ہوئے ہی

چھوڑ کر اپنے آفس کا رخ اختیار کرنا تھا، وہ ٹرالی لئے کچن کی جانب آ گئی تھی، جہاں ندرت بیگم خانساماں کے ساتھ ناشتے کی تیاری میں جتی ہوئی تھیں۔

''السلام علیکم تائی امی۔'' اس نے سلام کیا تو ندرت بیگم نے سرسری نگاہ اس پر ڈال کر سر کو اثبات میں ہلا کر نامحسوس انداز میں جواب دیا تھا۔

صبح کا وقت یونہی ہڑبونگ لئے ہوتا تھا، افراتفری کا عالم ہوا کرتا تھا، ناشتے کی لمبی میز انواع و اقسام کے ناشتے سے مزین ہو کر وقت مقررہ پر سج جاتی تھی۔
اہل خانہ سب اپنی الگ الگ بولیاں بولتے تھے، سب کی ہی الگ فرمائش ہوا کرتی تھی، کس کو بریڈ آملیٹ چاہیے ہوتا تھا، کسی کو خستہ پراٹھے اور کسی کو حلوہ پوریاں، بی جان پرہیزی کھانا کھاتی تھیں، ناشتہ بھی سادہ سے دال دلیہ پر مبنی ہوا کرتا تھا، کس کو اپنی ڈائیٹنگ کا خیال ستاتا تو وہ پراٹھے کھانے سے منکر ہو کر سادہ سی بریڈ لے لیتا تھا، بچے صبح ہی چلی کارلک ایگ نوڈلز اور کبھی چکن اسپگھٹی کی فرمائش جڑ دیتے تھے۔
''تم تیار ہو جاؤ پھر بعد میں ناشتہ رہ جائے گا۔'' وہ سرد لہجے میں بولی تھیں۔
''میں کروا دیتی ہوں مدد۔'' وہ واقعی اس وقت ان کی مدد کرنے کی نیت سے آئی تھی۔
''رہنے دو، سنبل آ رہی ہو گی، لو آ گئی۔'' تبھی اس نے عقب میں سنبل بھابھی کو دیکھا تھا، تھکن زدہ چہرہ لئے سنبل بھابھی کچن میں وارد ہوئیں تھیں، رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے اس وقت ان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور تھکن ان کے چہرے سے ہویدا تھی، مگر وہ کہاں اف کرنے والوں میں سے تھی، بالکل سپاٹ چہرہ لئے کاموں میں جت گئی تھی، وہ تاسف سے واپس مڑ گئی تھی، یوں بھی گھر کے کام کسی حد تک آپس میں بانٹ ہی دیئے گئے تھے شام کو سنبل بھابھی کس حد تک فری ہوا کرتی تھیں اور شام کی ذمہ داری از خود رشنا لے لیتی تھی، پھر فراز بھائی اسے کالج چھوڑ کر آگے آفس کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔

☆☆☆

عثمان ہاؤس میں عثمان صاحب کا حکم چلتا تھا، بی جان کے دو ہی بیٹے تھے، عثمان اور پھر ریحان عثمان صاحب کے بچے فراز، شاہ میر، فاریہ تھے، جبکہ ریحان کے بچے کاشان اور رشنا تھے۔
زہرہ بیگم بھی اکلوتی بیٹی ہونے کے ناطے علیحدہ پورشن میں اپنے بچوں سمیت قیام پذیر تھیں۔
زاہد صاحب اور زہرہ بیگم یہیں رہائش پذیر تھے، اس کی بنیادی وجہ ایک تو بی جان کی ازلی محبت تھی، ان کا دل زہرہ بیگم کے لئے بے حد گزار تھا اور پھر جب سے زاہد صاحب فالج کے بعد بستر تک محدود ہو کر رہ گئے تھے، ایسے حالات میں عثمان صاحب نے اپنی ہمشیرہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی وسیع و عریض حویلی کو چھوڑ کر یہیں، اپنے بھائیوں کے ساتھ رہائش پذیر ہو جائیں، کیونکہ وہ اکیلی کہاں ہاسپٹل کے چکر لگاتی رہیں گی اور پھر ازمیر ان کا اکلوتا بیٹا تھا، اس قدر وسیع گھر کی قطعی حاجت نہ تھی، اس کو بیچ باچ کر انہوں نے وہ ساری رقم بینک میں جمع کروا دی تھی، کچھ رقم علاج معالجے میں اٹھ گئی تھی، باقی انہوں نے ازمیر کے تعلیمی سلسلے کے بعد اس کے کاروبار کے لئے وقف کر دی تھی، کل کلاں جب بھی کاروبار کے لئے رقم کی ضرورت پڑتی وہ اس خطیر رقم سے

اپنا بزنس اسٹارٹ کر سکتا تھا، گھر میں ابھی مروت بھرم اور رشتوں کو نبھانے کا سلسلہ اگر باقی تھا تو وہ صرف اور صرف بی جان کے مرہون منت تھا، کھانے کے اوقات میں سب اہل خانہ اکٹھے ہوا کرتے تھے کہ بی جان کے بقول۔

''مل بانٹ کر کھانے سے رزق میں فراوانی ہوا کرتی ہے، اللہ جنت نشین کرے میرے والد مرحوم کہا کرتے تھے، بچو جس گھر میں کھانے کے اوقات میں اپنائیت اور محبت اٹھ جائے، وہاں سے رزق بھی اٹھ جانے میں دیر نہیں لگا کرتی ہے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ یہ روایت اور یہ اچھی عادت تم سب میں راسخ ہو جائے، آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس سے فیض یاب ہوں، تم لوگ نہیں جانتے ہو کہ جب مل کر کھانا کھاتے ہو تو رحمت خداوندی کا نزول ہوا کرتا ہے، بابرکت رزق بڑھتا ہے اور یوں رزق میں اضافے کا سبب بن جاتا ہے۔''

اس لئے بی جان کا حکم من وعن تسلیم کیا جاتا تھا، بہ ظاہر اہل خانہ میں دلی قربت تھی، کوئی رنجشیں نہ تھی، مالی و معاشی مسائل بھی درپیش نہ تھے، مگر آنسہ بیگم کو ایک قلق رہا تھا کہ ندرت بیگم گھر گھرہستی میں اپنی راجدھانی بنائے رکھتی تھی، درحقیقت آنسہ بیگم نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جہاں وہ لاڈلی تھیں، زعم زدہ بت کی تراش خراش ہوتی رہی اور جب انہیں چھوٹے ہونے کے ناطے بڑوں کی تعظیم بجا لانا پڑی تو انہوں نے اس کو اپنا انا کا مسئلہ بنا ڈالا، ان کے نزدیک جی حضوری خوشامد کی مد میں آتی تھی اور وہ چاپلوسی کر کے کسی کا جی خوش نہ کر سکتی تھیں، ندرت بیگم کا بی جان سے محبت کا گہرا زاویہ آنسہ بیگم کے نزدیک محض دکھاوا تھا، مصنوعی انداز تھا، تصنع سے بھرپور اظہار کے درپردہ کسی گہرے تاثر کا کوئی جواز نہ تھا۔

جبکہ یہ سچ نہ تھا، ندرت بیگم جب بیاہ کر آئی تھیں تو انہوں نے بی جان کے ہر حکم کو نہ صرف سمجھا تھا بلکہ اس کی تکمیل بھی کی تھی، اب وہ بطور بڑی بہو اس کی تکمیل نسل در نسل آگے کروانے پر مامور تھیں، آنسہ بیگم کو ہر بات میں ''میں'' کی تکرار پسند تھی، بظاہر خشک مزاج کی حامل ندرت بیگم درحقیقت مساوات اور انصاف پسندی کی قائل تھیں، اس عہدے کے سربراہان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سب رشتوں کو درجہ بہ درجہ ساتھ ساتھ لے کر چل رہی تھیں، بڑوں کی ذاتی عداوت و چپقلش کا اثر بچوں میں قطعی نہ تھا، بچہ پارٹی اپنے ہی شغل میلے میں مشغول رہا کرتی تھی، سرشام کاشان فارزیہ اور رشنا دھما چوکڑی مچائے رکھتے تھے، شاہ میر بڑے ہونے کا کہہ کر اپنی من مانی چلانے کی سعی میں لگا رہتا تھا، فراز بھائی شادی شدہ ہونے اور دو بچوں سعدی اور ہادی کے بعد کسی حد تک سنجیدہ مزاج ہو چکے تھے، فراز بھائی کا وقت اب بچوں میں یا پھر بڑوں میں گزرتا تھا، سنبل بھابھی ندرت بیگم کی بڑی بہو ہونے کے ناطے ابھی سے ساری ذمہ داریوں کا طوق گلے میں ڈالے انہیں نبھانے میں ہلکان ہوتی رہتی تھیں، ندرت بیگم جہاں ہر کسی کے لئے نرم مزاج رویہ روا رکھتی تھیں وہاں اپنی ہی بہو کے لئے ان کا رویہ کس حد تک سخت ہوا کرتا تھا، وہ اپنی ترش و تلخ کلامی سے سنبل کا دل چھید دیا کرتی تھیں، اب بسا اوقات سنبل کی کانچ جیسی ٹوٹی ہوئی ہنسی میں کرب سما جاتا تھا، دو دو بچوں کی ذمہ داری میاں کے نخرے اور گھر کے کاموں کے بعد بھی وہ سب کو خوش کرنے میں کہیں بری طرح سے ناکامی کا شکار ہو چلی تھیں، کبھی کبھار ازمیر بھی ادھر کا چکر لگا لیا کرتا تھا، ورنہ عموماً ازمیر اپنی

پڑھائی کو لے کر بے حد سنجیدہ تھا، ازمیر اور رشنا کا اکٹھے ہی تعلیمی سلسلہ جاری تھا، لیکن ازمیر اس کے ساتھ جانے کی بجائے الگ یونیورسٹی جایا کرتا تھا۔

اسے اپنی ماں کو کسی قسم کے طعنہ زنی سے بچانا مقصود تھا وہ اپنی والدہ کے لئے کبھی مزید پریشانی کا سبب نہیں بننا چاہتا تھا، اس لئے اس کا روکھا سرد رویہ اس کے اپنے ہی ہم عمر کزنز کے ساتھ دوری کا سبب بن گیا تھا، زہرہ بیگم بھی بی جان کے لئے آ جایا کرتی تھیں، مگر ان کا پورشن یکسر علیحدہ تھا، کھانا پینا سب الگ تھا، وہ کس طور اپنے بھائیوں پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھیں اور ازمیر یہ سب حالات دیکھ اور سمجھ سکتا تھا، اس کی دلی آرزو تھی کہ جلد پڑھ لکھ کر وہ اپنی والدہ اور والد کے لئے آسودگی کا سبب بن جائے، اس کے والدین کی خوابوں کی تعبیر اس کے عمل سے منسلک تھی، اس کا اٹھایا ہوا کوئی ایک مثبت اور منفی قدم اس کے والدین کے لئے بے حد معنی خیز تھا اس لئے وہ محتاط رویہ رکھتا تھا۔

☆☆☆

سرمد جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس اطراف میں موجود ہجوم بیکراں میں کس شناسا کی تلاش میں تھا، ائیر پورٹ پر موجود بھانت بھانت کی شکلوں کے لوگ اپنے اپنے پیاروں کو تلاشتے نمناک نگاہوں سے مل رہے تھے، سرمد کئی سال بعد وطن واپس لوٹا تھا، پاسپورٹ اور کسٹم کی فارملٹیز کے بعد وہ اطراف میں لوگوں کے آپسی خلوص و اپنائیت کے اظہار کے مظاہرے ملاحظہ کر رہا تھا، اس نے ایک عرصہ کینیڈا میں تنہا گزارا تھا، اس کو یہ سب محبت کے خلوص کے مظاہرے محض ڈھکوسلہ لگ رہے تھے، وہاں سب روپے پیسے کے ناطے ہی ایک دوسرے کے قریب آتے تھے، ہر شے پر مقدم صرف پیسہ تھا، باقی سارے رشتے ہیچ تھے، تبھی اسے اپنی طرف بڑھتا ہوا اسد دکھائی دے گیا تھا، اسد کو دیکھ کر اس نے بھی والہانہ انداز میں اپنے چھوٹے بھائی کو گلے سے لگایا تھا۔

''کیسے ہو کتنا قد کاٹھ نکال لیا ہے؟'' وہ محبت سے بولا تھا۔

''آپ بھی تو پورے پانچ سال بعد وطن لوٹے ہیں گھر میں سب بے حد پرجوش ہیں، امی تو بضد تھیں کہ وہ بھی ساتھ آئیں گی، مگر میں نے کہا آرام سے گھر بیٹھیں یونہی تھکن ہو جائے گی، پھر آج کل کی فلائیٹ میں دیر سویر کا کوئی اندازہ نہیں رہتا ہے، میں لے آتا ہوں، آنا تو گھر ہی ہے ناں؟'' وہ مسکرا دیا تھا۔

اسد نے لپک کر بڑے بھائی کا سفری بیگ تھامنا چاہا تھا، مگر سرمد نے اسے روک دیا تھا۔

''رہنے دو میں خود اٹھا لوں گا۔''

سرمد کے لئے چھوٹے بھائی کے لہجے میں محبت ہی محبت پنہاں تھی، اسد نے بھی تعظیم میں اثبات میں سر ہلا دیا تھا، سرمد کے بیک سیٹ پر بیٹھتے ہی اسد نے کار کو اسٹارٹ کر کے سڑک پر رواں کر دیا تھا، بھاگتے ہوئے نظارے نظروں میں سماتے اور دل میں جاگزین ہو رہے تھے، سرمد کھڑکی سے باہر شہر کے دلفریب نظارے میں محو تھا۔

اتنے عرصے بعد اپنے وطن کی خوشبو اس کو مہکا رہی تھی، نجانے اس نے اتنا عرصہ کیسے تن تنہا کاٹ لیا تھا، اسے ماریا بھی یاد آئی تھی، وہ سبز آنکھوں والی ماریا جو اس پر بری طرح فریفتہ تھی، اس کے تعلیمی سلسلہ کے دوران اس کو متوجہ کرنے کا کوئی حربہ کوئی گر ایسا نہ تھا جو اس نے آزمایا نہ ہو، صبح سویرے سرمد جب جاگنگ کے لئے نکلا

تھا، تو ماریا بھی اپنے فلیٹ سے نکل آتی تھی، اس کے عقب میں اسے پکارتی ہوئی اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے وہ جانتا تھا کہ یہاں ہر طرح کی لڑکیاں تھیں، مگر اس کا تو مقصد اپنے گھر والوں کے لئے معاشی آسودگی پیدا کرنا تھا، اسے یہ بخوبی یاد تھا کہ اس کے باپ نے کس طرح اپنا پیٹ کاٹ کر اور اپنے گھر کی چھت کو گروی رکھ کر اسے باہر بھیجا تھا، وہ یہاں دل لگی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا، اس نے اپنی زندگی کا ایک مقصد اور لائحہ عمل مرتب کیا تھا۔

جس میں اولین ترجیح اس کی تعلیم تھی، تعلیم کے بعد وہ یہاں جاب کر سکتا تھا، اگرچہ وہ پارٹ ٹائم جاب کر رہا تھا، تاکہ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے اپنے والدین کے دکھوں پریشانیوں کا مداوا کر سکے، اس کے ذمے بے حد ذمہ داریاں تھیں، جبیں آپا کی شادی، اسد کی تعلیم اور پھر سبرینا کی تعلیم، یہ سب اسے ہی دیکھنا تھا، کیونکہ وہ گھر کا بڑا بیٹا تھا۔

وہ شروع سے ہی تعلیمی لحاظ سے بہت اعلیٰ کامیابی حاصل کرتا رہا تھا، پھر یہی اس کی خوبی اس کے لئے ایک آزمائش بن گئی تھی، اسے اپنوں میں رہنا اپنوں میں ماہ و سال تمام کرنا زیست کو بسر کرنا بھاتا تھا، مگر اسے اس کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک جانے کی آفر بے حد پر کشش لگی تھی، اس کے بعد وہ اپنے اہل خانہ کے لئے کچھ کر سکتا تھا، کما سکتا تھا، مالی حالات تبدیل کر سکتا تھا، جو ابا کی قلیل تنخواہ میں ممکن ہی نہ تھا، ابا ایک ٹیچر تھے، سرکاری ٹیچر جس کی تمام عمر محض جمع جوڑ میں ہی بسر ہو جاتی ہے اور عمر کے اختتام پر معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے، وہ جو عزت کا خواہاں رہا کرتا ہے، تعلیم کے فروغ کے بعد بھی محض روپے پیسے کی کمی اور مالی طور پر اونچائی کی مسند کو نہ چھونے کے سبب اپنی وقعت کھو بیٹھتا ہے، ان کو شاید روپے کی طلب تھی بھی نہیں، مگر فی زمانہ یہ ایک تلخ حقیقت تھی، بچوں کی تعلیم گھر کا اخراجات بجلی کا بل، سو طرح کے بکھیڑے اور آئے دن ریحانہ کی طبیعت خرابی کے سبب بھی بجٹ اپ سیٹ رہتا، ریحانہ بھی کیا کرتی دو دو جوان بیٹیوں کی شادی کا روگ لئے آئے دن بستر پر ڈھے جاتی تھی، جبیں کو پرائیویٹ بی اے کے بعد گھر میں تھی، ہر آنے والا رشتہ نہ تو اس کا متناسب قد کاٹھ دیکھتا نہ ہی اس کے سگھڑاپے کی طویل داستان سنتا، انہیں تو محض اس بات میں دلچسپی ہوا کرتی تھی کہ یہ گھر کتنے مرلے کا ہے، اس کے ابا کی آمدن کتنی ہے، مستقبل میں اس کے والدین کا اس کی شادی میں کیا کچھ دے کر رخصت کرنے کا ارادہ ہے، بعض تو منہ پر ہی دینے دلانے کا تقاضا کرنے لگتے تھے، کئی تو صاف کہہ دیتے۔

”بھئی ہمارا تو اکلوتا کماؤ پوت ہے، اس کی شادی کسی مالدار لڑکی سے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لڑکی آئے تو کم از کم گھر تو بھر دے اپنے جہیز سے، بھئی سچ تو یہ ہے کہ لڑکی نے خود ہی اوڑھنا پہننا ہوتا ہے، یہ سب اشیاء اس کے ہی زیر استعمال رہتی ہیں، محض اس کی ہی شان بڑھتی ہے کہ لڑکی خالی ہاتھ رخصت ہو کر نہیں آئی ہے، آپ جو دیں گے اپنی ہی بیٹی کو دیں گے، ہم پر کون سا احسان ہے۔“

مگر وہ کیا کہتی، ریحانہ لبوں پر قفل لگائے ٹکر ٹکر آنکھوں کو مٹکاتی اور اطراف کا جائزہ لیتی خواتین کو دیکھ کر کڑھتی رہتی تھی، پھر ان کے جانے کے بعد وہ اپنی قسمت کو کوسنے لگتی تھیں، کبھی اپنے میاں کو سنانے لگ جاتی تھی۔

”کیا قسمت پائی ہے اپنی تو جیسے تیسے زندگی

بسر ہو ہی گئی ہے اب میری بچیاں بھی یونہی تنگدستی میں زندگی بسر کریں گی، ارے میں تو کہتی ہوں کہ غریب سے غریب گھرانے کے لڑکے والے بھی آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں، کیا ضرورت انہیں پیوند کا ٹاٹ لگانے کی اور رہی بات غرباء کی تو ان میں سے اکثریت کو مزید کی ہوس طلب ہے، یا اللہ میری بچی کیا ساری عمر ماں کی دہلیز پر بیٹھی رہ جائے گی۔“

ریحانہ بیگم کا رونا دھونا جبیں بھی دوسرے کمرے میں دروازے کی آڑ میں سن رہی ہوتی تھی، گھر تھا ہی کتنا ایک کمرہ تھا جس میں بچیاں سوتی تھیں، دوسرا کمرہ بیٹھک کی طرز پر تھا، جسے دن میں مہمان خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور شام ہوتے ہی وہاں چارپائی بچھا کر ابا کا بستر لگا دیا جاتا تھا، سرمد اور اسد گرمیوں میں باہر صحن میں سو جاتے تھے، جبکہ سردیوں میں جہاں جگہ ملتی زمین پر گدا بچھا کر گزارا کر لیتے تھے۔

زندگی تو خیر کٹ ہی جاتی ہے مگر دوسرے لوگ بھی ہوتے ہیں جو دخل اندازی کر کے جینے کی نئی سوچ وا کر جاتے ہیں، مزید کی طلب اب اتنے ماہ و سال بعد ریحانہ تو اپنی کسی نفسانی طلب پر نہیں تھی، بلکہ یہ ایک لمحہ فکریہ تھا، جو اس کے حواس پر چھا چکا تھا، ماما کا تقاضا تھا کہ اب اپنی اولاد کے لئے سوچے، ان کے لئے کچھ کرے، قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے۔

پھر سرمد کے باہر جانے کے بعد قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا تھا، مگر کس حد تک عزت کے ساتھ جبیں کو رخصت کر دیا گیا تھا اور سبرینا یونیورسٹی میں پہنچ گئی تھی، اسے اعلیٰ تعلیم کا شوق تھا اور اس نے ابا کے منع کرنے پر بطور خاص سرمد کو کہا تھا فون پر کہ ابا کو منائے۔

اور سرمد کے کہنے پر ہی ابا نے اس کو یونیورسٹی جانے کی اجازت دے دی تھی، ورنہ ابا جو خود سکول میں ٹیچر تھے، اس کے لئے تعلیمی لحاظ سے سخت گیر باپ ثابت ہو رہے تھے، ان کو شاید خوف تھا کہ زمانے کے الگ ڈھنگ دیکھ کر سبرینا کے دل میں بھی اونچے خواب جڑ نہ پکڑ جائیں۔

اسد کالج جاتا تھا اور یوں اتنے سالوں بعد ریحانہ نے ایک دن اپنے آئے دن رہنے والی بیماری سے گھبرا کر سرمد کو واپس بلوا لیا تھا، سرمد ماں کو فون پر روتا دھوتا دیکھ کر تڑپ گیا تھا۔

برف کی سل تھی کوئی تو وہ تھا برف کا جو ماں کی حرارت سے پگھلنے لگا تھا، زمانے کی گردش سے اس میں تمام احساسات منجمد ہو چکے تھے، وہ ماما کی محبت بھرے تقاضے سے پھر پگھل گئے تھے، گھر آ گیا تھا اور سرمد سوچوں میں الجھا ہوا اپنا آشیانہ دیکھ کر چونک گیا تھا وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کار سے نیچے اترا تھا، ایک صاف ستھرے علاقے میں بنا لیا تھا، جس میں سب بچوں کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے تھے، کشادہ آنگن تھا، ریحانہ بیگم نے ایک جانب کیاری میں اپنے من پسند پھول بھی لگوا لئے تھے، جو سارا دن آنگن کو مہکاتے رہتے تھے، چوکھٹ پر ہی ریحانہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ گلے سے لگا لیا تھا، آنسوؤں کا سیل رواں تھا، جو بہنے کو بے تاب تھا، آنسو مچل مچل کر باہر نکل رہے تھے، عابد صاحب نے بھی سرمد کو گلے سے لگا کر دعائیں دی تھیں، شیر جیسے بیٹے کو گلے لگا کر ان کا سینہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

”کتنے برسوں بعد ماما کے دل کو قرار ملا ہے، اللہ میں ترس گئی تھی اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لئے۔“ ریحانہ نے اداسی بھرے لہجے میں کہا تھا تو سرمد نے ان کے دونوں ہاتھوں کو لبوں سے چوم لیا تھا۔

”اب تو آ گیا ہوں ناں اماں۔“ سرمد نے

ہولے سے کہا تھا۔

''ہاں ہاں میرا بیٹا آ گیا ہے، آج میں نے سب کھانے اپنے بیٹے کے من پسند بنائے ہیں، جلدی سے منہ ہاتھ دھولے۔'' وہ محبت پاش لہجہ میں گویا ہوئی تھیں۔

''اماں ابھی تو میں صرف چائے پی کر سونا چاہتا ہوں، راستہ بے آرامی سے گزرا ہے، خیالات کی رو میں بہہ کر اب آرام کرنا چاہتا ہوں، تازہ دم ہو کر خوب باتیں کروں گا۔'' سرمد مسکرا دیا تھا اور پھر ریحانہ اسے کمرہ دکھانے لگیں تھیں۔

☆☆☆

نیلم نے تیزی سے صحن میں بکھرے پتوں کا ڈھیر چنا تھا، یہاں قریبی خالی پلاٹ میں درختوں کی بہتات تھی، جس میں سے کچھ درختوں کی شاخیں ادھر گھر کی جانب جھکتی تھیں، ہوا کے دوش کے ساتھ ہی یہ پتے لہرا کر گر جاتے تھے اور شام تک ان پتوں کا ایک انبار جمع ہو جایا کرتا تھا، اگرچہ دوپہر کو چلچلاتی دھوپ کے سبب وہ یہاں صحن میں پتے نہ اٹھا پاتی تھی، مگر شام سے ذرا قبل ضرور صفائی کر لیا کرتی تھی، اس وقت بھی وہ ماموں میاں کے آنے سے پہلے پہلے یہ صفائی کر لینا چاہتی تھی، ورنہ ماموں میاں کو پتوں کی چرچراہٹ اور چرمر ہونا سخت ناگوار خاطر گزرتا تھا، ذکیہ مامی تو دوپہر کے کھانے کے بعد سے سوئی ہوئی تھیں اور سندس کے آج کل مزاج ہی نہ ملتے تھے، جب سے اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا وہ یونہی نخرے دکھاتی رہتی تھی۔

دوپہر میں سوتی ہو یا نہ سوتی ہو، مگر تھکن زدہ انداز اس کے ایسے ہوتے تھے کہ کوئی کام نہ تو وہ صبح سویرے جانے سے قبل کیا کرتی تھی اور نہ ہی واپسی پر اس کا کوئی ارادہ ہوتا تھا، مامی ذکیہ کا سارا زور نیلم پر ہی چلتا تھا، ایک تو نیلم کا ان کے نزدیک پرسان حال ہی کوئی نہ تھا، صرف لے دے کر ایک نانی تھیں، جو آج کل اپنی دوسری بیٹی کے گھر گئی تھیں، نیلم کی والدہ کی وفات ہو چکی تھی، اس کے بابا نے دوسری شادی کر لی تھی، ان کی بیرون ملک ملازمت تھی، پہلے سال میں ایک مرتبہ آتے تھے جب انہیں نیلم کی آمد کی اطلاع ملی تو بھی مہینے بعد چند دنوں کے لئے آنا ہوا تھا، اس کے بعد وہ واپس پلٹ گئے تھے اور اب عرصہ بعد جب نیلم سکول جانے لگی تھی وہ واپس لوٹے تھے، نیلم کے انداز و اطوار میں اپنے بابا کے لئے ایک فطری جھجک اُڈ آئی تھی، جس کی بنیادی وجہ برسوں بعد کی ملاقات تھی، اس مرتبہ بھی وہ زیادہ دیر کے لئے نہ رکے تھے اور جلد ہی واپسی کے لئے روانہ ہو گئے تھے اور اس کو اپنی والدہ کے کھو جانے کا قلق دل میں اندر ہی اندر کچوکے لگا رہا تھا اس نے برسوں بعد اس انسان کو دیکھا تھا جو رشتے میں اس کا باپ تھا، مگر اس شخص نے محض روپے پیسے کو بھی کافی سمجھا تھا، شاید چند سکوں کے عوض وہ اپنی ساری ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہو گئے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہاں پاکستان میں مقیم رشتے ناطے محض ان کے روپے پیسوں کے ہی طلبگار تھیں، مزید ساری ضرورتیں دم توڑ گئی تھیں۔

نیلم کی والدہ نے دکھ سکھ کا سارا وقت یونہی کاٹا تھا، اداسی تو جیسے ان کے رگ و پے میں سرائیت کر چکی تھی، ان کا خاموش سا انداز ہوا کرتا تھا، پھر ایک دن اسی خاموشی سے وہ رخصت ہو گئی تھیں، مجبوراً اس کے والد کو برسوں بعد وطن واپس لوٹنا پڑا، شاید نیلم کی ذمہ داری کا خوف دامن گیر نہ ہوتا، یا شاید نانی کا خط اور فون ان کو نہ ملتا تو کبھی نہ آتے، مگر ان کے آنے سے بھی کون سا حالات میں تبدیلی رونما ہونی تھی، وہ جہاں تھی [illegible]

[illegible] رہیں گی۔

''بیٹا میری خواہش تو ہے کہ تمہیں ساتھ لے جاؤں مگر ایسا ممکن نہیں ہے، میں نے تمہاری ماں کو کچھ عرصہ قبل ہی بتا دیا تھا کہ اب میں شاید کبھی تم لوگوں کو نہ بلا سکوں گا۔'' نیلم بے یقینی کے دھانے پر کھڑی اپنے والد کو دیکھ رہی تھی۔

''میں چاہتا تو ہوں کہ بلا لوں، مگر اب دیر ہو چکی ہے، میری شادی کو وہاں ایک عرصہ دراز ہو چکا ہے، یہاں پاکستان میں واپسی کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے، میں نے تمہاری نانی سے بات کی ہے کچھ رقم ہر ماہ بھیجتا رہوں گا، تمہیں مالی لحاظ سے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا ہوں گے، بلکہ تعلیمی لحاظ سے تم بے فکری سے اپنی سرگرمی جاری رکھ سکتی ہو۔''

وہ نہ جانے اور کیا کچھ بولتے جا رہے تھے، ڈھارس بندھا رہے تھے، اسے بتا رہے تھے کہ وہ اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھے اور جب بھی پیسوں کی ضرورت ہو وہ اپنے والد کو خط لکھ دے یا فون کر [illegible]

[illegible] یا اس کا اپنے باپ سے محض روپے کا [illegible] باقی رہ گیا ہے؟'' سوالیہ نشان تھا جو اس کے دماغ میں گونج رہا تھا، وہ تنہا تھی یا نہیں اس کا احساس اب اس کے والد کو نہ تھا، جس کے سر سے ماں کی ممتا کی چادر چھین لی گئی تھی اور اب اسے [illegible] کا اصل راز معلوم ہوا تھا، عورت بے حد مضبوط [illegible] ہر طرح کے حالات سے [illegible] مگر جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا واحد آسرا اس کا سر کا سائیں ہی اس رشتے میں کھوٹ کر رہا ہے تو وہ اندر ہی اندر ٹوٹ جاتی ہے۔

وہ ماموں اور ممانی کی ذمہ داری بن گئی تھی، بوجھ کی طرح لاد دی گئی تھی، جب تک نانی ادھر ہی رہتی تو اگر بہت عمدہ نہیں تو بہت ناروا سلوک بھی نہ ہوتا تھا اہل مکین کا، مگر جب نانی اپنی بڑی بیٹی کے گھر رہنے چند دنوں کی نیت سے جاتی تھیں واپسی سے قبل یہاں نیلم ایک ایک دن ان کے انتظار میں کاٹتی تھی، زندگی میں جیسے جمود سا آ گیا تھا، روپے پیسے تو ہر ماہ باقاعدگی سے مل جایا کرتے تھے، مگر وہ بھی ماموں میاں سے ممانی ذکیہ لے لیا کرتی تھیں۔

''ارے لڑکی ذات ہے بگڑ جائے گی، ہم جو ہیں اس کے بڑے، خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کبھی گن گن کر اس کے لقمے نہیں دیکھے اور نہ دیے، جتنا مرضی کھائے کوئی ناپ تول تھوڑی کرتی ہوں اور پھر یہ روپے ہم کو ہی دراصل بھجواتے ہیں بھائی صاحب سو طرح کے اخراجات ہیں، اتنا تحفظ اتنے آرام میں رہ رہی ہے، کہیں جا کر اتنی رقم میں رہ کر دکھا دے، کوئی بھی دست شفقت سر پہ نہ رکھے گا، یہ تو میں ہوں جسے خوف خدا ہے۔''

حالانکہ ذکیہ ممانی کو خوف خدا نہ تھا، محض ہر ماہ بیرون ملک سے آنے والی خطیر رقم کا لالچ تھا، ہر ماہ آنے والی رقم میں سے آدھی رقم انہوں نے اپنی پڑوسن کے ساتھ کمیٹی ڈال لی تھی، کتنے عرصے سے ان کی تمنا تھی کہ وہ بھی کمیٹی ڈالیں اور اپنی بیٹی سندس کی شادی دھوم دھام سے کریں، مگر حالات اور حیثیت ایسی نہ تھی کہ وہ اپنی اس تشنہ خواہش کو مکمل کر سکتی، مگر اب جبکہ نیلم کے توسط سے ایک اچھی خاصی معقول رقم مل رہی تھی تو پھر اس کار خیر کا جواز ہی نہ تھا۔

نیلم صفائی سے فارغ ہوئی تھی جب ماموں داخلی گیٹ سے اندر داخل ہوئے تھے، انہوں نے ایک طائرانہ نگاہ صحن پر ڈالی تھی اور ہنکارا بھر کر آگے بڑھ گئے تھے۔

نیلم کی ساری کارگزاری کے لئے ایک لفظ

حوصلہ افزائی کا ان کے لبوں سے ادا نہ ہوا تھا، اندر ہی اندر نیلم کے اندر ایک لاوا پک رہا تھا، وہ اپنوں کی نارسائی کا کرب سہہ رہی تھی، سب سے زیادہ تلخی تو اس کے اندر اس کے اپنے والد کے تلخ سچ نے گھولی تھی، اس کا تو زندگی سے جیسے گزارنے کا صرف ایک فریضہ تھا جسے مر کر ادا کرنا تھا۔

''نیلم او نیلم کہاں مرگئی ہے جلدی آ۔'' اندر سے ذکیہ ممانی کی کرخت آواز سن کر وہ تیزی سے اندر بڑھی تھی۔

''کیا تم نے شکایت لگائی تھی اپنے بابا سے؟'' ذکیہ بیگم کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنے کمر پر ہاتھ رکھے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''جی میں نے، میری تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہے۔'' وہ متعجب ہوئی تھی۔

''پھر بار بار یہ کیوں کہہ رہے ہیں فون پر کہ میری بیٹی کو سیل فون لے کر دو، اب تمہیں فون کی بھلا کیا ضرورت ہے گھر میں فون ہے جب چاہو تم سندس سے فون لے لیتی ہو، پھر یہ نیا کیا معاملہ ہے، لڑکی کا معاملہ ہے، لڑکی ذات کو سنبھالنا پالنا پوسنا کیا اتنا ہی سہل ہے، صاف انکار کر دو کہ تمہیں خود ہی فون کی ضرورت نہیں ہے۔'' ذکیہ ممانی نے زہر خند لہجہ میں کہا۔

وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تھی، ممانی کے سامنے اسے ہر حال میں ہر بات کے لئے ہاں میں ہاں ملانا لازمی تھا، معاً کمرے میں سندس داخل ہوئی تھی اور کمرے میں چھائے مہیب سناٹے کی اصل وجہ جاننے سے قاصر تھی، تبھی سب کے چہروں پر چھائی گہری سنجیدگی ملاحظہ کرتی ہوئی ڈائننگ ٹیبل سے اس نے سیب اٹھا کر اس کو کھانا شروع کر دیا تھا۔

''کیا بات ہے امی اب کیا ہوا ہے؟'' سندس نے بے زاری سے کہا تھا، اسے کسی حد تک نیلم سے چڑ تھی اور جب سے اس کے بابا نے نیلم کو اس کے ہی ساتھ یونیورسٹی بھیجنے پر زور دیا تھا، تب سے وہ مزید ضدی ہوگئی تھی۔

اکیلے ہی چلی جاتی تھی اور اسے بعد میں دو بسوں کے دھکے کھا کر آنا پڑتا تھا، مارے باندھے اسے تین پیریڈ ملتے تھے، صبح سویرے سارے گھر بھر کی صفائی ستھرائی کے بعد ہی اسے یونیورسٹی روانگی کی اجازت ملتی تھی، حتیٰ کہ وہ دوپہر کا کھانا تک بنا کر رخصت ہوا کرتی تھی اور اسے وہاں لائبریری میں یا وہاں یونیورسٹی میں نوٹس بنانے یا اضافی وقت گزارنے کی اجازت نہ تھی، وہ اپنی کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد سیدھا گھر روانہ ہو جاتی تھی، وہاں بھی سندس اس سے بالکل اجنبیت کا رویہ رکھتی تھی، نہ ہی اس نے وہاں کسی سے اس بات کا ذکر تک کیا تھا کہ نیلم اس کی کزن ہے، لاتعلقی کا اظہار کرتی تھی، بقول اکثر اس کے سامنے سے گزر جایا کرتی سندس۔

''میں چاہتی ہوں دنیا مجھے میری اپنی پہچان کے ساتھ پہچانے۔'' اس کے ساتھ اس کے لئے سندس کا رویہ بھی اس بات کا ہتک آمیز ہوا کرتا تھا، وہ دل میں رب باری تعالیٰ کی شکر گزار بھی ہوتا، سندس کا سلوک گو جیسا بھی تھا یہاں کھلی فضا میں [illegible] تھے اس کی زندگی میں جب وہ [illegible] کے ساتھ سانس لے سکتی تھی، اس کی اپنی [illegible] تھی، اپنی دوست تھیں اور سندس کا اپنا [illegible] احباب تھا، نیلم اس بات سے مطمئن تھی کہ اس کا سندس سے سامنا کم سے کم ہوا کرتا تھا۔

''نئی بات سن لو اب موبائل فون کی ضرورت [illegible] پڑ گئی ہے اس بی بی جی کو پہلے اعلیٰ تعلیم کا ڈھکوسلہ اب موبائل فون کی ضرورت پڑ گئی ہے۔'' ذکیہ ممانی کی بات پر سندس نے استہزائیہ انداز میں نیلم پر ایک گہری نگاہ ڈالی تھی۔

''لو جی اب تو تقاضے بڑھنے ہی لگے ہیں۔'' سندس نے تلخی سے کہا تھا۔

عابد صاحب نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی، یوں معاملہ رفع دفع ہو گیا تھا اور اس کے باوجود ان لوگوں نے نیلم کو کئی آنے والے دنوں میں زچ کر کے رکھا تھا۔

نیلم کو اب شدت سے نانی کی واپسی کا انتظار تھا، جو دوسرے شہر جا کر بیٹھ ہی گئی تھیں، نانی ہی تو تھیں جن سے وہ دل کی ہر بات کہہ دیا کرتی تھی، یا پھر یونیورسٹی میں اس کی دوست رشنا تھی، رشنا سے وہ اپنے دل کی ہر بات کہہ دیا کرتی تھی، حتیٰ کہ اس نے غائبانہ سندس کا تعارف بھی کروا دیا تھا، رشنا اس کے گھریلو حالات جان کر بے حد تاسف میں گھر گئی تھی۔

''تمہارے حالات سن کر میرا دل دکھ سے بھر جاتا ہے کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی۔'' رشنا کا دل بے حد نازک تھا، احساسات سے بھرا دل جو کسی کی بھی دکھی اور آزردگی میں دل کو گہرے پاتال میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا کرتی تھی اور نیلم اسے دیکھ کر مسکرا دیا کرتی تھی۔

''جانتی ہو رشنا جب تم اپنے بابا جان کا اپنی اماں کا ذکر کرتی ہو، اتنا یقین مان اتنا بھروسہ ہوتا ہے تمہارے لہجے میں کہ مجھے رشک آتا ہے تم پر میرے نصیب کی خوشیاں نجانے کہاں گم ہو گئی ہیں، سارا دن مامی اور ماموں کی باتیں سن کر تھکی ہوں، صلے میں کچھ بھی تو نہیں ملتا سوائے طعنوں تشنوں کے۔'' نیلم کا لب و لہجہ یاسیت میں ڈوبا ہوا تھا۔

''نیلم وقت اور حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے ہیں، دیر سویر تمہارے حالات ضرور تبدیل ہو جائیں گے، بس تم ہمت نہ ہارنا۔'' رشنا سوائے تشفی دینے کے اور کر بھی کیا سکتی تھی، جبکہ وہ پھیکی سی مسکان لبوں پر سجائے کسی خلائی نقطے پر نگاہیں مرکوز کیے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

''ارے میری بچی تو کملا کر رہ گئی ہے۔'' نانی کی اتنے دنوں بعد آمد پر وہ خود بھی نہال ہو رہی تھی۔

''اتنا تو کھاتی ہے مفت کی روٹیاں توڑتی رہتی ہے اور آپ کو ابھی بھی کمزور لگ رہی ہے مجال ہے جو کبھی اپنی پوتی کے لئے بھی اس طرح کے جذبات کا اظہار کیا ہو آپ نے۔'' عقب سے ذکیہ بیگم نے آکر سنگ دلی کی انتہا کر دی تھی، پھر نانی جان خاموش ہوگئی تھیں، کیسے کہہ دیتی کہ سندس کا تو یہ اپنا ہی گھر تھا، اپنا آشیانہ تھا، نیلم ایک ایسا گلاب تھا جو اپنی سرزمین سے اکھاڑ کر نئے سرے سے نئے ماحول میں ڈھالنے کی سعی کی جا رہی تھی، مگر ہر بات کہہ دینے کے لئے کہاں ہوا کرتی ہے، کئی باتوں کو جی ہی جی میں دبا کر زیست بتانی پڑتی ہے، ورنہ زندگی کا بوجھ ڈھونا مصیبت بن جاتا ہے، وہ عمر کے اس دور سے گزر رہی تھیں جہاں پر انہیں اپنے بڑھاپے کے اس آخری دور میں اپنی اولاد کے آگے سرنگوں ہو کر جینا تھا، وہ اپنی بڑی بیٹی کے پاس کس خوشی میں نہیں جایا کرتی تھی، مجبوری ان کو وہاں لے جاتی تھی، اتنے دن ایک جگہ رہ کر گھٹن ان کے اندر ہی اندر بڑھنے لگتی تھی، اگرچہ یہ ان کے اپنے بیٹے کا گھر تھا، مگر یہاں ان کے لئے جگہ بہت کم تھی، جب دلوں میں وسعت اور کشادگی نہ رہے تو پھر

حوصلہ افزائی کا ان کے لبوں سے ادا نہ ہوا تھا، اندر ہی اندر نیلم کے اندر ایک لاوا پک رہا تھا، وہ اپنوں کی نارسائی کا کرب سہہ رہی تھی، سب سے زیادہ تلخی تو اس کے اندر اس کے اپنے والد کے تلخ سچ نے گھولی تھی، اس کا تو زندگی سے جیسے گزارنے کا صرف ایک فریضہ تھا جسے مر کر ادا کرنا تھا۔

''نیلم او نیلم کہاں مر گئی ہے جلدی آ۔'' اندر سے ذکیہ ممانی کی کرخت آواز سن کر وہ تیزی سے اندر بڑھی تھی۔

''کیا تم نے شکایت لگائی تھی اپنے بابا سے؟'' ذکیہ بیگم کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنے کمر پر ہاتھ رکھے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''جی میں نے، میری تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہے۔'' وہ متعجب ہوئی تھی۔

''پھر بار بار یہ کیوں کہہ رہے ہیں فون پر کہ میری بیٹی کو سیل فون لے کر دو، اب تمہیں فون کی بھلا کیا ضرورت ہے گھر میں فون ہے جب چاہو تم سندس سے فون لے لیتی ہو، پھر یہ نیا کیا معاملہ ہے، لڑکی کا معاملہ ہے، لڑکی ذات کو سنبھالنا پالنا پوسنا کیا اتنا ہی سہل ہے، صاف انکار کر دو کہ تمہیں خود ہی فون کی ضرورت نہیں ہے۔'' ذکیہ ممانی نے زہر خند لہجہ میں کہا۔

وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تھی، ممانی کے سامنے اسے ہر حال میں ہر بات کے لئے ہاں میں ہاں ملانا لازمی تھا، معاً کمرے میں سندس داخل ہوئی تھی اور کمرے میں چھائے مہیب سناٹے کی اصل وجہ جاننے سے قاصر تھی، تبھی سب کے چہروں پر چھائی گہری سنجیدگی ملاحظہ کرتی ہوئی ڈائننگ ٹیبل سے اس نے سیب اٹھا کر اس کو کھانا شروع کر دیا تھا۔

''کیا بات ہے امی اب کیا ہوا ہے؟'' سندس نے بےزاری سے کہا تھا، اسے کسی حد تک نیلم سے چڑ تھی اور جب سے اس کے بابا نے نیلم کو اس کے ہی ساتھ یونیورسٹی بھیجنے پر زور دیا تھا، تب سے وہ مزید ضدی ہو گئی تھی۔

اکیلے ہی چلی جاتی تھی اور اسے بعد میں دو دو بسوں کے دھکے کھا کر آنا پڑتا تھا، مارے باندھے اسے تین پیریڈ ملتے تھے، صبح سویرے سارے گھر بھر کی صفائی ستھرائی کے بعد ہی اسے یونیورسٹی روانگی کی اجازت ملتی تھی، حتی کہ وہ دوپہر کا کھانا تک بنا کر رخصت ہوا کرتی تھی اور اسے وہاں لائبریری میں یا وہاں یونیورسٹی میں نوٹس بنانے یا اضافی وقت گزارنے کی قطعی اجازت نہ تھی، وہ اپنی کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد سیدھا گھر روانہ ہو جاتی تھی، وہاں بھی سندس اس سے بالکل اجنبیت کا رویہ رکھتی تھی، نہ ہی اس نے وہاں کسی سے اس بات کا ذکر تک کیا تھا کہ نیلم اس کی کزن ہے، لاتعلقی کا اظہار کرتے وہ اکثر اس کے سامنے سے گزر جایا کرتی تھی، بقول سندس۔

''میں چاہتی ہوں دنیا مجھے میری اپنی ایک پہچان کے ساتھ پہچانے۔''

اس لئے سندس کا رویہ اس کے ساتھ نہایت ہتک آمیز ہوا کرتا تھا، وہ بھی اس بات پر دل ہی دل میں رب باری تعالیٰ کی شکر گزار تھی، ورنہ سندس کا سلوک جو جیسا یہاں ہوتا، یہی چند لمحات تھے اس کی زندگی میں جب وہ کھلی فضاؤں میں آزادی کے ساتھ سانس لے سکتی تھی، اس کی اپنی گیدرنگ تھی، اپنی دوست تھیں اور سندس کا اپنا علیحدہ حلقہ احباب تھا، نیلم اس بات سے مطمئن تھی کہ وہاں اس کا سندس سے سامنا کم سے کم ہوا کرتا تھا۔

''نئی بات سن لو اب موبائل فون کی

ضرورت پیش آ گئی ہے اس بی بی جی کو پہلے اعلیٰ تعلیم کا ڈھکوسلہ اب موبائل فون کی ضرورت پڑ گئی ہے۔'' ذکیہ ممانی کی بات پر سندس نے استہزائیہ انداز میں نیلم پر ایک گہری نگاہ ڈالی تھی۔

''لو جی اب تو تقاضے بڑھنے ہی لگے ہیں۔'' سندس نے تلخی سے کہا تھا۔

عابد صاحب نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی، یوں معاملہ رفع دفع ہو گیا تھا اور اس کے باوجود ان لوگوں نے نیلم کو کئی آنے والے دنوں میں زچ کر کے رکھا تھا۔

نیلم کو اب شدت سے نانی کی واپسی کا انتظار تھا، جو دوسرے شہر جا کر بیٹھ ہی گئی تھیں، نانی ہی تو تھیں جن سے وہ دل کی ہر بات کہہ دیا کرتی تھی، یا پھر یونیورسٹی میں اس کی دوست رشنا تھی، رشنا سے وہ اپنے دل کی ہر بات کہہ دیا کرتی تھی، حتی کہ اس نے غائبانہ سندس کا تعارف بھی کروا دیا تھا، رشنا اس کے گھریلو حالات جان کر بے حد تاسف میں گھر گئی تھی۔

''تمہارے حالات سن کر میرا دل دکھ سے بھر جاتا ہے کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی۔'' رشنا کا دل بے حد نازک تھا، احساسات سے بھرا دل جو کسی کی بھی دکھی اور آزردگی میں دل کو گہرے پاتال میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا کرتی تھی اور نیلم اسے دیکھ کر مسکرا دیا کرتی تھی۔

''جانتی ہو رشنا جب تم اپنے بابا جان کا اپنی اماں کا ذکر کرتی ہو، اتنا یقین مان اتنا بھروسہ ہوتا ہے تمہارے لہجے میں کہ مجھے رشک آتا ہے تم پر، میرے نصیب کی خوشیاں نجانے کہاں گم ہو گئی تھیں، سارا دن مامی اور ماموں کی باتیں سن کر تھکی ہوں، صلے میں کچھ بھی تو نہیں ملتا سوائے طعنوں تشنوں کے۔'' نیلم کا لب ولہجہ یاسیت میں ڈوبا ہوا تھا۔

''نیلم وقت اور حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے ہیں، دیر سویر تمہارے حالات ضرور تبدیل ہو جائیں گے، بس تم ہمت نہ ہارنا۔'' رشنا سوائے تشفی دینے کے اور کر بھی کیا سکتی تھی، جبکہ وہ پھیکی سی مسکان لبوں پر سجائے کسی خلائی نقطے پر نگاہیں مرکوز کیے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

''ارے میری بچی تو کملا کر رہ گئی ہے۔'' نانی کی اتنے دنوں بعد آمد پر وہ خود بھی نہال ہو رہی تھی۔

''اتنا تو کھاتی ہے مفت کی روٹیاں توڑتی رہتی ہے اور آپ کو ابھی بھی کمزور لگ رہی ہے مجال ہے جو کبھی اپنی پوتی کے لئے بھی اس طرح کے جذبات کا اظہار کیا ہو آپ نے۔'' عقب سے ذکیہ بیگم نے آ کر سنگ دلی کی انتہا کر دی تھی، پھر نانی جان خاموش ہو گئی تھیں، کیسے کہہ دیتی کہ سندس کا تو یہ اپنا ہی گھر تھا، اپنا آشیانہ تھا، نیلم ایک ایسا گلاب تھا جو اپنی سرزمین سے اکھاڑ کر نئے سرے سے نئے ماحول میں ڈھالنے کی سعی کی جا رہی تھی، مگر ہر بات کہہ دینے کے لئے کہاں ہوا کرتی ہے، کئی باتوں کو جی ہی جی میں دبا کر زیست بتانی پڑتی ہے، ورنہ زندگی کا بوجھ ڈھونا مصیبت بن جاتا ہے، وہ عمر کے اس دور سے گزر رہی تھیں جہاں پر انہیں اپنے بڑھاپے کے اس آخری دور میں اپنی اولاد کے آگے سرنگوں ہو کر جینا تھا، وہ اپنی بڑی بیٹی کے پاس کس خوشی میں نہیں جایا کرتی تھی، مجبوری ان کو وہاں لے جاتی تھی، اتنے دن ایک جگہ رہ کر گھٹن ان کے اندر ہی اندر بڑھنے لگتی تھی، اگرچہ یہ ان کے اپنے بیٹے کا گھر تھا، مگر یہاں ان کے لئے جگہ بہت کم تھی، جب دلوں میں وسعت اور کشادگی نہ رہے تو پھر

گھروں میں بھی نہیں رہتی ہے، وہ چاہ کر بھی کچھ نہ کر سکتی تھیں، اس لئے جب زندگی ان پر تنگ ہونے لگتی تھی تو وہ گھبرا کر نکل جایا کرتی تھیں، مگر واپسی پر وہی سارے منظر ان کے منتظر ہوا کرتے تھے

"جاؤ نیلم جا کر روٹیاں بناؤ، تمہارے ماموں کے آنے کا وقت ہو رہا ہے اور ہاں کھانا لگا دو تو سندس کو بھی بلا لینا وہ کب سے پڑھائی میں لگی ہے، دوپہر کو بھی اس نے ڈھنگ سے کھانا نہیں کھایا تھا۔" ذکیہ ممانی نے طنزیہ انداز میں اس سین کا اختتام کیا تھا۔

نیلم نے بے دلی سے کچن کا رخ کیا تھا، اس کے اندر ہی اندر کھولن بڑھتی جا رہی تھی، نیلم کو رشنا کا رکھ رکھاؤ اس کے ملبوسات اس کی بول چال سب یاد آتی تھی، دل میں ایک کسک سی اٹھتی تھی، اگر اس کے اپنے سگے باپ نے اسے حق دیا ہوتا تو آج وہ رشنا جیسی لائف اسٹائل نہ سہی کم از کم اس سے کم بھی نہ گزار رہی ہوتی، اس نے روٹیاں بیلتے ہوئے بے دلی سے سوچا کہ ابھی تو اس نے نانی سے ڈھیروں ڈھیر اکٹھی ہو جانے والی باتیں کرنی تھیں، دکھ سکھ بانٹنے تھے، مگر اس کا موقع ہی نہ مل سکا تھا۔

نانی نے کچن میں جھانکا تھا، وہ ہاٹ پاٹ میں روٹیاں رکھ رہی تھی اور پھر اس کے باہر کھانا دسترخوان پر لگا دیا تھا، نانی پرسوچ انداز میں اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھیں، رات کے وقت کسی وقت فراغت نصیب ہوئی تھی، تو اس نے نانی کی گود میں اپنا سر رکھ دیا تھا۔

"نانو میرا دل کرتا ہے سب کا دل توڑ دوں، جس طرح میرا دل روز ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے، جس طرح روز میرے احساسات پامال ہوتے ہیں میں بھی دوسرے کے احساسات کو مجروح کر دوں، نانی میرے اندر بہت سارا غصہ جمع ہو رہا ہے دھیرے دھیرے۔" نانی جو اس کے بالوں میں انگلیاں سہلا رہی تھیں بری طرح سے چونک گئی تھیں۔

"بٹیا یہ کیا بات ہوئی یہ تو بہت غلط بات کی ہے تم نے، بٹیا اگر دوسرے ہمارے ساتھ برا کریں تو ضروری نہیں ہے کہ ہم بھی دوسروں کے ساتھ ویسا ہی کریں۔" نانی نے چونک کر اسے ناصحانہ انداز میں سمجھانا چاہا تھا، مگر وہ تو جیسے سمجھ ہی نہیں رہی تھی، اس کے دل میں بہت سارا غصہ اکٹھا ہو چکا تھا، جسے باہر نکلنے کے لئے رستہ نہیں مل رہا تھا۔

"نانو میرے بابا نے ایسا کیوں کیا، وہاں کیوں شادی کر لی اور وہاں بچے بھی ہیں، یہ روگ میری ماں کو رفتہ رفتہ کھا گیا، انہوں نے کبھی نہیں سوچا کہ دو آنکھیں انتظار کی سولی پر ٹنگی ان کی راہ دیکھتی ہیں۔" اس کا لہجہ زخمی تھا، درد سے چور چور تھا۔

"بٹیا مقدر کے کھیل ہیں کیا کہہ سکتے ہیں۔" نانی نے بھی تاسف میں گھر کر کہا تھا اپنی بیٹی کا ذکر ان کے دل میں بھی درد و ٹیس بن کر اٹھتا تھا۔

"ہم کب تک قسمت کو کوستے رہیں گے، نانو انسان چاہے تو اپنی قسمت خود بنا سکتا ہے۔" وہ گہری سوچ میں گم ہو کر بولی تھی۔

"توبہ استغفار، نہ بیٹی قسمت تو رب سوہنا ہی لکھتا ہے اور کیا معلوم کیسے عرش سے فرش اور کسی کو فرش سے عرش تک پہنچا دے، یہ سب اس کی منشاء پر مبنی ہوتا ہے۔" نانی نے اسے ناصحانہ انداز میں کہا تھا۔

"نانی میں تو صرف کوشش کی بات کر رہی ہوں۔" وہ زچ ہو کر بولی تھی۔

"کوشش بھی تو حسب مقدر ہوا کرتی ہے، مقدر میں جتنی کوشش لکھی ہو اسی قدر ممکن ہے۔" شاید اب مزید بحث کا اس میں حوصلہ نہ رہا تھا۔

نانو کی گود سے اپنا سر اٹھا کر تکیے پر رکھ کر سونا اس بات کی علامت تھا کہ اس کو نانی کا بحث کرنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا، باقی سب کے لئے تو وہ ایک مشینی انداز میں زندگی بسر کر رہی تھی، مگر خود اس کے اندر جو جذبات کا جوار بھاٹا چلتا تھا وہ صرف نانو کے سامنے ہی عیاں ہوا کرتا تھا۔

☆☆☆

شاہ میر نے کچن میں جھانک کر دیکھا فاریہ اور رشنا کسی سرگرمی میں مصروف تھیں۔

"کیا ہو رہا ہے ڈیئر کزن؟" شاہ میر نے دلچسپی سے رشنا کو دیکھا جو اس وقت ماہر کک لگ رہی تھی، اس کے منہ پر میدہ لگا ہوا تھا اور پراسرار خاموشی کچن میں چھائی ہوئی تھی، جو کم از کم دو دو لڑکیوں کے ہوتے بالکل ناممکنات میں سے ہی تھا۔

"دکھائی نہیں دے رہا ہے۔" وہ نروٹھے پن سے بولی تھی۔

"جی جی دکھائی تو دے رہا ہے، آج ہم پر کوئی نئی آفت نازل ہونے والی ہے۔" وہ شوخی سے بولا۔

"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔" وہ خفگی سے بولی تھی۔

"بھئی جو کچھ بنا رہی ہو وہ ہمارے معدے میں بطور آزمائش منتقل ہو گا ناں۔" شاہ میر جانتا تھا کہ ہر ویک اینڈ پر رشنا فاریہ مل کر نئی کوئی ریسپی ضرور آزمائی تھیں۔

دولت کی ریل پیل تھی کسی قسم کی پابندی نہ تھی، جو بھی ریسپی کے لئے سامان درکار ہوتا اس کی لسٹ بنا کر منگوا لی جاتی تھی اور پھر وہ دونوں مل کر اس کو آزماتی تھیں کئی بار بہترین کھانے تیار ہو جاتے تھے اور کبھی کبھار سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

آج ان کا ارادہ کیک بنانے کا تھا، دراصل بہت جلد ہی کاشان کی سالگرہ آ رہی تھی، فاریہ اس مرتبہ چاہتی تھی کہ کاشان کی سالگرہ پر خود کیک بیک کرے، گھر میں سب کو ہی اس بات کا علم تھا کہ فاریہ اور کاشان ایک دوسرے کے لئے محبت رکھتے ہیں، اس میں زیادہ عمل دخل بڑوں کی کاران کی نسبت طے کرنے کی وجہ سے بھی تھا، اگرچہ باقاعدہ طور پر منگنی کی تقریب نہ ہوئی تھی مگر سب جانتے تھے کہ زبانی کلامی یہ رشتہ طے شدہ تھا۔

"باہر رم جھم بارش برس رہی تھی، خوشگوار سا موسم دیکھ کر فاریہ بی بی کا دل مچل گیا کچھ بنانے کے لئے سو منظر کی دلکشی میں اضافے کی نیت سے ہم کچن میں گھس گئے، اب میں نے پکوڑے بنائے ہیں اور ساتھ میں فاریہ نے کیک بیک کیا ہے، آپ باہر بیٹھیں ہم چائے لے کر آتے ہیں۔" وہ نرمی سے گویا ہوئی تھی، جانتی تھی شاہ میر کے جذبے اس کے لئے مختص ہیں، شاہ میر نے کبھی لفظوں کے جال نہ بنے تھے مگر اس کی نگاہوں کی مقناطیسیت اس کے لئے ہمیشہ اس کو اپنے حصار میں مقید کر لیتی تھی۔

شاہ میر میرون شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس لمبا چوڑا وجیہہ خوبرو لگ رہا تھا، اس کی سفید رنگت پر میں مقناطیسی کشش تھی، جو صنف مخالف کو اپنا اسیر کر لیا کرتی تھی، شاہ میر نے کبھی لفاظی کا سہارا نہ لیا تھا۔

جب بھی لڈو کا کھیل چل رہا ہوتا تھا، تو اس کو رشنا کی ہار منظور نہ ہوا کرتی تھی، جان بوجھ کر

ہار جاتا، جبکہ کاشان اور فاریہ اس دھاندلی پر ضرور لب کشائی کیا کرتے تھے۔

''یہ کیا ہے بھئی اس محترمہ کی کوئی خامی کوئی کمی نظر نہیں آتی ہے، ہم پر تابڑ توڑ حملے اور ہم ہار جاتے ہیں، یہ نکل جاتی ہیں محترمہ آرام سے مزے سے۔'' فاریہ نے ایک مرتبہ چیخ کر احتجاج کیا تھا، شاہ میر ہنس دیا تھا۔

''پگلی میرا دھیان ہی نہیں تھا ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا ہے۔'' شاہ میر جواباً کہتا تھا۔

''اچھا فی الحال میرے لئے ایک سینڈوچ بنا کر لے آنا مجھے ہلکی بھوک کا احساس ہو رہا ہے، ابھی میں کسی بھی قسم کے تجربے کی زد میں آنے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ نہیں ہوں۔'' شاہ میر نے ہنس کر کہا تھا، فاریہ نے منہ پھلا لیا تھا اور رشنا نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، فوراً اس نے فریج سے بریڈ اور کباب نکالے تھے، شاہ میر نے ایک گہری نگاہ اس کے سراپے پہ ڈالی تھی۔

ہلکے گلابی کاٹن کے سوٹ میں ملبوس کھلے بالوں میں جو محض اس کے کندھے تک ہی آتے تھے اور اکثر اوقات وہ انہیں کھلا ہی رکھا کرتی تھی، اس وقت اس پر مصروفیت طاری تھی اور وہ اس وقت شاہ میر کے انداز سے قطع نظر اپنے کام پر فوکس کیے ہوئے تھی، شاہ میر اس کے سراپے میں الجھتی ہوئی نگاہوں کو بامشکل ہٹا کر باہر نکل آیا تھا، تھوڑی دیر بعد ٹرالی دھکیلتی ہوئی فاریہ اور وہ آگے پیچھے تھیں۔

''ماشاء اللہ آج تو بچیوں نے شام کی چائے تیار کی ہے۔'' بی جان نے مسکرا کر کہا تھا۔

سارے اہل خانہ باہر لاؤنج میں ہی جمع تھے اور پھر مہر ماہ ان کی مدد کروانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، ان کی تیار کردہ اشیاء پر سب ہاتھ صاف کرتے ہوئے اپنے اپنے تبصرے فرما رہے تھے، فاریہ نے کن انکھیوں سے کاشان کی طرف دیکھا تھا، جو اس وقت سپاٹ چہرہ لئے کیک کھا رہا تھا، جو بطور خاص رشنا نے اس کو کاٹ کر دیا تھا۔

''بھائی کیسا بنا ہے کیک؟'' رشنا نے ذو معنی انداز میں فاریہ پر نگاہیں ٹکا کر پوچھا تھا، فاریہ کا دل نجانے کیوں معمول سے زیادہ تیز دھڑکنے لگا تھا، مگر کاشان کے چہرے پر ایسا کوئی خاص تاثر نہ ملتا تھا۔

''ہونہہ اچھا بنا ہے مگر میٹھا تھوڑا کم ہے۔'' کاشان کا تبصرہ سن کر فاریہ نے خود کو قدرے ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا۔

کاشان کو میٹھا زیادہ پسند تھا وہ میٹھا بہت ذوق وشوق سے کھایا کرتا تھا، اس لئے میٹھے میں بھی اسے چاشنی کی مقدار زیادہ پسند تھی۔

''یہ فاریہ نے بنایا ہے۔'' رشنا کے انداز میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ لمحہ بھر کے لئے کاشان بری طرح چونک گیا تھا، اس نے پلٹ کر عقب میں فاریہ کو دیکھا تھا، جو اس کی جانب متوجہ تھی، جونہی نظروں کا تصادم ہوا وہ پزل سی ہو گئی تھی، کاشان نے اس کو دیکھ کر اپنے اندر نرم سی پھوار اترتی محسوس کی تھی۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا دل ہو جو محبت کے جذبے سے خالی ہو، ہر دل محبت سے مامور ہوتا ہے صرف جذبوں کی شدت اور محبت میں فرق ہوا کرتا ہے۔

☆☆☆

رشنا نے دیکھا کہ نیلم آج معمول سے زیادہ چپ تھی، اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور اس کی آنکھ کے قریب گہرے نیل کا نشان تھا۔

''تم اتنے دن یونیورسٹی کیوں نہیں آئی تھی۔'' رشنا نے یہ سوال کوئی دسویں مرتبہ اس سے پوچھا تھا مگر اس کے لبوں کا قفل کھل کر ہی نہیں دے رہا تھا پھر نرم گھاس پر ایک جانب وہ بیٹھی تھیں جب نیلم نے اپنی گود میں سر رکھ دیا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''میرے مقدر میں آزمائش ہی لکھی ہے، ہر دوسرے دن میں ہر طرح کی اذیت ناک گفتگو طعنے تشنیع برداشت کرتی چلی جاتی ہوں، مگر اب تو مامی نے ہاتھ بھی اٹھانا شروع کر دیا ہے، اس کی وجہ نانی ہیں، نانی کو بڑی خالہ نے اپنے پاس بلا لیا وہ ہمیشہ کے لئے بیرون ملک جا رہے ہیں اور نانی کو بھی ساتھ لے جا رہے ہیں، میں بالکل اکیلی رہ گئی ہوں، بالکل تنہا۔'' وہ روتی جا رہی تھی، اس کا متورم چہرہ اور سوجی آنکھیں اس کے دل کا حال بیان کر رہی تھیں۔

''اوہ تو کیا تم کو تمہاری مامی نے مارا ہے۔'' رشنا نے بے اعتباری سے پوچھا تھا۔

''ہاں پہلی ضرب تو میری روح پر پڑی تھی جب انہوں نے مجھے میرے والد کی بے حسی کا طعنہ دیا تھا، دوسری ضرب میرے چہرے اور پھر پسلیوں پر۔'' نیلم نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے اور وہ دو دن سے مسلسل رو رہی تھی، پہلے نانی کے نہ جانے کی دعائیں مانگ مانگ کر روتی رہی تھی اور اب نانی کے جانے کے بعد بھی آنسوؤں کا سیل رواں تھا، جو کسی سیلاب کی مانند بہتا چلا جا رہا تھا۔

''کیا تمہاری مامی کو کوئی خوف خدا نہیں ہے۔'' رشنا نے تاسف سے کہا تھا۔

''شاید میں اب اپنا تعلیمی سلسلہ بھی جاری نہ رکھ سکوں گی، مامی نے صاف کہہ دیا ہے کہ اب گھر پر بیٹھو۔'' نیلم نے بکھرے ہوئے لہجہ میں کہا تھا، رشنا نے اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے اضطراب کو بغور دیکھا تھا۔

''کیا تم میرے ساتھ چلو گی میرے گھر میرے بابا جان کا دل بہت وسیع ہے اور ہمارا گھر بھی بے حد وسیع ہے، اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو۔'' رشنا کی بات پر وہ ششدر رہ گئی تھی، کسی کو دوستی میں اتنا بھی مان دیا جاتا ہے، یہ نیلم نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ ناممکن سی بات ہے اور پھر بابا جان۔'' وہ گومگو کی کیفیت سے دوچار تھی۔

''تم آرام سے سوچ لو سمجھ لو اور اپنے بابا کا کوئی کانٹیکٹ نمبر ہے تو مجھے دے دو، ہم خود ان سے بات کر لیں گے، تم اس کی چنداں فکر نہ کرو۔'' رشنا اس وقت اپنی عمر سے بڑی لگ رہی تھی، اور نیلم کے نزدیک یہ سب ناممکنات میں سے تھا کہ کوئی اس پر اس قدر مہربان ہو جائے اور پھر کیا واقعی مامی اور ماموں اس سب کے لئے راضی ہو جائیں گے، وہ الجھی الجھی رہی تھی اور پھر گھر آ کر بھی وہ رشنا کی آفر پر سوچتی رہی تھی۔

رشنا نے اس کے بابا کا فون نمبر اس سے لے لیا تھا، اسے یقین تھا کہ اس کے بابا کو اس کے کہیں بھی رہنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، اصل اعتراض تو شاید ماموں کو ہوگا کیونکہ اس کے نام پر ہر ماہ اچھی خاصی ایک معقول رقم آتی تھی، پھر کیسے ماموں اور ممانی وہ رقم ہاتھوں سے جانے دیتے، مگر رشنا نے حق دوستی نبھائی تھی، شام میں اس کو کچن میں کھانا بناتے ہوئے گھر کے فون کی بیل سنائی دی تھی، وہ بری طرح چونکی تھی، نجانے کیوں دل میں کیا سمائی، چولھے کی آنچ دھیمی کر کے اس نے جھٹ سے لپک کر ریسیور اٹھا لیا تھا، دوسری جانب اس کے بابا تھے۔

''نیلم تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تم پر ظلم کیا جاتا ہے۔'' دوسری طرف اس کے والد کا لہجہ

بے حد تاسف میں گھرا ہوا تھا، [illegible] کیا بتاتی بس چپ ہی رہ گئی۔

''مجھے آج تمہاری دوست کا فون آیا تھا، اس نے پوری تفصیل سے مجھے تمہارے ساتھ ہونے والے واقعات کی تفصیل بتائی ہے، میں نے سوچا تھا کہ پہلے دوٹوک انداز میں تمہارے ماموں سے مطالبہ کروں کہ تمہیں تمہاری دوست کے گھر رہنے کی اجازت دے دے، جب تک کہ میں پاکستان آ کر تمہاری شادی کا فرض انجام نہ دے دوں، مگر وہ شاید اتنی آسانی سے نہ مانیں اس لئے میں نے تمہاری دوست کے کہنے کے مطابق یہ سوچا ہے کہ ان سے کہہ دوں کہ اب میں ہر ماہ رقم نہیں بھیج سکتا ہوں، پھر از خود ہی وہ تم کو یہاں سے ضرور نکالنا چاہیں گے، ہو سکتا ہے کہ تمہارے ماموں میں کچھ سی غیرت باقی ہو اور وہ تمہیں پھر بھی بخوشی رکھ لیں، اگر ایسا ہوتا ہے تو پھر میں چند ماہ بعد آؤں گا، مگر دوسری صورت میں، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم اپنی اسی دوست کی طرف چلی جاؤ۔'' وہ گومگو کی کیفیت سے دوچار تھی، سارا لائحہ عمل تو طے ہی ہو چکا تھا، اس کو تو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ زندگی اب اسے کس طرف لے جانے والی ہے، تبھی اسے دور سے مامی کی آواز سنائی دی تھی۔

''کس کا فون ہے؟'' کرخت سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''مر گئی ہو کیا؟ بولتی کیوں نہیں ہو؟'' مامی اس کے تعاقب میں خود بھی اٹھ کر آ گئی تھیں اور یہ آواز خود نیلم کے والد نے بھی سن لی تھی ان کو اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کی بیٹی کس کرب و اذیت سے دوچار ہو گی۔

''جا کر ہانڈی دیکھو جل رہی ہے شاید۔'' وہ فون اس سے چھین کر ریسیور کو کانوں سے لگا چکی تھیں۔

''ہیلو کون ہے؟'' وہ سخت شک و شبہ سے پر لہجہ میں بولی تھیں۔

''میں ہوں نیلم کی یاد ستا رہی تھی، تو فون کر لیا، میں نے بھائی صاحب کو بھی بتانا تھا کہ میری مالی طور پر آج کل پریشانی کا دور چل رہا ہے، میں چند ماہ کے لئے رقم نہیں بھیج سکتا، اس وقت تک کے لئے آپ نیلم کا خیال رکھ لیں۔'' انہوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کہا تھا۔

ذکیہ مامی کا چہرہ بھونچکا رہ گیا تھا، وہ تو بول ہی نہ سکی تھیں اور دوسری طرف سے کھٹ سے ریسور رکھ دیا گیا تھا۔

ذکیہ مامی کو اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا، بے شمار اخراجات منہ کھولے کھڑے تھے، اگلے ماہ انہوں نے کمیٹی بھی جمع کرانی تھی، یہ سب وہ نیلم کے پیسوں پر ہی تو کر رہی تھیں، اب ایک دم ہی اس کایا پلٹ کر حیران رہ گئی تھیں۔

پھر رات کو جب عابد صاحب گھر لوٹے تو جیسے گھر میں بھونچال بھی آ گیا تھا، مامی نے جو بولنا شروع کیا تو خدا کی پناہ۔

''میں کہتی ہوں کیا ہم نے کوئی لنگر خانہ کھول رکھا ہے جو ہم سب کے بچے پالیں۔'' وہ سخت آواز میں بول رہی تھیں۔

''ایک تو یہ بوجھ کی مانند ہم پر لاد دی گئی، اب ہم اپنا اپنی بچی کا بوجھ اٹھائیں یا اس کے ناز نخرے اٹھائیں، ارے نانی تو خود چلتی بنی ہم ہیں ایک کاٹھ کے الو بنے ہوئے ہیں، ہم کیوں کسی کا بوجھ اپنے سر پر سوار رکھیں، یا تو اس کی شادی کر دیں، مگر نہ تو رشتے ناطے یوں طے ہوتے ہیں، لو لوگوں کا کیا ہے وہ تو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ باہر کے ملک رہتا ہے باپ، دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر جہیز کے ٹرک دے گا، ارے میں کہتی ہوں ہوش

کرو، جا کر اس کو اس کے چچا کے گھر چھوڑ آؤ۔'' ذکیہ مامی کا لہجہ زہر خند تھا۔

عابد صاحب بھی پریشان ہو گئے تھے، روز کی چخ چخ سے سخت نالاں تھے۔

''اب تم چاہتی کیا ہو کیا اسے گھر سے نکال دوں، جگ ہنسائی ہو گی، سب کہیں گے کہ جب تک روپے آتے رہے گھر میں تب تک بیٹی بیٹی کر کر رکھ لیا، جیسے ہی باہر کا پیسہ آنا بند ہوا ہم نے اسے گھر سے بے گھر کر دیا۔''

ماموں کو ابھی بھی صرف دنیا کی دنیاداری کی پرواہ تھی، کوئی بھی نیلم کے لئے نہیں سوچ رہا تھا۔

تب ماموں کی بات پر مامی اشتعال انگیز انداز میں دوبارہ صلواتیں سنانا شروع ہو چکی تھیں۔

''میں تو کہتی ہوں کہ ابھی فون ملاؤ، چلو ابھی ملاؤ فون میں خود بات کرتی ہوں، سینے پر مونگ دلنے کے لئے ہم ہی رہ گئے ہیں۔'' ذکیہ ممانی کی شہہ پر ماموں نے فوراً ہی فون ملا کر دے دیا تھا، بیل جا رہی تھی، دوسری طرف سے اس کے والد نے فون اٹھایا تھا، چھوٹتے ساتھ ہی ذکیہ ممانی بھرے ہوئے لہجہ میں گویا ہوئی تھیں۔

''بھائی صاحب یہ بھی خوب رہی اتنی مہنگائی کا زمانہ ہے ہم تو یہاں ایک بچی کا بار نہیں اٹھا سکتے ہیں آپ نے لا کر اپنا بوجھ بھی دھر دیا، اب ہم مزید یہ برداشت نہیں کر سکتے، اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ صاف اپنے بھیا کو بولیں آ کر صبح سویرے پہلی کرن کے ساتھ ہی اس کو اپنے ساتھ لے جائیں اس دور میں اپنا بھی دو وقت کا کھانا عزت کے ساتھ پورا ہو جائے وہی کافی ہے، ہم اور نہیں برداشت کر سکتے ہیں، اگر کوئی لینے نہ آیا تو ہم تو نکال باہر کریں گے خود جا کر ڈھونڈ لے اپنے رشتے داروں کو۔'' ذکیہ ممانی انہیں بلیک میل کر رہی تھیں ان کا خیال تھا کہ وہ روپے پیسے کے لحاظ سے بالکل ٹھیک ٹھاک گزر بسر کر رہے ہیں، جنہیں اپنے ایک بوجھ سے چھٹکارا پانے کی خاطر یا دوسری بیوی کی بات کے پیچھے لگ کر ایسا کر رہے ہیں مگر تب تو وہ دنگ رہ گئی تھیں جب دوسری جانب سے انہوں نے آرام سے برد لہجہ میں کہا تھا۔

''آج کی رات رہنے دیں، صبح ہی صبح سے چلی جائے گی، اس کو لینے والے آ جائیں گے۔'' یہ کہہ کر کھٹ سے انہوں نے ریسور رکھ دیا تھا، ساری رات عجب مخمصے میں کٹی تھی، صبح نجانے کیا ہونے والا تھا اور صبح سویرے پہلی کرن نمودار ہوتے ہی نیلم کو لینے رشنا کے والد صاحب آ گئے تھے، سمیت رشنا کے اور پھر ساری بات ان پر جیسے ایکدم واضح ہو گئی تھی مگر لب بستہ ماموں اور ممانی کھڑے رشنا کے ساتھ نیلم کو جاتے دیکھتے رہے تھے، نیلم سمٹی گھبرائی سی تھی فرنٹ سیٹ پر شاہ میر ان سب کا منتظر تھا اور پھر وہ آرام سے رشنا کا ہاتھ تھامے عقبی نشست پہ بیٹھ گئی تھی۔

''رات کو ہی انکل کا تفصیلی فون آ گیا تھا، محض دس دن بعد وہ خود پاکستان آ رہے ہیں، پاپا کو منانا کٹھن مرحلہ تھا، مگر خود تمہارے بابا جان نے ہی سارے معاملات از خود حل کر لئے تھے، مجھے تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑا، تم ہماری مہمان ہو، تمہارے بابا تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔''

رشنا بیٹھنے کے ساتھ ہی اسے تفصیلات بتانے لگ گئی تھی، وہ سر جھکائے سب سن رہی تھی اور محو حیرت تھی زندگی نے اتنی سی عمر میں اتنے رنگ ڈھنگ بدلے تھے، اتنے بہروپ بھرے

تھے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون سا اس کا اصل روپ ہے، نئی خوبصورت گھر کے سامنے کار رکی تو داخلی گیٹ چوکیدار نے چابکدستی سے کھولا تھا عثمان صاحب اور شاہ میر اندر پورچ میں کار کھڑی ہوتے ہی اتر گئے تھے، پھر عقب میں وہ بھی رشنا کے ساتھ کھڑی ہو گئی تھی۔

نیلم بے پناہ خدشات لئے اندر داخل ہوئی تھی، مگر یہاں کے مکینوں کے دل بھی۔

''بیٹی مجھے سب کچھ رشنا نے بتایا ہے تم آرام سے یہاں رہ سکتی ہو جب تک چاہو، ہمارے گھر اور دل کے دروازے ہمیشہ تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں، تم چاہو تو الگ کمرہ میں رہو یا مناسب لگے اور تنہائی کا خوف ہو تو رشنا کے ساتھ اس کے کمرے میں رہ سکتی ہو۔'' آنسہ بیگم نے بے حد خلوص سے کہا تھا، ندرت بیگم بھی بے حد خوش مزاجی سے ملی تھیں، رشنا اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

''یہ سب تمہارا ہے میری ہر شے تم بلا جھجک استعمال کر سکتی ہو، یہاں آرام سے رہو، یہ وارڈ روب ہے ہر طرح کا لباس جو تم پر اچھا لگے، تم استعمال کرو۔'' اس نے واقعی فراخدلی کی انتہا کر دی تھی، نیلم کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی پانی سے اس کو سامنے کا واضح منظر بھی دھندلا سا گیا تھا۔

''اب یہ رونا دھونا بند کرو بس، جتنا بھی رونا تھا وہ رو دھو لیا، اب سب اچھا ہی ہوگا۔'' رشنا اس کے محسوسات کو سمجھتی تھی، پھر نیلم بھی مسکرا دی تھی، یہاں کے سبھی افراد نے اسے گھر کے فرد کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا، ہر ہر بات میں اس کی پسند نا پسند کو مدنظر رکھا جانے لگا تھا، نیلم کے عجیب محسوسات تھے۔

☆☆☆

''کیا کرتی رہتی ہو سارا دن کمرے میں بند کمرے میں ہی رہتی ہو، باہر نکلو سب سے گھلو ملو، ویسے میں نے پوچھنا تھا کہ کیا تمہاری کہیں منگنی ونگنی تو نہیں کی ہے ناں تمہارے بابا نے۔'' ندرت بیگم نجانے کیا جاننے کی متمنی تھیں۔

متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی ندرت بیگم کو اگرچہ دعا کے بعد تمام سہولیات مل چکی تھیں، آرائش و زیبائش دولت وہ اب امراء میں ہی شمار کی جاتی تھیں، اعلیٰ سے اعلیٰ تر کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتی تھیں، وہ جانتی تھیں کہ آنسہ بیگم تو شروع سے ہی امیر تھیں، شادی بھی امراء میں ہوئی، ان کو ایسے طلب ہی نہ تھی، مگر ندرت بیگم کا ارمان تھا کہ وہ خوب کھاتے پیتے گھرانے کی چشم و چراغ کو بیاہ کر لائیں اور اس کے بعد ان کی اپنی حیثیت بھی گھر میں مستحکم ہو گئی، اگر وہ رشنا کو بطور بہو تسلیم کر بھی لیتی تو پھر ساری راجدھانی کا سکہ آنسہ کی طرف پلٹ جانے والا تھا، ندرت بیگم کو نجانے کیوں نیلم پہلی ہی نگاہ میں بے حد اچھی لگی تھی اور پھر جب ایک مرتبہ وہ شاہ میر کی کسی بات کا جواب ہولے سے مسکرا کر دے رہی تھی تو نجانے کیوں ان کے دماغ میں جیسے کلک ہوا تھا، وہ دونوں آس پاس کھڑے بے پناہ اچھے لگ رہے تھے، وہ جانتی تھیں کہ شاہ میر ان کا فرمانبردار بیٹا ہے، وہ جس طرف بھی اس کا رخ موڑنا چاہیں گی وہ اس طرف کا ہو جائے گا۔

''جی اس طرح کی تو کوئی بات بھی نہیں ہے۔'' وہ نجانے کیوں شرم سے سر جھکا گئی تھی، دل کے اندر کہیں محبت کے جذبے تھے جو شاہ میر کے نام پر مچل جاتے تھے، دل کے ایوان پر شاہ میر مستند تھا، اس کا ہو جانا اس کے لئے کئی دنوں سے پریشان کن صورتحال تھی۔

اس کو نجانے کیوں بسا اوقات رشنا سے جلد ہی محسوس ہونے لگتا تھا، کیونکہ شاہ میر کی نگاہیں

جب نیلم کے چہرے پر ٹکراتی تھیں تو ان میں سرد سے بے حد عام سے جذبات ہوتے تھے، جن کو کسی بھی کام سے منسوب کرنا ممکن نہ تھا، جبکہ رشنا کو دیکھ کر شاہ میر شوخ سا ہو جاتا تھا اور اس کا والہانہ انداز یہ بخوبی باور کروا تا تھا کہ وہ اس میں دلچسپی لے رہا ہے، وہ یہ سب دیکھ کر نجانے کیوں خود کو کمرے تک محدود رکھنے پر مجبور ہو چکی تھی، اس نے سوچا تو نہ تھا مگر اس کے اندر کے منفی خیالات اسے اکساتے تھے، اس کا بھی ان خوشیوں چاہتوں محبتوں پر بھرپور حق ہے اور اس خوف کے سائے تلے وہ کچھ دنوں سے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔

''اچھا یعنی میں چاہوں تو تمہیں اپنی بہو بنا سکتی ہوں۔'' وہ ہولے سے ہنس دی تھیں، اس کا تو جیسے دل ہی دھڑکنا بھول گیا تھا، ندرت بیگم یہ کیا کہہ رہی تھیں، اس نے شاید غلط ہی سنا ہوگا، قدرت اس پر اس قدر مہربان بھی ہو سکتی ہے، اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا، وہ محض سر جھکانے پر اکتفا کر گئی تھی۔

''جی یہ کیسے ممکن ہے۔'' بے ساختہ اس نے پلکیں جھپک جھپک کر بے یقینی سے پوچھا تھا۔

''ارے کیوں ممکن نہیں ہے تم اتنی سوہنی سی ہو، میرے دل میں گھر کر گئی ہیں تمہاری عادات، گم صم سی چپ چاپ رہنے والی۔'' وہ ندرت بیگم کے تجزیے پہ بالکل سکوت میں تھی۔

''مگر میں نے تو سنا ہے کہ رشنا آپ کی بہو......'' اس سے آگے وہ بول ہی نہ سکی تھی، شاید لفظ نہیں مل رہے تھے کیسے اپنے دل کا مدعا بیان کرتی۔

''ارے وہ سب تو بچپن کی باتیں تھیں، میں تو ویسے بھی وٹے سٹے کی قائل نہیں۔'' نیلم کو خاموش دیکھ کر وہ مزید گویا ہوئی تھیں۔

''میرا مطلب ہے کہ کاشان کے سلسلے میں ریحان بھائی باقاعدہ رشتہ مانگ چکے ہیں، جو ہم نے قبول کر لیا ہے، پھر فاریہ پر کاشان جان چھڑکتا ہے اور ہم لوگ اس معاملے میں راضی ہیں، مگر اس طرح وٹہ سٹہ غلط ہے اور عثمان نے بھی اس نہج پر سوچا ہے اور جب میں نے تمہاری طرف توجہ دلائی تو انہیں بھی تم پسند ہو، انہوں نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا ہے، اب میں نے صرف تمہارا عندیہ معلوم کرنا تھا، تم اپنی طرف سے بتا چکی ہو کہ کس سے منسوب ہوئی تھی، تو پھر بات ختم یعنی تم بری الذمہ ہو، باقی معاملات تم مجھ پر ہی چھوڑ دو اس گھر میں میری حکمرانی چلتی ہے اور تمام میرے مطابق ہی اپنے فیصلے تبدیل بھی کر لیا کرتے ہیں، ایک عرصہ تک سخت ریاضت کے بعد میں نے اس مقام کو حاصل کیا ہے، شاہ میر میرا بیٹا ہے اس کے مستقبل کے حوالے سے میں نے بہت سے خواب دیکھ رہے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ شاہ میر کی شادی تم سے ہو، تم اب باہر نکلو، ذرا اپنے اوپر توجہ دو، بے حد حسین اور جاذب نظر ہو، چاہو تو شاہ میر کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کروا سکتی ہو۔'' ذومعنی انداز میں ندرت بیگم نے اسے باور کروا دیا تھا۔

نیلم جن جذبات کو تھپک تھپک کر سلانے کی سعی میں ہلکان ہو رہی تھی، اب ندرت بیگم نے انہی جذبات کو از سر نو بیدار کر دیا تھا۔

پھر ندرت بیگم تو چلی گئی تھیں، مگر وہ انجانے خیالات کی رو میں محو ہو چکی تھی، پھر اس نے رشنا کی وارڈ روب میں سے سب سے خوبصورت لباس جو بے حد شوخ سا تھا، منتخب کیا اور باتھ روم میں گھس گئی تھی، خوب اہتمام سے اس نے نہا دھو کر تیار ہوئی ہلکی سی لپ اسٹک لگائی تھی اور پھر بالوں کو کھلا ہی چھوڑ کر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ آئینے

پر ڈالی تھی۔

قد آدم آئینہ اس کے دل آویز حسن کا گواہ ٹھہرا تھا، وہ کچھ سوچ کر باہر نکل آئی تھی۔

باہر لاؤنج میں گہما گہمی کا عالم تھا، سب خوش گپیوں میں مصروف تھے، بڑے علیحدہ چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے حالات حاضرہ پر گرما گرم بحث کر رہے تھے جبکہ لڑکے علیحدہ بیٹھے ہوئے نجانے کن خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔

فیشن میگزین تھامے فاریہ کسی ایک بوتیک کے ڈائیزئن پر رشنا سے بحث کر رہی تھی، اسے آتا دیکھ کر سب ٹھٹک سے گئے تھے، شاہ میر جو کرکٹ پر کچھ تبصرہ کر رہا تھا اس کو دیکھ کر لحظہ بھر کے لئے مبہوت سا رہ گیا تھا۔

آج سے قبل اس نے نیلم کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا تھا، جونہی شاہ میر اور نیلم کی نگاہوں کا تصادم ہوا نیلم نے ایک دلفریب مسکان اس کی جانب اچھالی تھی، شاہ میر بھی جواباً سر خم کر کے مسکرا دیا تھا، پھر وہ ایک ادائے بے نیازی سے لڑکیوں کے جھرمٹ میں جا بیٹھی تھی۔

کیونکہ آج فاریہ کی کزنز امارہ اور صوفی بھی بیٹھی تھیں، ویک اینڈ تھا تو ویک اینڈ پر ہی اس کی خالہ زاد کزنز آیا کرتی تھیں، خوب گپ شپ چل رہی تھی۔

''اچھا تو یہ ہے نیلم واہ بہت پیاری ہے۔'' امارہ نے خوش دلی سے تعریف کی تھی۔

''واقعی نیلم آپی بہت خوبصورت ہیں۔'' صوفی نے بھی دل کی گہرائیوں سے کھلے دل سے سراہا تھا۔

نجانے کیوں رشنا کو اس کا یوں اچانک اتنا تیار ہو کر باہر آنا کچھ معمول سے ہٹ کر تو لگا تھا مگر وہ بھی مسکرا دی تھی، کیونکہ وہ بھی دل سے نیلم کو پر سکون اور خوش باش ہی دیکھنے کی خواہاں تھی۔

اچانک شاہ میر اٹھ کر اس جانب آ گیا تھا۔

''کیوں بھئی سب باہر چلیں لانگ ڈرائیو پر، کچھ لوگ آج خاص اہتمام سے تیار ہوئے ہیں اور اچھے بھی بہت لگ رہے ہیں، سیدھا دل پر اٹیک کرتے ہوئے۔'' وہ شوخ سا ہو کر کن اکھیوں سے نیلم کو دیکھ کر ہنس دیا تھا، سب ہی لڑکیاں اس کا ذومعنی انداز اور اشارہ سمجھ چکی تھیں، مگر رشنا کا چہرہ ایک دم جیسے سیاہ تاریک سا ہو گیا تھا۔

اس نے ایک نظر نیلم کے چہرے پر ڈالی تھی، نیلم بھی والہانہ انداز میں جواباً شاہ میر کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی، نیلم اور شاہ میر کا انداز سب پر عیاں تھا۔

''ارے بھائی کو تو کوئی خوب صورت لڑکی نظر آ جائے بس شروع ہو جاتے ہیں۔'' فاریہ نے ناگواری سے کہا تھا، اسے شاہ میر کا یوں ٹریک سے ہٹ جانا اچھا نہیں لگا تھا۔

''اب کیا کروں مرد ہرجائی سا تو ہو گا ناں۔'' شاہ میر ہنسا تھا، بے نیازی سے لاپروائی سے، جیسے اسے نیلم کے سامنے رشنا دکھائی ہی نہ دے رہی تھی، رشنا بس منظر کا ایک حصہ بن چکی تھی، پھر نجانے کیوں رشنا کو لگ رہا تھا جیسے اس کا وہاں دم گھٹ رہا ہے، وہ بالکل غیر محسوس طریقے سے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں ذرا کچن میں جا کر امی کو دیکھ کر آتی ہوں۔'' گلے میں درد کا گولہ سا اٹکنے لگا تھا، مگر وہاں سے فرار کے لئے کوئی جواز تو چاہیے تھا ناں، اس کے جانے کے بعد بھی کسی نے اس کی کمی محسوس نہ کی تھی، سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے اور نیلم پر بار بار شاہ میر جملے کس رہا تھا، اس پر نگاہیں مرکوز کیے تھے، اس کی نگاہیں بار بار بھٹک کر اس کی جانب ہی اٹھ رہی تھیں، نیلم کو

لگ رہا تھا آج اس کی زندگی کا حسین ترین دن تھا، ایسا دن جس کی آرزو تو اس نے کی ہی نہیں تھی، کیونکہ وہ تو خواب دیکھنے سے ڈرتی تھی۔

رشنا کو جاتے دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے نیلم کو اس کے احساس ضمیر نے جھنجھوڑا تھا، مگر پھر اس نے ہر احساس کو کچل کر محض اپنے دل کی آواز سنی تھی، جینے پر زندگی کی خوشیوں پر آسودگی پر اس کا بھی پورا پورا حق تھا، رشنا کو تو کوئی بھی مل سکتا تھا، مگر وہ ایک عذاب سہہ کر پل صراط عبور کر کے یہاں تک پہنچی تھی اس لئے اب اس کو کسی کے لئے نہیں اپنے سنہرے آنے والے مستقبل کی فکر کرنی چاہیے، پھر رشنا نے کب لفظوں کی صورت شاہ میر کی محبت میں گرفتار ہونے کا اعتراف کیا تھا، وہ تو محض نیلم کا اپنا ہی نظریہ اور اندازہ تھا، کہ وہ دونوں آپس میں منسوب ہیں، پھر ہر مرتبہ ہی ویسا ہو جیسا سوچا ہو، ایسا ممکن تو نہیں ہوتا ناں۔

☆☆☆

''رشنا آپی مجھے آپ کی یہ دوست بالکل اچھی نہیں لگی ہیں۔'' فاریہ نے ایک شام جب نیلم سج دھج کر اکیلی شاہ میر کے ساتھ ہی آؤٹنگ کے لئے نکلی تھی، رشنا کو اداس وملول دیکھ کر اس کے پاس آ کر کہا تھا، فاریہ کوئی بچی تو نہ تھی، دیکھ کر چکرا گئی تھی، نیلم بجائے اس کے گھر آنے رشنا کا احسان مند ہونے کے اس کے ہی پاؤں تلے سے زمین کھینچ رہی تھی اور یہ سب دیکھ کر فاریہ اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی، اس کا دل کرتا تھا کہ وہ کسی دن دوٹوک انداز میں نیلم سے بات کرکے، اسے یاد تھا کہ آغاز میں ہی اس نے بطور خاص شاہ میر اور رشنا کی بات چیت کا ذکر کیا تھا، جسے نیلم نے بطور خاص غور سن کر تبصرہ کیا تھا کہ رشنا خوش قسمت ہے مگر اب۔

دوستی کا محبت کا مان کا اور اعتبار کا اس نے بھرم توڑ ڈالا تھا۔

''تم کیسی باتیں کر رہی ہو میں کچھ سمجھی نہیں۔'' رشنا جان بوجھ کر بھی انجان بن کر بولی تھی، وہ رات کا کھانا بنا رہی تھی، نظریں چرانی ہوئی رشنا کو دیکھ کر فاریہ کے دل میں گہرا ملال اتر آیا تھا۔

بطور بھابھی اس نے ہمیشہ ہی اس کو چاہا تھا، اس کا کتنا ارمان تھا کہ رشنا اس کی بھابھی بنے، مگر تقدیر کا لکھا کس کو معلوم تھا کہ شاہ میر اس طرح اچانک ہی پینترا بدل ڈالے گا۔

''تم سب سمجھ رہی ہو، نیلم کو اول روز سے معلوم ہے کہ تم شاہ میر سے منسوب رہی ہو، پھر بھی اس نے شاہ میر پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیے ہیں مجھے تو شرم آتی ہے کہ شاہ میر نے اس طرح کا رویہ اپنایا ہے مجھے بہت سبکی محسوس ہوتی ہے۔'' وہ جیسے رو دی تھی۔

''تمہیں کیوں سبکی محسوس ہوتی ہے فاریہ یہ سب مقدر کے کھیل ہیں، تم بھول جاؤ میں بھی بھول چکی ہوں کہ کبھی میرا شاہ میر کے ساتھ کوئی قلبی تعلق تھا۔''

اس کی پھیکی سی مسکراہٹ سے کہنا ہی اس بات کا عین ثبوت تھا کہ دل میں اس کے بھی اس بات کا گہرا دکھ ہے، مگر کس کے کہنے اور کسی کے کرنے سے اب کیا حاصل ہو سکتا تھا، پھر ایک شام باقاعدہ سب بڑوں کی محفل میں عثمان نے بی جان سے کہہ دیا تھا۔

''بی جان میں نے اور ندرت نے ہر پہلو سے سوچا ہے اگر ہم کسی بے آسرا بچی کے سر پر ہاتھ رکھ دیں تو کیا مضائقہ ہے، ہم سوچ رہے ہیں کہ ہم نیلم اور شاہ میر کی منگنی کر دیں، اگلے ماہ شادی اور پھر کاشان اور فاریہ کے ساتھ یہ فرض بھی ادا ہو جائے تو اچھا ہے۔'' عثمان نے ہلکے

چھلکے انداز میں کہا تھا، آنسہ بیگم کا جی چاہا کہ انہیں سخت سست سنا دیں، مگر ریحان نے ان کا ہاتھ دبا دیا تھا، بھری محفل میں وہ کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتے تھے، پھر عثمان ان کے بڑے بھائی تھے، ان کا منشاء اگر یہی تھا تو زور زبردستی سے اپنی بیٹی کو وہ ان کے گھر رخصت نہیں کروا سکتے تھے۔

"لو یہ بھی خوب رہی ایک دو دن کے لئے آئی بچی نے خوب چاند چڑھایا اور رشنا جس کی محبت میں گھل رہی تھی اب دیکھ لیا تم نے یہ ہوتی ہیں آج کل کی دوستیاں، کیسے دوست ہی دوست کے لئے دشمن کا کام اور وار کر جاتا ہے۔" بی جان نے تاسف سے کہا تھا۔

"ارے اس میں نیلم کا کیا قصور ہے بھلا، یہ تو ہم نے طے کیا ہے۔" ندرت بیگم کو اچھا نہ لگا تھا، پہلی مرتبہ ان کی ساس نے ان کی بات رد کر دی تھی۔

"دیکھو ندرت بہو میں کوئی ناسمجھ نہیں ہوں، یہ بھی مت سمجھنا کہ یہاں تخت پوش پر بیٹھی ہوئی میں گھر کے ہر معاملے سے بے خبر اور لاتعلق ہوں، میں نے ہر فرد کے ہر رویے کو پرکھ رکھا ہے، دیکھ رکھا ہے، یہ نیلم جس نے بے حد چالاکی سے رشنا کو اس کے ہی حق سے دستبردار کر ڈالا، لیکن بہرحال یہ بات تم لکھ لو کہ یہ لڑکی تمہیں بھی کوئی آسودگی کا سامان نہیں دے سکتی ہے، شاہ میر پر پہلا حق بھی ماں کا ہی ہے، اس لئے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے رہی بات رشنا کی تو اس کا اللہ مالک ہے۔" بی جان نے تاسف سے دو ٹوک اور داشگاف لفظوں میں سارا حال دل بیان کر ڈالا تھا، آنسہ اپنے شوہر کے دباؤ میں فاریہ کا رشتہ رد نہ کر سکی تھیں اور خود کاشان نے بھی تو آسمان سر پر اٹھا لیتا تھا کہ فاریہ نہیں تو کوئی بھی نہیں۔

"اب اگر سب اپنی بات کر رہے ہیں تو میں نے بھی اپنے ازمیر کے لئے ایک لڑکی پسند کی ہے۔" زہرہ بیگم نے مسکرا کر کہا تو بی جان چونک گئی تھیں۔

"اچھا کون ہے وہ......؟" سب ہی محو حیرت تھے۔

"بی جان آپ کو یاد ہے عابد صاحب ہوا کرتے تھے، دو دن پہلے جب ازمیر کے ساتھ شاپنگ کے لئے نکلی تو ریحانہ بھابھی سے میری ملاقات ہو گئی، ساتھ میں ان کی بیٹی سبرینا بھی تھی، مجھے وہ لڑکی بے حد اچھی لگی اور میں نے طے کیا ہے کہ اپنے بیٹے کی شادی میں سبرینا سے ہی کروں گی، اگر آپ کی بھی رضامندی شامل ہو جائے تو مجھے بے حد خوشی ہو گی، اس ہفتے ہی ویک اینڈ پر وہ لوگ آ رہے ہیں، میں چاہتی ہوں بی جان بھی ان سے ایک دفعہ مل لیں۔" زہرہ بیگم نے خوشی خوشی ساری بتا بتائی تھی۔

"ارے ہاں وہ لوگ بہت اچھے ہیں، مگر......"

"مگر کیا بی جان؟" زہرہ بھونچکی رہ گئی تھیں، ان کے مگر کے آگے کی کہانی جاننے کے لئے۔

"وہ لوگ تو سفید پوش سے ہیں اور پھر ہماری اور ان کی سطح میں بہت فرق ہے، میں جانتی ہوں سب انسان بھی برابر ہوا کرتے ہیں، مگر بہرحال سوچ سمجھ لو۔" بی جان نے متفکر لہجہ میں کہا تھا، زہرہ ہولے سے مسکرا دی تھیں۔

"بی جان ان کا بڑا بیٹا سرمد بیرون ملک عرصہ دراز تک مقیم رہا ہے اور اب ان کے گھریلو حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔" زہرہ نے وضاحت کی تھی اور پھر اگلے ہفتے وہ لوگ گھر رات کے کھانے اور شام کی چائے پر مدعو تھے، تب ساری بات آمنے سامنے تفصیلی کی جا سکتی تھی، اس معاملے کو حل کیا جا سکتا تھا، بی جان نے اثبات میں سرہلا دیا تھا۔

☆☆☆

"میں تو اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے وہ لوگ سبرینا کو پسند کر چکے ہیں۔" ریحانہ نے خوشی سے کہا تھا، تو سرمد نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے امی مگر مجھے اپنے انداز میں تحقیق کرنے دیں، بہتر ہو گا کہ مجھے اکیلے ہی وہاں جانے دیا جائے۔" سرمد نے اب بہت سے چہرے دیکھ رکھے تھے در در کی خاک چھانی تھی، وہ رویے اور مزاج پرکھنے لگا تھا۔

"حسبین آپا تو اللہ کے فضل سے اپنے گھر بار میں خوش اور آسودہ حال زندگی بسر کر رہی تھیں، مگر میں چاہتا ہوں سبرینا کو ان سے بھی زیادہ اچھا گھر اور اچھے لوگ ملیں، اس لئے صرف آنکھ بند کر کے وداع کر دینا کافی نہیں ہو گا، بلکہ میں چاہتا ہوں خوب چھان بین اور تسلی کے بعد ہی سبرینا کو رخصت کیا جائے۔" سرمد نے اپنے تئیں واقعی ایک اچھی اور خوش آئند بات کی تھی، ریحانہ بیگم مسکرا دی تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے کہ سبرینا کو تم جیسا محبت اور احساس کرنے والا بھائی ملا ہے، جو اس کے مستقبل کے حوالے سے فکر مند ہے، اب تم بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو، میں نہیں چاہتی کہ بنی بنائی ہوئی بات بگڑ جائے، کیا کرو گے تم۔" ریحانہ بیگم نے خدشات اور وسوسوں کے زیر اثر پوچھا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ بس پہلے ایک سرسری نگاہ ڈال آؤں۔" سرمد کی بات میں واقعی وزن تھا، جس پر عابد صاحب اور ریحانہ نے اتفاق کیا تھا۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" سرمد نے گیٹ پر آئی سپید رنگت اور جاذب نظر نقوش کی مالک لڑکی کو دیکھا تھا۔

"مجھے ازمیر صاحب سے ملنا ہے۔" سرمد نے وقت ضائع کیے بنا بات کی تھی۔

"جی ازمیر بھائی سے۔" وہ متعجب ہوئی تھی، پھر پرسوچ انداز میں گویا ہوئی۔

"آیئے میں آپ کو ازمیر بھائی کے پورشن کی طرف لے چلتی ہوں۔" سرمد اس کے قدموں کی پیروی میں چلنے لگا تھا۔

"آپ پڑھتی ہیں؟" اچانک غیر متعلق سوال پر وہ چونکی تھی، اس کا موڈ بھی ایکدم بگڑ سا گیا تھا، فوراً مڑی تھی۔

"دیکھیں مسٹر میں صرف ازمیر بھائی کی وجہ سے ساتھ لے جا رہی تھی اب میں نے آپکے اس طرح کے بے تکے سوال سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آپ کو خود ہی وہاں تک چلے جانا چاہیے، یہاں سے دائیں مڑ جائیں، وہیں ہے ان کی رہائش۔" وہ نجانے کیوں نروٹھے پن میں بھی دل کے نہاں خانوں پر دستک دیتی ہوئی سیدھی دل میں اترتی جا رہی تھی، وہ یک ٹک اس کو دیکھتا چلا گیا تھا۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" لگتا تھا کہ اسے رشنا کی بات نہ سنائی دی تھی اور نہ ہی سمجھ میں آئی تھی، تبھی اس کی خفگی کو سرے سے نظر انداز کرتا ہوا دوسرا سوال کر رہا تھا۔

"لگتا ہے آپ کا دماغ خراب ہے کھسکے ہوئے ہیں۔" اب وہ تمام مروت لحاظ بالائے طاق رکھ کر دوبدو گویا ہوئی تھی، وہ اس کی بات پر بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا، وہ ناگواری سے اس کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"کھسکا ہوا تو میں ہوں، اس کا اندازہ بھی

جلد آپ کو ہو جائے گا۔" شاید اسے رشنا کے الفاظ نے محظوظ کیا تھا۔

رشنا نے سوچ لیا کہ اب مزید رکنا بے کار تھا تبھی ایک سرد نگاہ اس پر ڈالتی وہ پلٹی تھی، جاتے جاتے اس کی آواز جو سرگوشی سے کہیں بلند تھی، بخوبی سنی جا سکتی تھی۔

"لفنگا، چھچھورا نہ ہو تو۔" وہ ہنس دیا تھا، پھر ازمیر سے ملنے چل دیا تھا۔

"بابا کیا آپ نہیں آ سکیں گے؟" بے یقینی سی اس کے اردگرد پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

"بیٹا میرا آنا ممکن نہیں ہے، میں نے پہلے کوشش کرنے کا وعدہ ضرور کیا تھا مگر بیٹا اب میں شادی پر ہی آؤں گا، فی الوقت تو منگنی کی رسم میں شریک نہیں ہو سکتا ہوں، میرا نیا پروجیکٹ سٹارٹ ہوا ہے، کاروباری لحاظ سے یہ میرے لئے نہایت سود مند ثابت ہو سکتا ہے، پھر نائلہ کا اصرار ہے ابھی میں یہیں رہوں، بعد میں میں تمہاری مام کے ساتھ آؤں گا۔" اس کے بابا اور نجانے کیا کیا کہتے رہے مگر اس کا دل ایک دم ہی جیسے اچاٹ سا ہو گیا تھا، تبھی اس نے کھٹاک سے ریسور پٹخ دیا تھا، اس کے والد کا اس سے کبھی بھی قلبی یا اپنائیت بھرا تعلق نہ رہا تھا، اب جبکہ اس کا رشتہ طے ہو رہا تھا اور اگلے ہفتے اس کی منگنی تھی، یوں لگتا تھا کہ جیسے انہیں اس منگنی سے کوئی سروکار ہی نہ ہو، دلی طور پر تو وہ خوش ہو گئے تھے، کیونکہ ایک بہت بڑی ذمہ داری اور بوجھ سے آزادی مل رہی تھی، بار بار ندرت بیگم اور عثمان صاحب کا شکریہ ادا کرتے تھے اور پھر انہوں نے ایک چیک بھیج دیا تھا کہ وہ جیسے چاہے اپنی پسند کی شاپنگ کرے۔

مگر باپ کا کیا یہی فرض ہوا کرتا تھا محض روپے کی بھرمار اور روپے کی فراوانی اس کے حقیقی اور خونی رشتے کا نعم البدل ہو سکتے تھے، وہ دل شکنی سے سوچ کر رہ گئی تھی۔

"کیوں اداس ہو رہی ہو۔" شاہ میر عقب سے نجانے کب آ گیا تھا، شاہ میر کی نگاہوں میں محبتوں کا جہان اس کے لئے آباد تھا وہ اپنی قسمت پر شاکر تھی، اسے ناز تھا، اپنی قسمت پر۔

"بابا جان نے کہا ہے وہ نہیں آ سکتے ہماری منگنی پہ۔" وہ ملول سی ہو رہی تھی۔

"اچھا تو اس میں اداسی کی کیا بات ہے شادی پر آ جائیں گے اور دیکھو نیلم تم مجھے اداس اچھی نہیں لگتی ہو۔" شاہ میر نے بے حد محبت سے کہا تھا، نیلم نے گہری مسکراہٹ جواباً پیش کی تھی اور سامنے سے آتی ہوئی رشنا اس منظر کو دیکھ کر رستہ ہی بھول کر وہیں جیسے ٹھٹک کر ساکن سی ہو گئی تھی۔

یہ وہی چہرہ تھا جو کبھی اس کے اردگرد منڈلایا کرتا تھا، اب اس سے یوں برتاؤ رکھتا تھا، جیسے جانتا ہی نہ ہو، اجنبیت کی ایک اونچی فصیل ان کے دونوں کے درمیان حائل ہو گئی تھی اور یہ اونچی فصیل اب عبور کرنے کی کوئی آرزو خود رشنا کے دل میں بھی بیدار نہیں ہوتی تھی، مگر ایک احساس نارسائی کا احساس اس کے اعصاب پر حاوی تھا۔

وہ اب بھی اس کی یادوں کو سرہانے رکھ کر صبر کا دامن تھام کر آنسوؤں سے جگمگ نگاہوں کو لحاف میں چھپائے سو جانے کی کامیاب اداکاری کرتی تھی۔

ہجر اس کے مقدر میں رقم تھا، مگر اس میں یکطرفہ محبت سہنے کا حوصلہ اب باقی نہ رہا تھا۔

جس راہ پر شاہ میر نے اسے قدم سے قدم ملا کر چلانا سکھایا تھا اب اس راہ گزر پر وہ تنہا چل رہی تھی، آبلہ پائی کا یہ طویل سفر اب اسے تنہا ہی کاٹنا تھا، وہ دکھوں کے گہرے پاتال میں گم تھی۔

گھر بھر میں تو خوشیوں کی چہکار تھی اور مسرتوں کے ہلکورے تھے، مگر وہی ایک دکھی دل لئے پھر رہی تھی، جو تشنہ آرزو تھا ادھورا تھا۔ کیونکہ اس نے محبت کرنے کی خطا کر لی تھی۔

☆☆☆

"ازمیر کے ساتھ فاریہ اور رشنا میں سے کوئی چلا جائے شاپنگ کے لئے مجھے تو اب ہمت نہیں رہا ہے ساری شاپنگ تم لوگ ہی کر آؤ۔" زہرہ بیگم نے کہا تو رشنا فاریہ کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"مگر پھپھو ہم کیسے کر سکتے ہیں۔" رشنا متذبذب سی تھی۔

"اصل میں میں نے ہی کہا تھا، کہ ازمیر جاتے ہوئے سبرینا کو بھی پک کر لے گا، اس کے گھر والوں نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا ہے، مگر ساتھ تم دونوں ہو گی تو اچھا رہے گا۔" زہرہ بیگم نے تاویل پیش کی تھی۔

اب رشنا سمجھ گئی تھی کہ ان دونوں کو محض ساتھ چلنا تھا، شاپنگ سبرینا کی ہی پسند کی ہو گی اور وہ اس لئے ساتھ جانے پر پابند ہیں اکیلے ازمیر اور سبرینا کا جانا کسی طور خاندانی اعتبار سے موزوں نہ تھا۔

بہرحال کچھ اقدار و روایات کی پاسداری اب بھی ضروری سمجھی جاتی تھی۔

"فاریہ تو نہیں جا سکتی ہے کل اس کا اپنا [illegible] ہے، تھک جائے گا، رشنا چلی جائے یوں بھی نکمی فارغ ہے۔" ندرت بیگم نے سنگدلی کی انتہا کر دی تھی۔

"یہ دیکھو رشنا میری ساری جیولری خود شاہ میر نے پسند کی ہے اچھی ہے ناں۔" نیلم نے جتانے والے انداز میں اس کے نیکلس گلے سے لگا کر دکھایا تھا، وہ جو یہاں مہمان تھی اب مالکن بن بیٹھی تھی جبکہ وہ خود جو اس گھر کی کل تھا، اب آج میں بھی اس کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔

"رہنے دو نیلم پگلی نظر لگ جائے گی، ساری جیولری سمیٹ کر اندر الماری میں لاک لگا کر رکھو۔" ندرت بیگم نے اسے اس کی ناسمجھی پر ٹوکا تھا، ان کے خیال میں مبارک موقع پر رشنا ضرور اپنی بدنیتی دکھا سکتی تھی، حالانکہ وہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھیں کہ وہ خود نیلم ہی تو تھی، جو اس طرح رشنا کو نیچا دکھا کر یہ بتانا چاہتی تھی اب شاہ میر پر صرف اور صرف اس کا استحقاق ہے۔

"جی میں رکھتی ہوں۔" نیلم نے بظاہر تابعداری سے کہا تھا، مگر نیلم کو ندرت بیگم کا یوں ٹوکنا ناگوار خاطر گزرا تھا، رشنا پھر ازمیر کے ساتھ آ گئی تھی۔

سبرینا کے گھر جانے کا یہ اس کا پہلا اتفاق تھا وہ لوگ آئے تھے تو ازمیر کے پورشن میں ہی بیٹھے تھے، اس لئے وہ نہیں جان پائی تھی، نہ ہی اس نے براہ راست سبرینا نے ملاقات کی تھی یہاں سبرینا کے گھر آنے کا پہلا اتفاق تھا، بہرحال ایک حیرت ہوئی تھی کہ وہ لوگ مالی اعتبار سے ان سے کم تھے، پھر بھی زہرہ پھپھو نے خوش دلی سے ان لوگوں کو قبول کر لیا تھا، دوسرا جھٹکا اسے تب لگا تھا جب داخلی گیٹ پر اس کا سامنا اس دن والے لفنگے سے ہوا تھا، یا دوسرے معنوں میں جسے لفنگے کا خطاب دیا گیا تھا۔

"کیسے ہیں دولہا بھائی۔" سرمد نے ہنس کر ازمیر کو گلے لگا کر چھیڑا تھا، ازمیر ہنس دیا تھا۔

"آئیں سبرینا تیاری ہو رہی ہے اتنی دیر

(جاری ہے)

نایاب جیلانی

پچھلی قسط کا خلاصہ

جیسے پولو میچ کے دن قریب آ رہے تھے ویسے ویسے ہی نیل بر کا خوف بڑھتا جا رہا تھا، اس نے گلالئی سے جب ذکر کیا تو وہ بھی پریشان ہو گی، لیکن پھر وہ خود کو سنبھال کر نیل بر کی ہمت بندھاتی ہے۔

حمت کو بی جاناں واپس بلا لیتی ہیں تو فارم ہاؤس میں مکین باقی سب لڑکیاں اداس ہو جاتی ہے سباخانہ شاہوار کی بیوی کا ذکر کرتی ہے تو نشرہ پریشان ہو جاتی ہے، وہ شاہوار کا پوچھتی ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ اس نے عشیہ سے شادی کر لی ہے اور وہ بٹو محل میں ہے پھر وہ سباخانہ کے اصرار پر بتاتی ہے کہ عشیہ اس کی نند ہے۔

ادھر ہیام کو پتا چلتا ہے کہ عشیہ صندیر خان کے پاس کیسے پہنچی، اسی غصے میں صندیر خان کی گاڑی پر فائرنگ کرواتا ہے جس سے صندیر اور اس کا ڈرائیور شدید زخمی ہو جاتے ہیں اس فائرنگ کا شک جہاندار پر کیا جاتا ہے۔

ہوسپٹل میں صندیر خان اور ڈاکٹر ہیام کی بحث ہوتی ہے جہاں ہیام اسے کہتا ہے کہ تم نے کسی کی بیوی کو اغواء کر کے اپنے گھر رکھا ہے جہاندار اور اس کی بات پر حیران رہ جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اُنتالیسویں قسط



نیم تاریک منظر میں عجیب سی دھول اڑتی دکھائی دے رہی تھی۔

درختوں کے پتے ڈھیر کی صورت زمین پر گرے تھے، جنہیں تیز ہوا اڑا رہی تھی، اچانک منظر بدلا پورب سے ایک مٹی کا بگولا اٹھا اور ہر چیز کو خاک آلود کر گیا، کہیں دور کسی کے کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔

سردار بٹو اچانک پریشان ہو گیا، کراہنے کی آواز قریب آتی جا رہی تھی، سردار کبیر خان کی گھبراہٹ اور پریشانی بڑھ گئی تھی۔

اس نے پورا زور لگا کر مٹی کے بگولوں کی سمت دیکھا تھا، وہاں ایک وجود گرا پڑا تھا، خون آلود، بکھرا اور ٹوٹا ہوا، مارا ہوا یا ہارا ہوا۔

سردار بھاگتے ہوئے قریب آیا، وہ وجود اوندھے منہ گرا ہوا تھا، سردار کو پورا یقین تھا، وہ وجود ودھا کا ہی تھا، ان دنوں بہت تسلسل کے ساتھ ودھا ان کے خوابوں میں آ رہی تھی، کبھی سامنے کھڑی ہو جاتی تھی اور کبھی اوٹ میں، کبھی آگے اور کبھی پیچھے، کبھی اپنا زخمی پہلو دکھاتی۔

"خان بابا! میرا کیا قصور تھا؟ مجھے کیوں مارا؟ میں تو آپ کی بیٹی تھی نا، پھر میرے ساتھ آپ نے ایسا کیوں کیا؟" ودھا کا زخمی پہلو بہتا خون سردار بٹو کو عجیب سے غم اور پشیمانی میں مبتلا کر دیتا تھا، پھر وہ ودھا کو ہاتھ لگانے لگتے تو وہ اچانک غائب ہو جاتی تھی۔

مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا، انہوں نے ودھا کو ہاتھ لگایا، اس کے الٹے چہرے کو سیدھا کیا، اس کے بھیگے گرد آلود بال چہرے سے ہٹائے تو انہیں جھٹکا لگا تھا، وہ چہرہ ودھا کا نہیں، نیل بر کا چہرہ تھا، سردار بٹو کا پہلی مرتبہ آن کی آن میں دم نکل گیا۔

"نیل بر! میری جان، میری بیٹی۔" سردار بٹو حواس باختہ سے اپنے پلنگ سے اٹھے اور چلانے لگے۔

"غریب خان! کہاں ہو؟ جلدی آؤ۔"

"حاضر خان۔" غریب خان بھاگتا ہوا اندر آیا تھا، سردار بٹو کو حواس باختہ سینہ مسلتے دیکھ کر گھبرا گیا۔

"خان! آپ ٹھیک تو ہو؟" وہ انہیں پانی پلاتا، کمر سہلاتا گھبرا رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، غریب خان! مگر نیل بر ٹھیک نہیں، تم پتہ لگاؤ، سب خیریت ہے، جہاندار اس کے ساتھ ٹھیک ہے، وہ نیل بر سے خون بہا میں بیاہی لڑکیوں جیسا سلوک تو نہیں کر رہا۔" سردار بٹو بے خیالی میں بولتے جا رہے تھے اور غریب خان منہ کھولے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"خان! گلگت میں سب امن چل رہا ہے، جہاندار شاہ اپنے ترقیاتی اور کاروباری کاموں میں مصروف ہے، صندیر خان پہ قاتلانہ حملے کے بعد سے لے کر اب تک کوئی لڑائی جھگڑے والی بات نہیں ہوئی، میرا خیال ہے، جہاندار شاہ کبھی انتقامی کاروائی نہیں کرے گا۔" غریب خان نے بہت سوچ بچار کے بعد اپنا خیال ظاہر کیا تھا، جہاندار کے بعد اب غریب خان ہی سردار بٹو کا معتمد خاص تھا، وہ اس سے اپنے دل کی ہر بات کر لیتے تھے، ان کو ایک سامع درکار تھا، جو غریب خان کی صورت میں میسر تھا۔

"...یہ انتقامی کاروائی کیوں نہیں کرے گا؟" سردار بٹو نے سوال کیا۔

"نیل بر خانزادی کی وجہ سے۔" غریب خان جھجک گیا۔

"خان! ایک بات کہوں؟" کچھ جھجکتے ہوئے غریب خان نے اپنے دل کی بات زبان پر لانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"دہشت خان آپ کا خاندانی حریف ہے، وہ بھری پنچائیت میں آپ کی عزت اور غیرت کا مذاق اڑاتا ہے، وہ لوگوں کو بتاتا ہے کہ آپ نے جہاندار سے اپنی بیٹی کا عقد جہاندار سے "قتل معافی" کے عوض کیا ہے، یہ باتیں پورے علاقے میں پھیل رہی ہیں۔"

"میں دہشت خان کی زبان نوچ لوں گا۔" سردار کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"پورے علاقے میں یہ سب بکواس دہشت خان کی پھیلائی ہوئی ہے کہ سردار بٹو نے خون بہا میں اپنی بیٹی دے کر اپنی جان بخشی کروالی ہے۔" غریب خان نے مزید گل افشانی کی تھی۔

"خبیث آدمی۔" سردار کا جلالی رنگ عود آیا۔

"میں اس کا ہمیشہ کے لئے منہ بند کروا دوں گا، صندیر خان کہاں ہے؟ وہ ان معاملات کو کیوں نہیں دیکھ رہا۔" اچانک ان کے طیش کا رخ صندیر خان کی طرف چلا گیا تھا۔

"صندیر خان تو کسی بھی معاملے کو نہیں دیکھ رہے، اب تو دشمنوں سے بھی ہنس کر ملتے ہیں، جس ڈاکٹر نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا، اسے فارم ہاؤس میں بلوا کر دعوت شیراز کی، عجیب آدمی ہیں صندیر خان، ہماری سمجھ سے بالاتر ان کا مزاج ہے۔" غریب گل کو صندیر خان کے بارے میں چٹ پٹی سنانے کا موقع ہاتھ آ گیا تھا، سو اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

"وہ ہوتا کہاں ہے؟ مجھے دکھائی بھی نہیں دیتا، نیل بر کی کوئی خیر خبر نہیں بتائی، اتنے دنوں سے دکھائی نہیں دے رہا۔" سردار بٹو نے تنک کر سوال کیا۔

"سردار! حضور اپنے فارم ہاؤس میں زیادہ تر قیام کرتے ہیں، وہاں ایک مہمان لڑکی ٹھہری ہے، جس کی عیادت کے لئے بٹو محل کی دونوں خانزادیاں فارم ہاؤس میں مقیم ہیں۔"

"کیا؟" سردار بٹو چلا اٹھے۔

"یہ صندیر خان کو کیا ہو گیا؟ اس کا دماغ خراب ہے، مجھے فارم ہاؤس لے چلو۔" انہوں نے اچانک فیصلہ کیا اور چل دیئے۔

وہ جس جلال میں جا رہے تھے، یہ لگ رہا تھا کہ صندیر خان سے علاقے کی سرداری کا اعزاز تک چھین لیں گے، عشیہ نے دیکھا اور تھم گئی۔

اس نے پہلی مرتبہ سردار بٹو کو اتنے جلال میں دیکھا تھا، اپنی بیماری فالج اور تندرستی کے دورانیے میں کبھی ان کے مزاج کا یہ رنگ سامنے نہیں آیا تھا، وہ عشیہ کو دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے رک گئے تھے، پھر چلتے چلتے اس کے قریب آ گئے۔

"تمہاری نفرت حق پہ ہے، اس لئے کچھ کہوں گا نہیں، تم اپنے فرائض ادا کر رہی ہو، میں اپنے حقوق سے ہمیشہ غافل رہا، معافی مانگوں گا تو تمہیں تکلیف ہوگی، میرا کوئی حق نہیں بنتا کہ تم سے اپنے باقی بچوں کی خیریت کا سوال کروں، بس اتنا کہوں گا، ہیام سے ک... خان کسی کی عزت

پہ ہاتھ نہیں ڈالتا، غلط فہمی ..... خراب پہ جائے تو ہاتھ کچھ نہیں آتا، میں تم سب کی نفرت کو اپنی سزا سمجھ کر بخوشی قبول کرتا ہوں۔" وہ اپنی بات کہہ کر جواب لینے کے لئے رکے نہیں تھے اور عشیہ اپنی جگہ پر جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی۔

یہ وہ شخص تھا، جو بدقسمتی سے اس کا باپ تھا، مگر باپ کہلائے جانے کے لائق نہیں تھا۔

"بہت اچھا کیا جو آپ نے معافی نہیں مانگی، آپ کی معافی ہماری تکلیف اور ہمارے گزرے ہوئے ماہ و سال کے دکھوں کو اور بڑھا دیتی، آپ کی معافی میرے دل کو نرم کر دیتی اور میں میرے اندر آپ کو اس دنیا میں ذلیل و خوار ہوتے ہوئے، دیکھنے کی تمنا مر جاتی، میں جانتی ہوں، نہ کل نہ آج آپ کے دل میں ہماری کوئی جگہ نہیں، آپ کے دل اور اس بنومحل میں کل بھی نیل بر کا نام تھا، آج بھی نیل بر کا نام ہے، چاہے وہ آپ کی اونچی دستار کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا کر بھاگ گئی تھی، اس کے باوجود آپ نے نیل بر کو اپنے سر کی دستار ہی بنائے رکھا، نیل بر آپ کے جگر کا سب سے قیمتی حصہ ہے، وہ آپ کی آتی جاتی سانسوں کی ضمانت ہے، وہ ہی آپ کی پہلی اور آخری اولاد ہے، میں چاہوں گی، جس طرح ہم آپ کو دیکھنے کے لئے ترستے رہے ہیں، ایسے ہی نیل بر کو دیکھنے کے لئے آپ کی آنکھیں ترستی رہیں، آپ بھی نیل بر کو دیکھ ہی نہ سکیں، جہاندار نیل بر کو کسی اور جہان لے جائے، جہاں آپ کی نگاہ نیل بر کو تلاش ہی نہ کر سکے۔" عشیہ نے انتہائی سرد انداز میں سوچتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

نیل بر کا موازنہ یا مقابلہ بنومحل کی کوئی اور بیٹی نہیں کر سکتی تھی۔

اس لئے کہ نیل بر سردار بنو کی سب سے پیاری اولاد تھی، اس پہ سو خون بھی معاف تھے، وہ ان کی غیرت کو للکار کر بھی بڑی شان سے گلگت کی حویلی میں جہاندار کی محبتوں کے حصار میں تھی۔

عشیہ نے نیل بر جیسا قسمت کا دھنی کوئی اور دیکھا ہی نہیں تھا اور حمت بتاتی تھی۔

"ودھا میری بہن تھی اور بڑی بدقسمت تھی، نیل بر نے گھر سے بھاگنے کا گناہ کیا تھا، ودھا نے تو یہ گناہ بھی نہیں کیا تھا، پھر بھی اتنی بے رحم موت اس کا نصیب بنی۔" حمت کو اکثر اپنی بہن کی یاد کے دورے پڑتے تھے۔

ایک دن حمت اور عشیہ کو سر جوڑے دیکھ کر بی جاناں چلا اٹھی تھی۔

"تیری بھگوڑی ماں ہماری بیٹی چرا کر لے گئی تھی، کس گمان میں روپوش ہو کر بیٹھی تھی؟ میں تمہیں بتائے دیتی ہوں، تیری بھگوڑی ماں کو کچھ نہیں ملا، صندیر خان سے پوچھنا تم فارم ہاؤس میں کس کی خدمتیں کرتی ہو؟" بی جاناں کی ناقابل فہم باتوں پر حمت اکثر الجھ جاتی تھی، ایک دن عشیہ نے حمت کے اصرار پر شاہوار خان سے پوچھ ہی لیا۔

"بہت ساری الجھنوں میں ہمارا خاندان الجھا ہوا ہے، بہت سی گرہیں ہیں عشیہ جو ایک دم نہیں کھلیں گی، تم خانم کی بیٹی ہو، اس گھر میں تمہارا ہونا ایک معجزہ ہے، اسی بات سے اندازہ کر لو کیسی گرہوں میں بندھے ہیں ہم، ایک ایسی گرہ سالوں پہلے لگی تھی، گلفام چچا کی بیوی اور بیٹی کا روپوش ہو جانا، بنومحل والوں نے ان کی قبر بنا کر اس پر فاتحہ پڑھ دی تھی، بات ختم ہو گئی تھی مگر اب صندیر

خان نجانے کہاں سے اسے......" شاہوار خان کچھ بتاتے بتاتے چپ کر گیا تھا، عشیہ نے تعجب سے شاہوار کی طرف دیکھا تھا۔

"صندیر خان اسے لے آیا ہے؟ اس کی ماں سے چرا کر؟" عشیہ نے اندازہ لگایا۔

"یا اغواء کر کے؟"

"نہیں..... حادثاتی طور پر۔" شاہوار نے گہری سنجیدگی سے بتایا تھا۔

"تو پھر؟ اسے یہاں کیوں نہیں لائے؟" عشیہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"بی جاناں تو اس کے آنے پر جشن کریں گی۔"

"شاید مصلحتاً۔" شاہوار نے گہرا سانس فضا کے سپرد کیا تھا۔

"وہ ابھی تک اس حقیقت سے آگاہ نہیں اس لئے۔"

"حمت بتا تو رہی تھی۔" عشیہ نے ایسے ہی عام انداز میں بتایا تھا مگر شاہوار چونک گیا۔

"حمت نے اور کیا بتایا ہے؟"

"یہی کہ فارم ہاؤس میں ایک لڑکی کومے آئی ہے، جس کی شکل ان سے بہت ملتی ہے۔" عشیہ نے بے نیازی سے کہا تھا، شاہوار نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"بس اتنا ہی بتایا تھا؟" وہ سنجیدگی سے استفسار کر رہا تھا۔

"ہاں جی..... بس اتنا ہی۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا، کومے، حمت کی جڑواں بہن ہے۔" شاہوار کے انکشاف پر عشیہ بھونچکی رہ گئی تھی۔

"کیا۔" تعجب سے اس کا پورا منہ کھل گیا۔

"ہاں۔" شاہوار نے سکون سے جواب دیا تھا، اتنا ہی سکون باہر کھڑی حمت نے بھی محسوس کیا تھا۔

"اور حمت اس حقیقت سے بھی واقف ہے کہ جس قبر پہ وہ ہر جمعرات کو فاتحہ کے پھول چڑھاتی ہے، اس کی ماں کی وہ قبر خالی ہے، اس کی ماں بہت سال پہلے اس کی بہن کو لے کر روپوش ہو گئی تھی۔" شاہوار اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

"حمت کو پتہ تھا مگر اس نے مجھے نہیں بتایا۔" عشیہ نے شکوہ کیا۔

"حمت کو اور مجھے اس حقیقت کے بارے میں کل شام ہی صندیر خان نے بتایا ہے۔" شاہوار نے اس کے شکوے کو دور کیا تھا، عشیہ انگشت بدنداں رہ گئی تھی، شاہوار نے ٹھیک کہا تھا، ان کا خاندان بہت ساری الجھنوں کا شکار ہے۔

"اور ودھا؟" عشیہ ودھا کے بارے میں بہت کچھ جاننے کے باوجود شاہوار سے اصل حقیقت پوچھنا چاہتی تھی۔

"ودھا گلفام چچا کی پہلی بیوی میں سے اکلوتی اولاد تھی، اسے تمہارے فرخزاد ماما سے محبت کرنے کے جرم میں قتل کر دیا گیا تھا۔" شاہوار نے انتہائی تکلیف دہ سانس کھینچتے ہوئے بتایا تھا۔

"اور اس کا قاتل صندیر خان تھا؟" عشیہ نے گہری چبھتی خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں...... ان دونوں کو خان بابا نے ... نے قتل کیا ...'' شاہوار کا ... تھا۔

''ودھا صندیر خان کی منگیتر تھی نا؟''

''ہاں ...... ایسا ہی تھا...... سب کچھ غلط تھا، غلط ہی ہوا، ایک نہیں بہت ساری زندگیاں تباہ ہو گئی تھیں، بہت سارے خاندان اجڑ گئے تھے۔'' شاہوار کی آواز میں نمی اتر آئی۔

''ودھا ہمیں کبھی نہیں بھولی، اس لئے ہم نے نیل بر کو ودھا بننے سے بچالیا تھا، جب نیل بر ہماری روایتوں سے بغاوت کر کے بھاگی تھی تو پنچائیت کے فیصلہ پر عمل کرتے اسے بھی قتل کر دیا جاتا، مگر ہم نے پرانی روایتوں کو توڑ دیا، نیل بر کو بوسیدہ رواجوں سے آزاد کر دیا، ہم نے نیل بر کو ودھا کے انجام سے بچالیا۔''

''اس میں تم لوگوں کا کیا کمال ہے؟ نیل بر کو ودھا نہیں بننا تھا، وہ ودھا بن ہی نہیں سکتی تھی، ودھا گلفام خان کی بدقسمت بیٹی تھی، جبکہ نیل بر کبیر خان بنو کی بخت آور بیٹی تھی، وہ سارے فیصلوں کے رخ موڑ کر بھی اپنی بیٹی کو بچا سکتے تھے، سوانہوں نے اپنی بیٹی کو بچالیا، جہاندار شاہ سے اپنی بیٹی کا نکاح کرتے ہوئے ایک مرتبہ بھی اس خرانٹ، سنگ دل اور بے رحم سردار نہیں سوچا تھا کہ جہاندار شاہ کون ہے؟ تمہارے خان بابا نے کبھی گھاٹے کے سودے نہیں کیے؟ خانم نے ساری عمر اس انتظار میں گزار دی کہ جہاندار واپس لوٹے گا تو سردار بنو سے اس کے ایک ایک ظلم کا حساب لے گا، جہاندار آیا اور سردار بنو کی سیاست اور مکاری کا شکار ہو گیا، سردار نے اسے اپنی بیٹی خون بہا میں دے کر صلح کر لی۔'' عشیہ جیسے صدمے اور غم کے احساس سے پھٹ ہی پڑی تھی، شاہوار دم بخود سا اسے سن رہا تھا۔

''نیل بر کسی خون بہا میں نہیں گئی؟ تم مورے کو حقیقت بتا سکتی ہو، جہاندار حقیقت جانتا تھا، ہم کون ہیں اور سردار بنو کون ہے؟ ہم میں سے کوئی اس حقیقت سے واقف نہیں تھا جہاندار کون ہے؟ جہاندار کو نیل بر سے نکاح پہ کسی نے مجبور نہیں کیا تھا، شاید جہاندار کا کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہو، وہ نیل بر کو استعمال کر کے کوئی انتقام پورا کرنا چاہتا ہو۔'' شاہوار نے دھیمی آواز میں اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔

''جہاندار مرد کا بچہ ہے، کسی عورت کو مہرہ بنا کر اپنا انتقام نہیں لینے والا، نیل بر کو اس نے شاہوں کی برباد حویلی میں مہارانی بنا کر رکھا ہوا ہے، کبھی عنیہ اور عمکیہ سے پوچھنا، وہ گلگت میں اس کے قریب رہتی ہیں۔'' عشیہ نے انتہائی تلخی سے کہا تھا۔

''تم چاہتی ہو جہاندار انتقام لے، وہ مجھے اور صندیر خان کو قتل کرے۔'' شاہوار نے بہت سنجیدگی سے سوال کیا تھا، عشیہ کا لمحہ بھر کے لئے دل بیٹھ گیا، اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا۔

تو پھر وہ کیا سوچتی تھی؟ تو پھر وہ کیا چاہتی تھی، بلکہ بہت سارے لوگ جو جہاندار کی ذات سے جڑے تھے وہ اس سے کیا چاہتے تھے؟

''شاہوار خان اور صندیر خان کیوں؟ میزان کے دونوں پلڑوں پہ ایک جتنا وزن لادنے سے توازن برقرار رہتا ہے، تو پھر ایک پلڑا بھاری کیوں کر دیا جاتا؟'' عشیہ نے ناقابل فہم انداز میں بات کی تھی، شاہوار خان اس کا چہرہ دیکھتا رہا، جیسے اس کے چہرے پہ لکھی تحریر کو پڑھنا چاہتا ہو۔

''تم چاہتی ہو، جہاندار اپنے دونوں بھائیوں کے قتل کا بدلہ ان کے قاتل سے ہی لے، وہ سردار کبیر بنو کا خون کر دے، کیا یہی؟'' شاہوار کے اگلے الفاظ نے عشیہ کو کچھ پل کے لئے خاموش کر دیا تھا۔

''سردار بنو اتنی آسان موت مرے؟ شیر شاہ، فرخزاد اور ودھا کا بدلہ سردار بنو کو سسکا سسکا کر مار کے لے، سردار بنو زندہ رہے، مگر ایک لاش کی طرح، وہ گلیوں میں گھومے اور لوگ اسے پتھر ماریں، وہ خاک اڑاتا پھرے، دھکے کھاتا پھرے، اس کا یہ تخت یہ تاج اس سے چھن جائے، یہ شاہی یہ نام و مال و زر کچھ بھی نہ رہے۔''

''میں چاہتی ہوں، خدا ہمارے سینوں میں ٹھنڈک اتارے اور سردار بنو کے دل کا چین اس کے دل سے اٹھا لے، اس کے دل پر بہت گہرا زخم لگے، ایسی چوٹ پڑے کہ دیوانہ ہو کر جنگلوں میں نکل جائے، مجھے اور میری ماں میرے بھائی کو سردار بنو سے کچھ بھی نہیں چاہیے، اکلوتا وارث ہونے کے ناطے ہیام کو مال و زر بھی نہیں چاہیے حتیٰ کہ سردار و بنو کا نام بھی نہیں چاہیے۔'' جب وہ اپنے زخم خوردہ دل کی آخری تمنا شاہوار خان کے گوش گزار کر کے جا رہی تھی تب باہر خاموشی سے ساری باتیں سنتی کھڑی حمت نے صدق دل سے آمین کہا تھا۔

''ہمیں سردار بنو گلیوں میں خاک اڑاتا چاہیے، ہم اس کی اتنی آسان موت نہیں چاہتے، خدا کرے کہ سردار کبیر بنو کے دل سے اللہ پاک چین اٹھا لے۔'' صدق دل سے مانگی گئی ان دعاؤں کو اللہ پاک نے قبولیت کا شرف بخش دیا تھا، اللہ پاک نے سردار کبیر بنو کے دل سے چین کو ہمیشہ کے لئے اٹھا لیا تھا۔

☆☆☆

''نیل بر میرے دل کا چین ہے، وہ جہاں رہے، مجھ سے ملے یا نہ ملے، بس سکھ میں رہے، آباد رہے۔'' سردار بنو اپنے جگری یار میر بنو سے کہہ رہا تھا۔

بہت سالوں بعد بھی سردار بنو اپنے جگری یار سے یہی بات کہہ رہا تھا۔

''نیل بر میرا پہلا اور آخری عشق ہے۔'' سردار بنو نے یہ لفظ صرف کہے ہی نہیں تھے، انہیں ثابت کر کے بھی دکھ دیا، نیل بر کو بنو محل میں لایا تو سارے رواج، ساری رسمیں بدل دیں، وہ جینز پہن کر گھوڑے دوڑاتی پھرتی تھی، دل کرتا تو سوئمنگ کرنے نکل جاتی، موڈ بنتا تو گیم کھیلنے چل دیتی۔

وقت آگے بڑھا تو انہوں نے جہاندار کو نیل بر کی خاص ''خبر گیری'' پہ مقرر کر دیا، انہیں وہم تھا کہ کہیں صندیر خان، نیل بر سے رقابت میں اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

وہ نیل بر کو اپنی ساری جائیداد کا وارث بنانا چاہتے تھے، اس بات پر صندیر خان کا اختلاف بڑھ گیا، اسے لگتا تھا، نیل بر کی شادی کے بعد اس کے پرکھوں کی ساری جائیداد غیروں میں چلی جائے گی، تب صندیر خان نے پہلی مرتبہ سردار بنو کو ان کے اکلوتے وارث کا خیال یاد دلایا تھا۔

''وارثت کی اتنی غلط تقسیم بہت سارے بکھیڑے ڈال دے گی خان بابا! آپ مت بھولو، کہ آپ کا ایک بیٹا اور چار بیٹیاں مزید ہیں، آپ ان کو بھی اپنی جائیداد میں قانونی اور شرعی حصہ دو۔''

تب سردار بنو اپنی انا، تکبر اور طاقت کے زعم میں تھا، اس نے صندیر خان کی باتوں کو چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

''اچھا تو اب تم مجھے قانون اور شرع پڑھاؤ گے۔'' ان کا انداز تمسخر اڑانے والا تھا۔

صندیر خان کو بہت غصہ آیا اور اسے تب تب شاید غصہ آتا تھا، جب خان بابا نیل بر کو اس پر فوقیت دیتے تھے، نیل بر سے ان کی محبت ایک تسلیم شدہ حقیقت تھی، وہ نیل بر سے محبت میں اکثر بے بس ہو جاتے تھے۔

اس کے بعد جو بھی ہوا نیل بر کا گھر سے بغاوت کر کے نکلنا، جرگے کا فیصلہ، اس کی ایک بوڑھے خانزادے سے شادی کا فیصلہ اور پھر اچانک جہاندار سے اس کا نکاح کر لینا۔

یہ سب کسی بھی منصوبے کے بغیر ہوا تھا اور جب ہو گیا تو صندیر خان کو لگا، بہتری اسی میں تھی، نیل بر کو بغاوت کے جرم میں جائیداد سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔

خان بابا کو نیل بر کی جدائی نے اندر ہی اندر سے دیمک لگا کر کھوکھلا کر دیا، صندیر خان دن بدن بااختیار ہوتا چلا گیا تھا۔

بعد میں جب جہاندار کی حقیقت کھلی تو صندیر خان کو اندازہ ہوا، یہ شاہی، یہ تخت اور سرداری وہ تنہا انجوائے نہیں کر سکتا تھا۔

جہاندار اکیلا تھا مگر وہ اکیلا نہیں تھا، بہت جلد صندیر خان نے اپنے مضبوط باوثوق استعمال کر کے امام اور اس کے خاندان تک رسائی حاصل کر لی، تب اسے یہ بالکل بھی نہیں پتہ تھا، کہ امام کا تعلق کس خاندان سے ہے؟

امام سے اس کی دشمنی کا اختتام کوے سے ملاقات کے بعد ہوا تھا، جب اس نے ذہنی طور پر کوے کی محبت تسلیم کر لیا تو اس نے فیصلہ کیا وہ کوے کی ماں سے ملے گا اور تب ہی اس پر سارے راز آشکار ہوئے تھے۔

وہ صندیر خان تھا، جو بہت پہلے ہی کوے کی حقیقت کو جان گیا تھا، جب اس نے ایک مارکیٹ میں کوے اور پلوشہ کو ایک ساتھ دیکھا تھا۔

وہ گلفام چچا کی چہیتی بیوی کو لمحوں میں پہچان گیا تھا، یہ انکشاف کوئی معمولی نہیں تھا، پلوشہ چچی کو سالوں پہلے فرضی طور پر مار دیا گیا تھا، جب وہ اپنی ایک بیٹی کو لے کر بنو محل سے بھاگ کر کسی گمنام شہر میں روپوش ہو گئی تھیں۔

بعد ازاں کوے تک اس کی رسائی، کوے کو پیش آنے والا حادثہ، یہ سب کسی منصوبے کا حصہ نہیں تھا، البتہ امام سے دشمنی صندیر خان کی پلاننگ میں شامل تھی۔

اگر پلوشہ کوے کی ماں تھیں، گلفام خان کی بیوی تھیں تو پھر امام اور ہمان تو شیر شاہ کے بیٹے تھے، جہاندار کے بھتیجے؟ صندیر خان کے حواسوں پر تو بم گر پڑے تھے، اس نے بہت عرصہ پہلے ہی کڑیوں سے کڑیاں جوڑ لی تھیں۔

وہ امام اور ہمان کی حقیقت جان گیا تھا، اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دونوں جہاندار سے بہت مختلف ہیں، وہ پلوشہ کے زیر سایہ رہے تھے، سو، دشمنی، بدلہ، انتقام ان دونوں سے کوسوں دور تھا، وہ جہاندار کے دست راست بن کر صندیر خان یا بنو محل پہ حملہ آور نہیں ہو سکتے تھے، مگر جہاندار سے اسے بہت خطرہ تھا، جہاندار جو کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا تھا، اس لئے صندیر خان چاہتا تھا، بہت ساری گرہوں کو کھول دے۔

جہاندار کے امام اور ہمان تک پہنچنے سے پہلے ہی ساری الجھنوں کو سلجھا دے، شطرنج کی بساط پر الٹے پڑے مہروں کو سیدھا کر دے اور جہاندار کے ہیام تک پہنچنے سے پہلے ہی ساری گیم اپنے ہاتھ میں کر لے۔

وہ ان سب کے اکٹھا ہونے سے پہلے کچھ ایسا کرنا چاہتا تھا جو زنگ آلود دلوں کے تالے کھول دے، بہت سالوں بعد اپنی انا اور خودی کو نشے سے نکل جانے کے بعد صندیر خان کو یہ حقیقت سمجھ میں آ چکی تھی کہ جنگ، قتل، بدلہ اور جھگڑوں کے بعد سوائے خسارے کے ہاتھ میں کچھ نہیں آتا، جہاندار اپنے بھانجے ہیام اور بھتیجے امام و ہمان کے ساتھ مل کر اور کتنا مضبوط ہوگا؟ یہ حقیقت صندیر خان کی زیرک نگاہی سے چھپی نہیں رہ سکی تھی، اس لئے صندیر خان نے سب سے پہلے پلوشہ سے ایک ملاقات کا فیصلہ کر لیا تھا، وہ دن ایک پرسکون دن تھا۔

صندیر خان نے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ امام اور ہمان گھر میں نہ ہوں، تب ہی پلوشہ سے ملاقات کرے اور اسے ایسا دن میسر آ گیا تھا۔

جب وہ پلوشہ کے گھر گیا تب دن ڈوب رہا تھا، بالکل ایسے ہی صندیر خان کو اپنے مقابل دیکھ کر پلوشہ کا دل بھی ڈوب گیا تھا، خوف نے پلوشہ کی آنکھیں چندھا دی تھیں، قریب تھا کہ وہ غش کھا کر زمین پہ گر پڑتیں، صندیر خان نے ان کو سہارا دیا تھا اور انہیں تھام کر صوفے پہ بیٹھا دیا، اب وہ خود بھی پلوشہ کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

پھر اس نے گفتگو کا آغاز بھی از خود کیا، پلوشہ تو ایسے خاموش تھی، جیسے ان کی قوت گویائی ہی ہمیشہ کے لئے سلب ہو گئی ہو۔

''میں زیادہ باتیں کرنے نہیں آیا، آپ کی حالت دیکھ کر مجھے اپنا تعارف کروانے کی ضرورت نہیں، پھر بھی اخلاقاً بتاتا ہوں، میں صندیر خان ہوں، میں وہی صندیر خان جس کا امام سے پچھلے [illegible] پہلے اختلاف اور جھگڑا ہوا تھا اور آپ کو مزید بھی بتا دوں، امام وہ تھا، جس نے نیل بر یعنی سردار کبیر بنو کی اکلوتی لاڈلی نور نظر کو محل سے بھگانے میں مدد کی تھی، اس جرم میں امام کو قریب آٹھ دن مسلسل بستر پہ بھی رہنا پڑا، اس کے لئے معذرت نہیں کروں گا، میں زیادہ باتیں کرنے نہیں آیا، میں دیکھ کر آپ ابھی شاک میں ہیں، بعد میں آپ کو غصہ آئے گا، پھر آپ چلائیں گی، مجھے گالیاں دیں گی اور پھر مجھے اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم دیں گی، میں آپ کو ایسی تکلیف نہیں دوں گا، میں آپ کو تکلیف دینے سے پہلے چلا جاؤں گا۔''

''میں اپنی حاضری کا مختصر سبب بتانے آیا ہوں، آپ گلفام چچا کی بیگم ہیں، اس حوالے سے میرے لئے قابل احترام ہیں، میں کسی پرانی دشمنی، اختلاف یا رنجشوں کی بات کرنے نہیں آیا، میں صرف آپ کو آپ کی ایک مردہ بیٹی کے زندہ ہونے اور دوسری بچھڑی بیٹی کے ملنے کی اطلاع دینے آیا ہوں اور اس اطلاع کے بعد میرا فرض پورا ہو جائے گا اور میں چلا جاؤں گا۔'' صندیر خان کی

بات مکمل ہونے سے پہلے ہی پلوشہ چلا اٹھی تھیں، بے قراری اور اضطراب نے ان کے پورے وجود میں زلزلہ برپا کر دیا تھا۔

''کیا بات کر رہے ہو تم، میرا کون سا امتحان لینا مقصود ہے؟ کیا ابھی تک ہمارے گناہ معاف نہیں ہوئے۔'' وہ بری طرح سے رونے لگی تھیں، صندیر خان نے انہیں رونے دیا، جب وہ رو رو کر نڈھال ہو گئیں تب صندیر خان نے کہنا شروع کیا تھا۔

''آپ کے امتحان ختم اور ہمارے امتحان شروع ہو چکے ہیں، اپنے بڑوں کے گناہوں کا خمیازہ بھگتنے سے پہلے اگر سنبھلنے کی کوشش صرف اور صرف ایک کوشش کرنے آیا ہوں، میں اپنے حصے کے جرم معاف کروانے آیا ہوں۔'' اس کی آواز مدھم تھی اور لہجہ نرم تھا، وہ پہلے والے جلالی صندیر سے قطعی طور پر مختلف لگ رہا تھا۔

''پھر بتاؤ...... تم میری کن بیٹیوں کا ذکر کر رہے ہو، میں وہ بد نصیب ہوں جس کی ساری اولاد بھی بد نصیب تھی۔'' پلوشہ نے ضبط سے ٹوٹ پڑتے لہجے میں کہا تھا۔

''آپ اور آپ کی اولاد بد نصیب نہیں ہیں پلوشہ خانم! بہت نصیب والے ہیں جن کے رستوں میں خضر کھڑے ہیں، میں کوے کی بات کر رہا ہوں، وہ ایک حادثے میں شدید زخمی ہو کر مجھ تک پہنچی تھی، وہ میری کسٹڈی میں ہے، وہ خیریت سے ہے، جبکہ میں آپ کو حمت سے ملنے کی خوشخبری دینے بھی آیا ہوں، میں چاہتا ہوں آپ کوے اور حمت سے ایک ساتھ مل لیں، میں آپ کو آپ کی دونوں بیٹیوں سے ملوانے کا سندیسہ دینے آیا ہوں۔'' صندیر خان کی بات کے اختتام سے پہلے ہی پلوشہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور صندیر کے بازو جھنجھوڑ ڈالے تھے۔

''کوے زندہ ہے؟ وہ جل کر مری نہیں، وہ مسخ شدہ لاش کوے کی نہیں تھی نا؟''

''ہرگز نہیں، گو کہ مجھے علم تھا، آپ لوگ کس تکلیف سے گزر رہے ہیں، مگر میری یہ خود غرضی سمجھیں میں کوے کو تب تک اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا جب تک اس کا اعتبار بحال نہ ہو جاتا، میں اس معاملے میں بے بس تھا، میں کوے کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں نے اسے امام سے بدلہ لینے کے لئے اپنے پاس نہیں رکھا اور نہ ہی میں اس کے ساتھ کوئی زور زبردستی کا بندھن چاہتا تھا، میں اس پر اپنی محبت اور اعتبار کو بحال کرنا چاہتا تھا۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی دل کی بات بتا دی تھی، وہ جو دس منٹ کے لئے آیا تھا، پونے دو گھنٹے بیٹھا رہا، اس دوران پلوشہ نے صندیر خان کو ہمان سے بھی ملوایا تھا اور امام کی فون پر بات بھی کروائی۔

وہ انہیں فارم ہاؤس آنے کی دعوت دے کر چلا گیا تھا، کیونکہ ابھی اس نے کوے کے سر پہ بھی یہ بم گرانا تھا۔

☆☆☆

امام ایک روشن خیال اور کھلے ذہن کا امن پسند انسان تھا، اچانک ہونے والے واقع اور اس بدلاؤ کو اس نے بہت جلد ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا۔

سب سے بڑی خوشخبری کوے کا زندہ رہنا اور حمت سے اٹوٹ رشتے کا انکشاف تھا۔

اسے اگلے کئی دن بھی یقین نہیں آیا تھا کہ وہ حمت کا اتنا قریبی عزیز ہے اور حمت سے ملنا اب

قطعی دشوار نہیں، صندیر خان اپنے دشمن کو گھر بلا رہا تھا، یعنی زمانہ بدل گیا تھا یا وقت؟ امام سے یہ خوشخبری سنبھالی نہیں گئی تو وہ اس خوشی کا بوجھ اٹھا کر نیل بر کے پاس آ گیا تھا، اپنی بے پناہ خوشی میں اس نے نیل بر کی اداسی کو محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

''اب حمت سے ملنا مشکل نہیں نیل بر، آئی ایم سو ہیپی۔''

وہ اسے ساری بات بتا کر بہت پرجوش ہو رہا تھا، نیل بر نے کا جوٹو تکتے ہوئے اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھ کر دلی مسرت کا اظہار کیا تھا۔

''تم اور حمت اپنی منزل کو پالو، اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو گی؟ امام! تم میرے محسن، تم میرے مسیحا ہو، اگر تم میری مدد کر کے بڑو محل سے نہ نکالتے؟ اور میں وہاں سے نہ نکلتی، مجھ پر الزام نہ لگتے تو مجھے جہاندار کیسے ملتا؟ امام! تم مجھے جہاندار سے ملوانے کا سبب بنے ہو، تم مجھے بہت عزیز ہو، تمہاری وجہ سے مجھے اس دنیا کا سب سے پیارا انسان ملا ہے، مجھے جہاندار ملا ہے، میں بہت خوش نصیب ہوں اور میں تمہاری خوش نصیبی کی دعا کرتی ہوں۔'' امام نے نیل بر کو بولتے دیکھا تھا، اس کے چہرے پر فرشتوں جیسی معصوم مسکراہٹ تھی۔

امام کو اس لمحے وہ کوئی مقدس کہانی کا بے ضرر سا کردار لگی تھی۔

امام اسے ایک ٹک دیکھتا رہا، اس کے چہرے پہ الوہی چمک تھی، عجیب سی روشنی۔

''میں چاہتی ہوں امام! میں اور جہاندار ہمیشہ ساتھ رہیں، ہمیں کوئی جدا نہ کرے، یہ جھگڑے، دشمنیاں ختم ہو جائیں، ہمارے پاس سکھ اور امن ہو، امام! ایسا ممکن ہے نا، جہاندار اپنے بھائیوں کے قاتل کو معاف کر دے؟'' وہ بہت آس آنکھوں میں بھرے پوچھ رہی تھی، امام نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی تھی۔

''کچھ بھی ناممکن نہیں نیل بر! جہاندار اپنے بھائیوں کے قاتل کو معاف کر سکتا ہے، بے شک معاف کرنا بہت ہی افضل عمل ہے۔'' امام نے بہت مضبوط لہجے میں کہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے نیل بر اپنی جگہ سے اٹھی اور امام کے پیروں میں بیٹھ گئی۔

امام کے لئے یہ بہت ہی شاکنگ تھا، وہ نیل بر کے اگلے اقدام پہ ششدر رہ گیا تھا۔

کیونکہ نیل بر نے اپنے دونوں ہاتھ امام کے پیروں پہ رکھ دیئے تھے، امام کو جھٹکا لگا تھا، اس کی آنکھیں پھٹ گئیں اور اس کا دل پہلی مرتبہ حلق میں آ گیا تھا، کیونکہ نیل بر بہت ہی عجیب بات کہہ رہی تھی۔

''ہاں، جہاندار ایسا کر سکتا ہے، اگر تم چاہو امام وہ میرے قاتل باپ کو معاف کر سکتا ہے، میرا باپ مجرم ہے، اس حویلی کے مکینوں کا، جہاندار کا، جہاندار کے بھتیجوں کا، کیا یہ ممکن ہے، امام تم اپنے باپ کا ناحق بہا خون میرے باپ کو معاف کر دو۔'' نیل بر کے جڑے ہاتھ کانپ رہے تھے، اس کے پورے وجود پر لرزہ طاری تھا۔

ایسا ہی لرزہ امام کے وجود پہ طاری ہو گیا تھا اور ایسا ہی لرزہ راہداری میں کھڑے جہاندار پہ طاری تھا، امام کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ نیل بر اس سے ایسی کوئی بات کرے گی، جبکہ جہاندار کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا، نیل بر حقیقت جان کر امام سے ایسی کوئی فرمائش کر دے گی؟

ابھی چنددن پہلے تو جہاندار نے نجانے کس رو میں بہتے ہوئے اسے بتا دیا تھا کہ جس امام کو وہ ہاتھ پکڑ کر اپنی حویلی دکھاتی ہے، اس حویلی میں امام سالوں پہلے اپنے باپ کے ساتھ آیا کرتا تھا، کیونکہ یہ حویلی جتنی نیل براور جہاندار کی تھی اتنی امام اور ہمان کی بھی تھی۔

اور تب نیل بر اس انکشاف پہ جہاندار سے الجھ پڑی تھی، وہ اس سے ناراض تھی کہ جہاندار نے اسے اتنی بڑی بات پہلے کیوں نہیں بتائی، وہ اس سے سب کچھ کیوں چھپاتا ہے؟

اور اب جہاندار کو پچھتاوا ہو رہا تھا، اس نے نیل بر کو امام کے بارے میں کیوں بتایا، کیا ہی اچھا ہوتا جب وہ قاتلوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد امام اور ہمان کا سامنا کرتا؟ کیا ہی اچھا ہوتا۔ تب وہ اپنے خاندان اپنے قبیلے کے سامنے سرخرو ہو چکا ہوتا، نیل بر کی جلد بازی نے سب کچھ بگاڑ ڈالا تھا۔

اس نے امام کو شدید ہرٹ دیکھا تھا، وہ بہت تکلیف میں تھا، اس نے امام کا رنگ اڑتے اور بدلتے دیکھا تھا، جہاندار بے حد تکلیف اور کرب سے گزر رہا تھا، اس سے امام کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی، اسی لئے وہ الٹے قدموں تاریک راہداری میں گم ہونے لگا تھا، اس کے قدم بھاری تھے اور دل بہت افسردہ تھا، یہ نیل بر نے کیا کر دیا تھا؟ جہاندار کی ساری تپسیا کو رائیگاں کر دیا؟ کیا اتنے سال بھٹکنے اور خوار ہونے کے بعد یہی کچھ کرنا تھا؟ اتنے سال تدبیریں اور منصوبے سوچنے کا یہی انجام ہونا تھا؟ کیا معافی کے بعد سب کچھ ختم ہو جاتا تھا، یا سب کچھ واپس آ جاتا تھا؟ جہاندار کو لگا، اس کی عمر بھر کی کمائی نیل بر نے امام کے سامنے ہاتھ جوڑ کر لٹا دی تھی، بس ایک معافی ہی جہاندار کے انتقام کا حاصل تھی؟ آبلہ پائی کے اس سفر کا اختتام اتنا خاموش اتنا اداس ہوتا تھا؟

وہ تاریک راہداری کے آخری سرے پہ ٹھٹک کر رک گیا تھا، اس کے رکنے کی وجہ ہی خوبرو نوجوان تھا، جس کی آنکھوں میں جہاندار کے بھائی کی آنکھوں کا رنگ بہتا تھا اور جس کی شکل میں شیر شاہ فرید سے نظر آتا تھا، جہاندار کے تھم کے رک جانے کی وجہ امام کا وجود تھا، جو اس کے راستے میں حائل تھا، جہاندار سے اس کا نمناک چہرہ اور روئی آنکھیں دیکھی ہی نہیں گئی تھیں۔

"یوں پہلو بچا کر گزر جانے کا مطلب پوچھ سکتا ہوں؟ بہت صبر اور ضبط ہے آپ میں، جانتے بوجھتے انجان بن کر گزر جاتے ہیں، آپ جیسا حوصلہ میں کہاں سے لاؤں؟ اگر آپ شیر شاہ فرید کے بھائی ہیں تو امام فرید سے اتنا دور کیوں ہیں، کیا مجھے سینے سے لگا کر اپنے بھائی کے سینے کی گرمی کو محسوس کرنے کی ذرا سی بھی خواہش نہیں ابھری دل میں۔" اس کی نم ناک آواز اور الفاظ نے جہاندار کے دل کو بھینچ ڈالا تھا، شاید وہ اب بھی نگاہ چرا کر کٹھور بن کے گزر جاتا مگر ملن کی اس گھڑی نے جہاندار فرید کو باندھ لیا تھا، اس کے قدم آگے بڑھے اور امام کے ضبط کا پیمانہ چھلک پڑا۔

برسوں سے بچھڑے خون کے رشتوں کا ملن کوئی معمولی نہیں تھا، دور کھڑی نیل بر اس حسین منظر کو جی بھر کے دیکھ رہی تھی، شاید اس کی آنکھوں نے اتنا حسین منظر پھر نہیں دیکھنا تھا۔

امام جہاندار کے سینے سے لگ کر ایسے بلک بلک کر رویا جیسے ابھی اس کے باپ کا جنازہ اٹھا ہو، برسوں تنہا رونے والے آج ایک دوسرے کے گلے لگ کر رو رہے تھے، ہر گرتا آنسو سامنے کا

منظر شفاف کر رہا تھا، جب امام کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تو اس نے جہاندار سے شکوہ کیا۔

"جانتا ہوں آپ جیسا صبر حوصلہ اور ضبط مجھ میں نہیں ہے، میں آپ جیسی تدبیر اور فیصلے بھی نہیں کر سکتا، مگر اتنا ضرور کہوں گا، ہمارے پاس اب کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں بچا۔" جہاندار نے اس کا روشن بھیگا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا، اس کی پیشانی سے بال ہٹا کر بوسہ لیا۔

"اب ہم کچھ بھی نہیں کھوئیں گے امام! اب ظالموں اور جابروں کے کھونے کا وقت ہے، وہ اپنے دل کا چین اور سکون کھو دیں گے۔" جہاندار کے ارادے اٹل اور لہجہ مضبوط تھا، وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔

امام نے دور کھڑی نیل بر کے چہرے پہ مایوسی اور زردی اترتی دیکھی تھی، وہ نیل بر کے چہرے پہ روشن صبح کا منظر دیکھنا چاہتا تھا اور یہی فیصلے کی گھڑی تھی، یہی کچھ منوا لینے کی گھڑی تھی، وہ نیل بر کے لئے اپنے باپ کے سب سے چھوٹے بھائی کے سامنے تن گیا تھا، جہاندار امام کی خواہش کو بن کہے سمجھ گیا تھا، اسی لئے تلخ مگر پرضبط لہجے میں بولا۔

"معافی کے بعد کیا بچے گا؟" "اور انتقام لینے کے بعد ہمارے پاس کیا بچے گا؟ کیا وہ لوٹ آئیں گے جنہیں ہم نے کھو دیا [illegible]" امام کے دلیل کے سامنے اس کے ارادے اتنے کمزور نہیں تھے جو جھک جاتے۔

"نیل از وقت [illegible] میرے راستوں میں آ کر میری راہوں کو کھوٹا نہیں کرو امام! میں اسی لئے تم سے اور ہیام سے نہیں ملنا چاہتا تھا، تم نیل بر کا وکیل بن گئے ہو اور ہیام تو اپنے باپ کی وکالت کے [illegible] ہے، پھر میں کہاں جاؤں گا؟" جہاندار نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے نیل بر کے مایوس چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

"تم اس کی باتوں میں مت آؤ، اسے آج کل ڈراؤنے خوابوں میں اپنا باپ دھول اڑاتا دکھائی دیتا ہے، یہ اپنے باپ کے سکھ کے لئے ہمارے دکھ بیچ دینا چاہتی ہے۔" جہاندار نے آخری نگاہ نیل بر کے چہرے پہ ڈالی اور آگے بڑھ گیا، جبکہ امام جہاندار کی مضبوط پشت کو دیکھتا ایک فخر [illegible] کیفیت میں کھڑا تھا۔

"نیل بر ٹھیک [illegible] ہی تو میری شکر گزار ہے، میں نہ ہوتا تو اسے جہاندار جیسا عالیشان مرد کیسے [illegible]"

☆☆☆

سسکیوں کی آواز تکون کمرے سے آ رہی تھی، ہیام کا ضبط بالآخرات کے تیسرے پہر جواب دے گیا تھا، وہ دبے قدموں سے نکلا اور باہر آ گیا، اس کی توقع کے عین مطابق رونے کی آواز نشرہ کی تھی، اب اس رونے کا کیا مقصد تھا؟ ہیام تلملا کر نشرہ کی طرف بڑھا۔

"رخصتی ہو رہی ہے کیا تمہاری میرے ساتھ، جو بھاں بھاں کر کے رو رہی ہو؟" نشرہ اچانک اسے اپنے سامنے پا کر ہڑبڑا گئی تھی، مگر رونے کا شغل جاری رکھا تھا۔

"تمہاری بزدلی کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنی رخصتی پر فاتحہ پڑھ لی ہے۔" وہ بھی نشرہ تھی، تڑک کر جواب دینے کے بعد سابقہ شغل میں مصروف ہو گئی تھی۔

"اب میں اپنی بہادری کے جھنڈے کیسے گاڑ کر ثابت کر سکتا ہوں۔" وہ اس کے سامنے دو زانو بیٹھتا ہوا عاجزی سے بولا تھا۔

"یہ کام تم کر ہی نہیں سکتے، بس میرے سامنے بڑ بڑ کر سکتے ہو۔" نشرہ نے چہک کر جواب دیا۔

"بڑ بڑ کے علاوہ بہت اچھا رومانس بھی کر سکتا ہوں۔" اچانک اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا، وہ پھیلتا ہوا اس کے قریب بیٹھ گیا تھا، پیار زیادہ آیا تو اس کا ہاتھ پکڑ لیا، سوں سوں کرتی اور پیاری لگی، نشرہ کی ساری طراری ہوا ہو گئی، گھبراتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔

"اوف ہیام، بندہ دیکھ لیتا ہے، کوئی آ جاتا تو۔" اس کا نازک دل بری طرح سے گھبرایا تھا۔

"موقع دیکھ کر ہی فائر کیا ہے اور کیا اپنے ولیمے کا انتظار کروں، جو ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔" ہیام نے سرور کے عالم میں نشرہ کو سرتاپا دیکھا، وہ اسے ہمیشہ کی طرح دل کے اور قریب لگی تھی، جبکہ نشرہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

"اپنی کم ہمتی سمیت میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔"

"ملکہ عالیہ، خادم آپ کی اس فرمائش کو پورا کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔" وہ اس کے سامنے اور پھیل کر بیٹھتا ہوا بولا تھا، نشرہ نے بھنا کر اسے دیکھا۔

"بہنوں کے سامنے تو ایسے بولتی بند ہو جاتی ہے، اس وقت زبان کہاں ہوتی ہے، جب تمہاری بہن مجھے سو سو طعنے مارتی ہیں، صندیر لالا کے حوالے سے جانے کون کون سے الزام لگاتی ہیں۔" اپنی بات کے اختتام پر نشرہ پھپھک پھپھک کر رو دی تھی، ہیام اس کے رونے پر گھبرا گیا۔

"ارے جانے دو، ان کے الزامات کو، جب میں تمہارے ساتھ ہوں، مجھے تم پر یقین ہے، وہ بس اپنا غصہ اور بھڑاس نکالتی ہیں، تم غم نہ کرو۔" وہ اس کے ہاتھ سہلاتا، چومتا، پیار کرتا اسے تسلی دے رہا تھا، جبکہ نشرہ کے رونے کی اسپیڈ بڑھتی جا رہی تھی۔

"صندیر لالہ اتنے اچھے ہیں کہ کیا بتاؤں؟" ابھی وہ صندیر نامہ کھولنے ہی والی تھی، جب ہیام نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"بس میری جان بس، صندیر لالا کی اچھائیوں پہ مشتمل یہ لیکچر کسی اور وقت سنا لینا، فی الحال میں سخت رومانٹک موڈ میں ہوں، میرے رومانس کا بیڑہ غرق مت کرو۔"

"ہنو......تم۔" نشرہ نے اپنی ناک چڑھالی تھی۔

"ارے کہاں ہٹیں، اب تو آپ کی راہوں کے پتھر ہیں، جہاں سے مرضی ٹھوکر مار کر نخرہ دکھائیں۔" ہیام نے دلار سے بولتے ہوئے اس کی الجھی لٹ کو کھینچا تھا، وہ خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"دیکھ لیا ہے، جتنے تم طرم خان ہو۔" نشرہ نے ناک چڑھا کر اس پہ طنز کیا تھا، ہیام نے دوسرے ہی پل اسے اپنی بانہوں کے حصار میں جکڑ کر کس لیا، نشرہ کے حواس گم ہو گئے تھے۔

"اب پتا چلا کہ کتنا طرم خان ہوں۔" ہیام اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتا دلکشی سے چہکا تھا۔

"ہیام! چھوڑو نا، کوئی آ جائے گا۔" وہ گھبرائی تھی۔

"تو آتا رہے، تم بھی دیکھ لینا، میں کتنا طرم خان بلکہ ہیام خان ہوں۔" اس نے نشرہ کے چہرے پہ جھک کر لگاتار کئی بوسے دیئے تھے، نشرہ کی جان پہ بن آئی تھی۔

"اب بزدلی کے طعنے دو گی، بولو ذرا۔" ہیام نے اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے ہوئے دلار سے کہا تھا۔

"میری توبہ۔" نشرہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے تب ہی ہیام کو بھی ترس آ گیا تھا، ویسے بھی عشیہ کے بولنے کی آواز آ رہی تھی، ہیام کو اپنے جامے میں آنا ہی پڑا۔

نشرہ لال ٹماٹر چہرہ لئے فوراً کچن میں غائب ہو گئی تھی، اس گھڑی عشیہ کا سامنا کرنا محال تھا اس کے لئے، پھر بھی عشیہ جائے واردات پہ پہنچ کر ہیام کا کان مروڑ چکی تھی۔

"تمہیں کتنی مرتبہ سمجھایا ہے، رخصتی سے پہلے نشرہ کے سامنے آنا تمہارا بند ہے، تم ہو کے بات سنتے ہی نہیں۔"

"رخصتی کر دو تب نا، چوری چھپے مجھے سبز باغ دکھا کر مورے کے سامنے خاموش ہو جاتی ہو تم۔" ہیام نے اپنا کان سہلاتے ہوئے دکھڑا رو دیا تھا۔

"صبر تم کو نہیں، جہاندار ماما کو بلایا ہے، تمہاری شادی کے سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے ورنہ اور کوئی مائی کا لعل نہیں جو عینہ اور عمکیہ سے ٹکر لے سکے۔" عشیہ نے ایسا دلاسہ دیا تھا کہ ہیام کو ٹھنڈ پڑ گئی تھی، وہ اس کی بلائیں لیتا فدا ہو گیا۔

"بہن ہو تو تمہارے جیسی۔"

"اب جھوٹے مسکے نہ لگاؤ، مجھے گھر چھوڑ آؤ۔" عشیہ نے اس کا کان پھر سے مروڑا۔

"میرا سردار بٹو کے محل سرا جانے کا کوئی ارادہ نہیں، تمہیں گیٹ تک چھوڑ آؤں گا۔" ہیام آن کی آن میں سنجیدہ ہوا تھا، عشیہ بھی چپ کر گئی تھی، اتنی جلدی یہ فاصلے سمٹ آئیں نفرتیں اور کدورتیں ختم ہو جائیں، یہ آسان بالکل نہیں تھا، پھر بھی شاہوار کہتا تھا۔

"غم نہ کرو عشیہ، وقت کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو گا، نفرتوں کا غبار بیٹھ جائے گا۔"

"کیسے نفرتوں کا غبار بیٹھے گا کوئی امید نظر نہیں آتی اور اب جب سے جہاندار ملا ہے، تب سے میرے اندر سردار بابا سے انتقام لینے کی خواہش ہی مٹ گئی ہے، میرا دل نہیں کرتا، انتقام کی اندھی گولیاں ہم سے جہاندار اور ہیام کو دور کر دیں۔" عشیہ بہت سنجیدہ تھی، پہلے والی جذباتیت کا کوئی نام و نشان ہی نہیں تھا، کبھی یہی عشیہ ہوتی تھی، جو سب سے پہلے سردار بٹو اور صندیر خان کو گولی سے اڑانا چاہتی تھی، اب تو اسے لڑائی گولی بدلے اور انتقام کے نام سے بھی خوف آنے لگا تھا۔

"اللہ بہت بہتر فیصلے کرتا ہے، کچھ فیصلے خدا پر چھوڑ دو، ذہنی سکون پا لو گی۔" شاہوار محبت سے اسے سمجھاتا تھا، وہ ان وحشی سرداروں سے کس قدر مختلف تھا، نرم خو، احساس کرنے والا، غرور و تکبر سے مبرا۔

اکثر عشیہ شاہوار سے کہتی تھی۔

"تم کس پہ چلے گئے ہو۔" اور شاہوار مسکرا دیتا تھا، پھر سر کو ہلنے سے جھٹکا اور کہا۔

"گلفام چچا پہ۔"

"حمت کے والد۔"

"ہاں...... انہی پہ ہوں، وہ بہت صبر اور برداشت والے تھے، ودھا کی جوانی پہ آئی رات کو چپ چاپ سہہ گئے۔" شاہوار اداس ہو جاتا تھا۔

"سردار بڑو نے ایسا ظلم کیوں کیا شاہوار۔" عشیہ کا دل پھٹنے لگتا تھا، ودھا کا غم اس کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔

اسے خوف آتا تھا، اس گھر کی ہر بیٹی کا نصیب ودھا نہ ہو جائے، ودھا کی کوئی خاموش بد دعا؟ جو نیل بر کو لے اڑی، اسے گھر بدر کر دیا، کچھ ایسا نہ ہو، کوئی اگلی نسل کی بیٹی گھر سے ودھا نہ بن جائے اور شاہوار اس کے تمام خوف اور ڈر اپنے اندر سمیٹ لیتا تھا۔

"ہم اپنی ہری بھری نسل کو امن، محبت اور پیار سے پروان چڑھائیں گے، وہ انتقام، لڑائی، دشمنی اور بدلے سے کوسوں دور ہوں گے، تم دیکھنا عشیہ! وقت بدل جائے گا۔" وہ اس کے ہاتھ نرمی سے چومتا اور پیار سے سہلاتا تھا۔

"ہاں وقت ضرور بدل جائے گا۔" عشیہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"مگر مجھے خوف ہے، وقت کوئی بڑی قربانی لے کر نہ جائے۔" عشیہ کی خوبصورت آنکھوں میں خوف کا سایہ لہرایا تھا، اسے بہت دور خون کے سرخ دائرے نظر آ رہے تھے، یہ خوف بڑھتا ہوا ان دائروں کے آس پاس چکرانے لگا، خون کے سرخ دائروں میں ایک خوبصورت بھرپور جوان لڑکی کا وجود تھا۔

ایسا وجود جو چپ چاپ سولی پہ چڑھ کر خود کو قربان کر کے صدیوں پرانی دشمنیوں کی فصیلوں کو گرا کر امن کی ایک نئی تاریخ رقم کرنے والا تھا، وہ ایسا وجود تھا، جس کی قربانی نے بہت سارے درد کے مارے غم سے بھرے اور احساس زیاں کے مارے ہوئے لوگوں کے دلوں سے نفرت، کدورت، غصے اور انتقام کو نکال دیا تھا، اس وجود کی عظیم قربانی نے مورے کے پتھر دل کو موم کر دیا تھا، ہیام کی نفرت اور غصے کو سمیٹ دیا تھا، عشیہ کے انتقام اور جلال کو ختم کر دیا تھا، سب سے بڑھ کر جہاندار فریدے کے دل کو بدل دیا تھا، کچھ ایسا ہو گیا تھا، جس نے پربتوں کے ان باسیوں کی زندگی اور کہانی کو اک نیا موڑ دے دیا تھا۔

☆☆☆

حویلی کے عرشے پہ پورے چاند کی رات اپنے تمام تر جوبن سے جلوہ افروز تھی، نقرئی کرنیں چہار سو بکھری تھیں، حویلی کی مغرور بالکونیوں میں شگفتہ پھولوں کی بھینی مہک چکرا رہی تھی، حویلی کے عرشے پہ نیل بر اور جہاندار ایک دوسرے کے مد مقابل تھے، ایک معنی خیز خاموش دونوں کے بیچ رقصاں تھی، جہاندار نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے نیل بر کی طرف دیکھا تھا، وہ جان بوجھ کر نظر چرا رہی تھی۔

"اب کہہ دو، جو کہنا چاہ رہی ہو۔" بالآخر جہاندار کو کہنا ہی پڑا۔

"[illegible] کچھ چھوڑ آئیں، سب کچھ سا[illegible] دیا ہے۔" اس نے شکوہ کر ہی دیا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا، امام کو فی الحال کچھ بھی پتا چلتا، یا وہ جہاندار تک رسائی حاصل کر لیتا، نیل بر نے اس کی منزل کو مشکل بنا دیا تھا، کیونکہ اس دن کے بعد امام لگاتار جہاندار سے ملتا رہا اور خاندانی دشمنیوں کے خاتمے پر اصرار کرتا رہا، وہ اسے اپنی والدہ کی آخری خواہش بھی بتا رہا تھا۔

"ماما نے ہمیشہ مجھے اور ہمان کو آپ کے بارے میں بتایا تھا، ان کو یقین تھا آپ جہاں بھی ہوئے واپس آئیں گے اور ہمیں ضرور تلاش کریں گے، ماما کی یہ خواہش تھی، آپ آ کر خاندانی تمام دشمنیوں کا خاتمہ کر دیں۔" شاید وہ اسے ایموشنل کرنا چاہتا تھا، مگر جہاندار کے ارادے اتنے کمزور نہیں تھے کہ اتنی سی جذباتی بلیک میلنگ سے متاثر ہو جاتا، وہ کسی نہ کسی طرح امام کو قائل کر ہی لیتا تھا۔

امام کا ملنا اتنا چھوٹا واقعہ نہیں تھا کہ بات چھپی رہتی، یہ بات پھیلتی ہوئی بیال کے بونجل سے ہوتی ہوئی ہیام کے چھوٹے سے مکان تک بھی آ گئی تھی، عشیہ نے حواس باختہ ہو کر یہ اطلاع ہیام تک پہنچائی تھی۔

"تو اس میں نیا کیا ہے؟ میں جہاندار ماما سے بہت دفع مل چکا ہوں۔" ہیام نے اس کے تعجب کو کم کرنا چاہا تھا۔

"اور امام؟"

"ہاں، یہ ایک نئی بات ضرور ہے، مجھ سے امام بھی ملا ہے اور وہ مورے سے بھی ملنا چاہتا ہے، شاید جہاندار اور امام اکٹھے یہاں آئیں، کیونکہ اب زیادہ دیر تک جہاندار خود کو اپنے رشتوں سے الگ نہیں رکھ سکتا، اس صورت میں جب مورے کو خبر ہو چکی ہے کہ امام اور جہاندار یہیں ہے اور جہاندار جان بوجھ کر مورے سے نہیں مل رہا۔" امام نے عشیہ کی الجھن دور کرتے ہوئے بتایا تھا۔

"جہاندار آئے گا؟" وہ تھم سی گئی تھی۔

"کیا وہ مورے سے ملے گا؟" عشیہ بے یقین تھی۔

"ہاں اب تو ملنا ناگزیر ہے۔" ہیام سنجیدہ تھا۔

اور پھر وقت نے ملاپ کا وہ دردناک منظر بھی دیکھا تھا، جب جہاندار خود چل کر صدیوں پہ محیط فاصلوں کو ختم کرنے اپنی دردوں کی ماری بہن سے ملنے آیا تھا، امام اور جہاندار کا آنا ایک معجزہ تھا تصور کیا جاتا تھا، یوں لگتا تھا مورے کے اندر برسات کی جھڑی لگ گئی ہے، ہیام کو لگا، اس کے [illegible] کی جوان موت کا لاشہ گزرا ہے، اس نے اپنی ماں کو صدیوں بعد اس قدر درد کے عالم میں روتے دیکھا تھا، خانم کو لگ رہا تھا، جیسے ابھی کے ابھی فرخزاد اور شیر شاہ کے جنازے اٹھے ہیں، ان کی حویلی برباد اور ویران ہو گئی، شیر شاہ کی بیوی عدت پوری کیے بغیر اپنے دونوں کم سن شہزادوں کو لے کر کسی گمنام شہر میں کھو گئی تھی۔

مورے طلاق کا داغ لگوا کر حویلی جانے کے بجائے بستی میں موجود اپنے پرانے خدمت گزار کے مکان میں آباد ہو گئیں، اسی مکان میں ہیام نے ٹھیک دو ماہ بعد آنکھیں کھولی تھیں۔

امام کی خالہ پلوشہ تب ہی بنو محل سے فرار ہوئی تھی، بعد ازاں سنا تھا کہ دونوں بہنوں نے ایک جگہ ہی مکان لے لیا ہے۔

وقت کروٹیں بدلتا رہا، لمحے بیتتے رہے، سمے بدلتے رہے، مگر خانم کی درد بھری آنکھوں میں جما انتظار کبھی پگھل نہیں سکا تھا اور آج اس انتظار کو آنسوؤں کا رستہ مل گیا تھا، جب آبلہ پائی کا سفر تمام ہوا تھا، خانم نے سر جھکائے بیٹھے اپنے بھائی کو دیکھا، فرخزار اور شیر شاہ کی دلیری اور شجاعت کا مجسم عکس لئے، ان کا کڑیل جوان بھائی، کون کہتا ہے سوتیلے رشتے درد اور کرب نہیں رکھتے، سوتیلے رشتوں میں احساس پیار یا درد نہیں ہوتا۔

خانم نے تو اپنے اس بھائی کو سراپا درد بنے دیکھا تھا، سراپا کرب بنے دیکھا تھا، وہ جس نے خود پر زندگی کی ہر خوشی کو حرام کر رکھا تھا، وہ جس نے قسم کھائی تھی کہ گلگت کی حویلی اور پولو کے میدان کو آباد کر کے دکھاؤں گا، دشمنوں کی سرزمین پر فتح کے جھنڈے گاڑوں گا، وہ اپنی قسمیں پوری کرنے آ گیا تھا، اس نے گلگت کی حویلی اور پولو کا میدان آباد کر دیا، کوئی روکنے والا ہوتا تو روک کر دکھاتا؟

دہائی دی تھی، پھر وقت گواہ بن گیا تھا، جہاندار نے جو کہا، وہ کر دکھایا، نیل بر کبیر خان پھر خانم کو حویلی میں دکھائی نہیں دی تھی اور اس وقت جہاندار حویلی کے وسیع عرشے پہ بیٹھا بہتی چاندنی میں ڈوبی رات کو دیکھتا بہت ساری سوچوں کو اپنے آس پاس بھٹکتا دیکھ رہا تھا۔

نیل بر نے اس کی گہری خاموشی کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کیا تھا، پھر ننھا سا تنکا اٹھا کر جہاندار کے ہاتھ پہ مارا، یہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی ایک کوشش تھی، وہ بے خیالی میں نیل بر کو دیکھنے لگا۔

''کیا سوچ رہے ہو، جو اپنی بہن سے وعدہ کر چکے، وہ پورا کر سکو گے یا نہیں، نیل بر کو حویلی سے نکال سکو گے یا نہیں؟'' نیل بر کے الفاظ نے جہاندار کو سرتاپا مضطرب کر دیا تھا، اس نے بے چین سا ہو کر نیل بر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''نیل بر حویلی سے جائے گی یا نہیں، یہ اور بات ہے، نیل بر کو حویلی سے نکالنے والا کوئی پیدا نہیں ہوا۔'' جہاندار نے اس کے گداز ہاتھ کی پشت کو سہلاتے ہوئے ایکدم لگاتار کئی بوسے کر دیئے، نیل بر اس محبت پر ذرا ناز کے ساتھ مسکرائی تھی۔

''اور کیا پتہ، نیل بر کو حویلی سے جانا ہی پڑ جائے۔'' اس نے اچانک بہت معنی خیز انداز میں کہا تھا، جہاندار نے اس کے چہرے پہ اضطراب دیکھا، وہ اداس نظر آ رہی تھی، جہاندار فکر مند ہوا، ان دنوں وہ بہت ہی اداس رہنے لگی تھی، عجب و غریب خواب اور واہموں کی وجہ سے اس کی نیند بھی پوری نہیں ہوتی تھی۔

''ایسا کوئی دن نہیں آئے گا۔'' وہ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ ہی نہ سکا۔

''اور جب اذن سفر ملے تو مسافروں کو اپنے ٹھکانوں پہ جانا ہی پڑتا ہے۔'' وہ ٹھوڑی گھٹنے پہ ٹکائے افسردہ تھی، جہاندار نے بے چین ہو کر اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا، نیل بر کچھ دنوں سے بہت عجیب ہو

رہی تھی، پہلے والی شوخی، طرار یا لڑائی جھگڑے مفقود تھے، اسے نیل بر میں بہت کچھ بدلا بدلا دکھائی دے رہا تھا۔

''ابھی میری باتیں عجیب لگ رہی ہوں گی، جو سمجھ میں نہیں آتیں، مگر آہستہ آہستہ سمجھ میں آ جائیں گی۔'' اس نے جہاندار کے ہاتھ کی پشت پہ اپنی انگلی رکھی تھی۔

''مجھے لگتا ہے میرا مشن مکمل ہو گیا ہے۔'' اس کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکان آئی تھی۔

''کیسا مشن؟'' جہاندار کی آنکھوں میں سوال اترا۔

''یہی کہ تم امام سے لے کر ہیام تک اپنا سفر مکمل کر لو، تم اپنے کھوئے ہوئے رشتوں کو واپس حاصل کر لو اور تم اپنا انتقام بھی پورا کر لو۔'' نیل بر نے آنکھوں میں ڈھیر سارا پیار بھر کر کہا تھا۔

''ہاں...... میں تمہارا احسان مند ہوں، تم اگر مجھے مجبور نہ کرتی تو میں ابھی ہیام اور امام سے نہ ملتا۔''

''میں تمہاری آنکھوں میں سکون دیکھ رہی ہوں جہاندار، جب سے تم میری زندگی میں آئے ہو، میں نے پہلی مرتبہ تمہیں سکون میں دیکھا ہے۔'' نیل بر نے اس کے ہاتھ کی پشت پہ کچھ لکھا تھا، جہاندار دیکھ نہیں سکا، مگر وہ محسوس کر رہا تھا۔

''مگر یہ سکون ابھی ادھورا ہے۔''

''میں اسے مکمل کر دوں گی۔'' نیل بر نے اسے پورے یقین کے ساتھ یقین دلایا تھا۔

''وہ کیسے؟'' جہاندار پہلی دفع مسکرایا۔

''تم دیکھ لو گے۔'' اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

''تم جانتی ہو، میرا ادھورا سکون تمہارے باپ کی بربادی سے مشروط ہے۔'' جہاندار کا انداز اب کہ معنی خیز تھا، نیل بر نے کچھ پل کے لئے آنکھیں موند کر سوچا تھا اور پھر مسکرا دی۔

''بھلا کیا میں یہ بات نہیں جانوں گی؟'' وہ ہنسنے لگی، شگفتہ سی ہنسی، بچوں جیسی معصوم اور شفاف۔

''میں ہی تو جانتی ہوں، تمہاری ہر بات کو، تم سے لے کر تم تک کا سفر یوں ہی تو نہیں کیا۔''

''اچھا جی، تو پھر تم ہی بتا دو، میں اپنے ادھورے سکون کو کیسے مکمل کروں گا۔'' جہاندار نے فیصلہ نیل بر پہ چھوڑ کر اسے حیران کر دیا تھا، وہ جہاندار کے ہاتھ کی پشت پر لکھتا کچھ پل کے لئے رک گئی تھی، ذرا تھم کر اس نے جہاندار کی طرف دیکھا۔

''میرے باپ کی بربادی۔'' اس نے ایک جذب کے ساتھ کہا تھا۔

''ظالموں کو اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا۔''

''مگر کیسے؟''

''وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بربادی کے اسباب پیدا کر لیں گے۔'' نیل بر نے جہاندار کے ہاتھ کی پشت پر انگلی سے ایک مرتبہ پھر کچھ لکھنا شروع کیا تھا۔

''یہ تم کیا لکھ رہی ہو؟'' وہ نیل بر کے انداز و بیان سے اچانک ہی مضطرب ہو گیا تھا، نجانے نیل بر ایسی باتیں کیوں کر رہی تھی؟ وہ نیل بر کو بہت خاموش اور الجھا الجھا دیکھ رہا تھا۔

"خود دیکھ لو۔" نیل بر نے سابقہ انداز میں ہنوز لکھتے ہوئے کہا تھا، جہاندار اندازے سے سمجھنے لگا۔

"میں لکھ رہی ہوں، میری محبت کا حصار توڑا نہیں جا سکتا، میں یہ بھی لکھ رہی ہوں کہ جہاندار فریدے نیل بر کبیر خان کی محبت میں مبتلا ہو گیا ہے، اقرار نہیں کرتا، یہ اور بات ہے، اور میں یہ بھی لکھ رہی ہوں، نیل بر جہاندار کے ادھورے سکون کو مکمل کرنے کا سبب بنے گی، جہاندار اپنی قسم کو پورا ہوتے دیکھے گا، اور سردار کبیر بٹو اپنے گناہوں اور مظالم کی سزا پاتا گلیوں میں خاک اڑاتا دکھائی دے گا، تم دیکھ لینا جہاندار ایسا ہو کر رہے گا۔" اس نے لکھائی مکمل کر کے جہاندار کی طرف دیکھا، وہ گہری نظروں سے نیل بر کی طرف متوجہ تھا، نیل بر غمگین اور اداس تھی مگر جہاندار کے سامنے مسکرانے کی اداکاری کر رہی تھی، کچھ ایسا تھا، جو بہت ہی عجیب تھا، بہت چبھن دینے والا دلوں کو اداس کر دینے والا تھا، اسے نیل بر ہر گزرے دن سے زیادہ عجیب اور بدلی بدلی دکھائی دے رہی تھی۔

"تم ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو۔" جہاندار نے اس کے اڑے اڑے چہرے کی طرف دیکھا تھا، وہاں اداسی رقص کر رہی تھی۔

"اس لئے کہ میں نیل بر کبیر خان ہوں۔" اس نے بڑے انداز سے جہاندار کے گھٹنے پہ ٹھوڑی ٹکا کر کہا تھا، وہ اس پل جہاندار کو بڑی ہی دل نواز لگی تھی۔

"تم نیل بر کبیر خان ہو اور ایسی باتیں کر رہی ہو، جو ایسے مجھے سکون عطا کریں اور میرے ارادوں کو اور مضبوط کریں اور میں جہاندار فریدے ہوں، اگر کہہ دوں کہ سردار کبیر خان کو معاف کرتا ہوں، انتقام کے فیصلوں کو واپس لیتا ہوں، میں تمہارے بھیانک خوابوں کے رخ موڑ دیتا ہوں اور تمہیں تمہارے باپ کے حوالے سے خوشخبری دیتا ہوں۔" جہاندار نے اس کی روشن پیشانی پہ بکھری لٹوں کو سمیٹ کر بہت دل نوازی سے اسے تعجب میں ڈال دیا تھا، وہ دم بخود سی اسے دیکھنے لگی تھی۔

"مگر تم ایسا کیوں کرو گے؟ اپنی عمر بھر کی تپسیا کو ایک معافی کے ساتھ کیسے برباد کر سکتے ہو؟ تم اپنے ارادوں سے کیسے ہٹ سکتے ہو؟" نیل بر ہڑبڑ کر بے ربط ہو گئی تھی، اسے جہاندار کی دماغی حالت پہ شک گزرا تھا۔

"اس لئے کہ میں جہاندار فریدے ہوں، کسی وقت بھی کچھ بھی کہہ سکتا ہوں۔" اس نے نیل بر کی الجھی لٹ کو سنوارتے ہوئے کہا تھا۔

"جہاندارا!" نیل بر کے چہرے پہ برہمی آ گئی تھی۔

"کہا نا، ان باتوں کو نہیں سوچا کرو، بس خوش رہو اور اس بات کا یقین رکھو کے جہاندار کو تمہاری خوشی سے آگے کچھ بھی نہیں۔" وہ اسے بہت محبت کے ساتھ یقین دلا رہا تھا۔

"اب تم میرے خیالوں، میرے خوابوں اور وہموں سے نکل آؤ۔" وہ اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے کر یقین دلا رہا تھا، پیار کر رہا تھا، وہ اس کی فکر اور اندیشوں کو مٹا دینا چاہتا تھا۔

"اچھا...... تو اسی لئے اپنی بہن کے سامنے مجھے گھر سے نکالنے کی بات کر آئے ہو؟" نیل بر

نے چبھتے انداز میں شکوہ کیا تھا، جہاندار نے گہرا سانس بھر کے نیل بر کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں لیا۔

"تمہارے جاسوسوں کی ایسی کی تیسی۔" اس نے امام کو غائبانہ صلواتیں دی تھیں، جو پوری رپورٹ من وعن نیل بر تک پہنچا دیا تھا۔

"وہ دوستی کا حق ادا کرتا ہے۔"

"اسے چھوڑوں گا نہیں میں۔" جہاندار نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"اب چلو، یہاں ٹھنڈ ہے، تمہاری طبیعت بھی اچھی نہیں، کل ہمیں شہر جانا ہوگا۔" وہ اس کے چیک اپ کے حوالے سے بات کر رہا تھا، مگر نیل بر کو کسی اور پیرائے میں لے گئی تھی۔

"ہاں جانا تو ہوگا ہی، جلد...... یا بدیر۔" اس کی آواز مدہم تھی۔

"مگر ایک وعدہ کرو گے جہاندار۔"

"کون سا وعدہ۔" وہ اس کے ساتھ اس کے برابر اسے اپنے حصار میں لئے چلتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"کہ تم میرے رہو گے نا، میں رہوں یا نہ رہوں؟" نیل بر کے عجیب و غریب لب و لہجے اور الفاظ نے جہاندار کو لمحہ بھر کے لئے چپ کر دیا تھا۔

"جواب دو نا جہاندار۔" وہ اصرار کرنے لگی تھی، پھر اس کا اصرار بڑھتا ہی رہا، اور جب وہ تھکنے لگی تو جہاندار نے اسے اپنے مقابل کھڑا کر لیا، اس کے روشن چہرے سے نکلتی قندیلوں کو آنکھوں میں اتارا اور دل کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ جواب دیا تھا۔

"میں تمہارا ہوں، تمہارا رہوں گا، تم رہو یا نہ رہو۔"

اور وقت اس پل گواہ بن گیا تھا، پھر وقت نے جہاندار کے وعدے کو سچ کر دکھایا تھا، نیل بر کے نہ ہوتے ہوئے بھی جہاندار بس نیل بر کبیر خان کا ہی رہنا تھا۔

☆☆☆

"تمہیں میری کیا پرواہ، نئی نئی رشتے داریوں اور نئے نئے رشتوں میں اتنا مصروف ہو چکے تم۔" ہیام کے دن برے تھے جو نشرہ کو اکیلے دیکھ کر رومانس جھاڑنے آ گیا تھا، نشرہ جو اتنے دنوں سے بھری بیٹھی تھی اور ہیام کی مصروفیات سے سمجھوتہ کر رہی تھی، ایک دم ہی پھٹ پڑی۔

"مل گئی تمہیں جہاندار ماما اور امام دین بھائی کے یارانے سے فرصت۔"

"یہ تم میرے نئے نئے ملنے والے مامے سے اس قدر سڑ کیوں رہی ہو؟" ہیام نے دونوں بھنویں اچکا کر نشرہ کو گھور کے دیکھا تھا، جواباً اس کی خونخوار نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے پھر سے مسکین بن گیا۔

"میرا قصور کیا ہے؟ وہ جہاندار ماما اپنے بھتیجے سمیت مجھ سے کام ہی اتنے لیتا ہے، اب جو دو بڑے کولڈ سٹور بنا رہا ہے، اس کی ساری کھپائی میرے ذمے لگا دی کیا کروں؟ تم خود ہی بتاؤ، میں سیدھا سادھا دوائیاں لکھنے والا ڈاکٹر اور مجھے پکڑ کے ٹھیکیدار بنا دیا۔"

"اتنا مظلوم بننے کی ضرورت نہیں، جہاندار ماما نے تمہیں گن پوائنٹ پہ نہیں کہا، میرے ساتھ

چاہتوں کے رنگ

قرۃ العین رائے

آگ میں جلتے ہوئے پھنکار کر کہا تھا، نشرہ سے اسے بے انتہا چڑ اور نفرت تھی، جس میں اضافہ تب ہوا جب اسے پتہ چلا کہ ولید بھی ماضی قریب میں نشرہ کا دیوانہ تھا۔

"میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں، ولید کی باتوں میں کبھی مت آنا، وہ میرا کزن ہے اور بہت بڑا دھوکے باز ہے۔" نشرہ اس کی تمام حقارت و نفرت کے باوجود رسان سے اسے سمجھاتی رہی تھی مگر عروفہ کو نشرہ کی ہر بات زہر میں بجھی لگتی، اسے لگتا تھا ولید سے اسے دور کرنے کے لئے نشرہ من گھڑت کہانیاں سنا رہی ہے اور اب ولید کی باتیں عروفہ کا دماغ کھولا رہی تھیں۔

"اور وہ جو تم نے مجھ سے پیار، محبت اور ساتھ نباہنے کے وعدے کیے ہیں، وہ کہاں گئے ہیں؟" عروفہ ایک دم پھٹ پڑی تھی۔

"وعدے اپنی جگہ موجود ہیں اور ساتھ بھی نہیں چھوڑ رہا۔" ولید نے جلدی سے بات بنا کر جان چھڑوانی چاہی تھی۔

"تو پھر؟" وہ بھی عروفہ تھی، اسے سستے میں چھوڑنے والی نہیں تھی۔

"تو پھر یہ کہ تم سے شادی نہیں کر سکتا۔" ولید نے بالآخر عروفہ کے سر پہ بم گرایا تھا۔

"شادی نہیں کر سکتے تھے، تو جھوٹے لارے کیوں لگائے۔" عروفہ آگ بگولہ ہو کر چلائی تھی۔

"مجبوری تھی، میں نے تمہیں نشرہ کے خلاف استعمال کرنا تھا، نشرہ کو طلاق دلوا کر گھر سے نکلوانا تھا، جو کہ ہو نہیں سکا، تمہارا بھائی عہد کا پکا نکلا، اغواء شدہ لڑکی کو پھر سے گھر میں جگہ دے دی، میرے منصوبے خاک میں مل گئے، اب تمہارا کیا فائدہ۔" ولید نے مزید اسے اندھیرے میں رکھے بغیر کھری کھری سنا دی تھیں، جسے سن کر عروفہ کے دماغ کے رگیں تن گئیں، ولید نے فون بند کر دیا تھا، مگر عروفہ کے دماغ سے دھواں نکلنا بند نہیں ہوا تھا، وہ اس وقت جذباتیت غصے، نفرت اور احساس زیاں کی آگ میں بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔

یعنی نشرہ کے لئے اسے استعمال کیا گیا؟

محبت کا دعویدار جھوٹا نکلا؟

شادی کے جھوٹے لارے لگاتا رہا؟

اور اب جان چھڑا کر بھاگنا چاہتا ہے؟

"میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گی۔" عروفہ نے یہ اٹل فیصلہ کر لیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

☆☆☆

"کچھ کر یار مانی ورنہ مجھ پر خودکشی حلال ہو جائے گی۔" سلیم بھائی نے اپنی پپتا سنا کر آخر میں نہایت دردناک انداز میں کہا۔

"خدا کو مانئے سلیم بھائی کیوں غلط سلط فتویٰ دے رہے ہیں۔"

"تو نہیں جانتا مانی میں کس کرب سے دوچار ہوں، ایک ایسا مسئلہ جس کا میں کھل کے اظہار بھی نہیں کرسکتا، اظہار تو دور کی بات منہ سے بھاپ بھی نہیں نکال سکتا سب مجھے ہی بے وقوف کہیں گے۔"

"حالانکہ انہیں کہنے کی ضرورت نہیں۔" مانی نے بمشکل زبان کی نوک پر سے یہ جملہ حلق میں اتارا۔

"میری آخری امید تو ہے میرے بھائی قدرت نے تجھے میرے لئے محبت کا فرشتہ میرا مطلب ہے رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیجا ہے تجھے میرے مسئلے کا حل نکالنا ہی نکالنا ہے ورنہ......"

"دھمکی؟...... دھمکی وہ بھی مانی جہانزیب کو۔" مانی نے دھونس بھری حیرت کا اظہار کیا۔

"ہائے اللہ دھمکی نہیں میں تو کہنے لگا تھا کہ ورنہ میرا گلشن اجڑ جائے گا، اس نخلستان میں ایسی صحرائی ہوا چلے گی جو چار سو ویرانی کی ریت بکھیر دے گی سب ختم ہو جائے گا، میری تو ارمانوں کی دنیا اجڑ جائے گی، جذبات......"

"اوہ خدا کا خوف کرئے سلیم بھائی کیوں کسی پاکستانی ڈرامے کی طرح عام سی بات کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں دھیرج رکھے سوچتے ہیں آپ کے مسئلے کے متعلق بھی سوچتے ہیں۔"

"اوہ تھینک یو مانی، تھینک یو سو مچ تم کتنے اچھے ہو۔" سلیم بھائی نے آنکھوں میں فوراً آتی نمی کو صاف کرتے ہوئے مانی کا شکریہ ادا کیا۔

"سلیمی کھانا تیار ہے آ کر کھالو۔"

"جی آیا۔" کچن سے آتی پکار پر سلیم بھائی نے جھٹ سے جواب دیا۔

"آ جاؤ مانی کھانا کھا لے۔" سلیم بھائی نے فوراً اٹھتے ہوئے مانی کو بھی کہا اور مانی جو سلیم بھائی کی ساری بات فری آہ و فغاں سمیت سن چکا تھا اور ان کی مدد کرنے کی دل میں ٹھان چکا تھا اب ان کے ایک ایک عمل کو بغور دیکھ رہا تھا، جبھی تو یوں فوراً کچن سے آتی پکار پر اٹھ کر جانے پر سلیم کو ٹوکے بغیر نہ رہ سکا۔

"آرام سے بیٹھ جائیں سلیم بھائی ایک ہی بار پکارنے پر یوں الرٹ ہو گئے ہیں جیسا نیا بھرتی سپاہی اپنے کسی ان دیکھے افسر کی آمد پر ہو جاتا ہے اور ویسے بھی بھابھی کے ہاتھ کا بدمزہ کھانا مجھ سے تو نہیں کھایا جاتا چلے آئیں باہر سے کچھ کھا کر آتے ہیں۔" مانی ان کے فرماں بردارنہ اور عجلت بھرے انداز پر ان کو ٹوکے بنا رہ نہ پایا۔

"اوئی اللہ، انہوں نے اتنی مشکل اور محنت سے کھانا بنایا اچھا نہیں لگتا دل ٹوٹ جائے گا ان کا۔" سلیم بھائی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ترنت جواب دیا۔

"محنت کا تو پتہ نہیں البتہ مشکل سے اور مشکل کھانا ہی بناتی ہیں جسے کھانا بھی مشکل لگتا ہے۔" مانی نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"سلیمی!" اب کی دفعہ پکار میں ہلکی سی جھلاہٹ بھی شامل ہوئی تھی۔

"اوئی آیا بھئی آیا۔" سلیم بھائی کے جلد سے کچن کی جانب پیش رفت کو مانی بس دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"کوئی صورت نظر نہیں آتی، کیسے لو

ایکسپرٹ ہو تو مانی تمہاری ایک بھی ترکیب کارگر نہیں ہوئی، ہنوز صورت حال برقرار ہے بلکہ باد مخالفت کی سی صورت حال ہے۔" دو روز بعد ہی سلیم بھائی نے نروٹھے انداز میں دھپ سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے مانی سے کہا جو ٹی وی پر کوئی میوزیکل شو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

"افوہ سلیم بھائی ایک تو میں آپ کی اس گاڑھی اردو سے تنگ ہوں آدھے سے زیادہ جملے تو میرے سر کے اوپر سے گزر جاتے ہیں، آج کل کا دور ایس ایم ایس زبان کا دور ہے مکس اور آسان زبان وہی بولا کرئے۔" یوں ڈسٹرب ہونے پر مانی تھوڑا سے جھلایا تھا۔

"یوں کہو ناں آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والی زبان بولوں۔"

"نہیں آدھی تیتری اور آدھی بٹیری والی زبان، مذکر مونث والی اردو آتی ہے مجھے۔" مانی نے بھی رعب جھاڑا۔

"ویسے یہ آپ کی ہاف بیٹر کہاں ہیں؟" ساتھ ہی سوال بھی جڑا۔

"باہر جنریٹر کے کل پرزے کھولے صفائی کر رہی ہیں کافی دنوں سے ٹیوننگ نہیں ہوئی ناں اس کا تیل وغیرہ بدلنے والا ہوا ہے اور اس کے بعد بیل ڈور خراب ہے اسے ٹھیک کرنے کا ارادہ ہے۔" سلیم بھائی نے سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔

"اوہ تبھی بوریت سے بچنے کے لئے آپ میرا سر کھانے آئے ہیں۔" مانی نے سمجھتے ہوئے کہا۔

"نہیں کھاتے ہم تمہارا بھی سر، سر کھانا ہماری مرغوب ڈش ہوگئی۔" سلیم بھائی تو روٹھ کر اٹھ ہی چلے۔

"ارے ارے میں تو مذاق کر رہا تھا اچھا

بتائیے کیا مسئلہ ہے موقع اچھا ہے ان کی غیر
موجودگی میں ہم ڈسکس کر سکتے ہیں۔'' مانی نے
رُوٹھ کر اٹھتے ہوئے سلیم کا ہاتھ تھام کر پھر بٹھاتے
ہوئے کہا۔

''ہاں نمیں تو جو بھی رومینٹک بات یا دل کی
بات ان کے گوش گزار کرنا چاہے جھٹ سے بلکہ
پٹ سے ٹوکتے ہوئے کہتی ہیں، سلیمی میرا سر مت
کھاؤ، ہونہہ سلیمی کو تو سر کھانے کا ہی شوق ہے بس
اور مردوں والے تمام شوق خود پالے بیٹھی ہیں، وہ
پرسوں تمہارے کہنے پر ترکیب نمبر ایک آزماتے
ہوئے میں آفس والی پر سرخ گلابوں کا
خوبصورت سا بوکے بنوا کر لایا محترمہ کو پیش کیا تو
جھٹ سے ہاتھوں سے پرے دھکیلتے ہوئے خود
بھی قدرے پرے جا کھڑی ہوئیں استفسار پر
فرماتی ہیں کہ انہیں پھولوں سے خاص طور پر
گلاب سے الرجی ہے، کہیں دور سے بھی دیکھ
لے تو چھینکیں آنا شروع ہو جاتی ہیں اور جو اس
کے بعد چھینکوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ہمارے
سارے رومینٹک جملے انہیں میں آن چھپے ہو گئے۔
کل رات کہا ڈارلنگ کوئی مووی دیکھتے ہیں ارادہ
تھا کوئی اچھی سی رومینٹک مووی دیکھیں گے اور
حیرت ہوئی کہ وہ جھٹ تیار ہو گئی مووی دیکھنے پر
یہی نہیں کہنے لگی میری مرضی کی مووی دیکھے گے
اندھا کیا چاہے دو آنکھیں تمہاری ترکیب کو دل
میں شاباشی دیتے ہوئے بخوشی رضا مندی دے
دی تو انہوں نے نہایت ہی خوفناک، ڈرامائی
مووی لگا لی اف ساری رات ڈھنگ کی نیند نہ آ
پائی جن بھوتوں کے سائے ہولاتے رہے بلکہ
مجھے تو اب بھی یوں لگتا ہے کہ میری پشت پر کوئی بلا
موجود ہے مڑ کر دیکھا تو کھا جائے گی، صرف ایک
ڈیڑھ مہینہ ہوا ہے ہماری شادی کو اور گھر کا ماحول
اتنا روکھا پھیکا وہ مردود اعجاز جس کی اپنی اور میری

شادی لگ بھگ ایک ساتھ ہوئی تھی آئے دن
اپنی شادی کے بعد کی رنگین اور حسین زندگی کے
قصیدے پڑھتا نظر آتا، کم بخت دل جلاتا رہتا
ہے، ہمارا کہتا ہے منحوس یار سلیم مجھے تو اس کی بورڈ
کی ٹک ٹک میں بھی تمہاری بھابھی کی چوڑیوں کی
کھنک سنائی دیتی ہے، کبھی کہتا ہے کہ یار اب تو
باس کی ڈانٹ بھی بری نہیں لگتی کہ کانوں میں ہر
وقت ان کی میٹھی سریلی آواز گونجتی رہتی ہے اور تو
اور ہر روز شام کو وہ ان کے لئے گجرے لے کر
جاتا ہے پچھلے ہفتے بائیک خراب ہونے کی وجہ
سے واپسی پر میرے ساتھ ہی گھر جاتا تھا راستے
میں اس کا گھر پڑتا ہے ہر دفعہ ٹریفک سگنل پر وہ
گجرے والے سے گجرے خریدتا تھا، بلاناغہ اور
میرے پوچھنے پر شرارتی مسکراہٹ سے جواب دیا
کہ روز شام کو تمہاری بھابھی تک سک سے تیار
میری منتظر ہوتی ہے اور جب میں اس کی کلائیوں
میں خود یہ گجرے پہناتا ہوں تو اس کا شرمیلا سجا
روپ سارے دن کی تھکن رفو چکر کر دیتا ہے سلیم
تمہارے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہو رہا ہو گا ناں
بھائی، اب اس کے سوال پر کیا بتاؤں کہ یہاں پر
گھر میں کوئی زنانہ روپ میں اپنے آپ کو
سنوارے، اپنے حسن کو دو آتشہ کیے پائل کی چھن
چھن اور چوڑیوں کی کھن کھن لئے میرا منتظر نہیں
ہوتا بلکہ ایک ماہی منڈا میرے گھر میں گھوم رہا
ہوتا ہے جس کا میٹر پل بھر میں کسی خلاف توقع
بات پر گھوم جاتا ہے اور تب ہمیں اپنی جان کے
لالے پڑ جاتے ہیں، اف اللہ ہم کہاں پھنس گئے
صفیہ آپا نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' سلیم
بھائی تو جیسے بھرے بیٹھے تھے نان اسٹاپ بولتے
ہی چلے گئے۔

''ہوں صورت حال تو کافی خراب ہے،
سنجیدگی سے آپ کے مسئلہ کا حل سوچنا پڑے گا۔

مانی نے سنجیدہ صورت اور زیرو زیرو سیون بنے
ہوئے کہا۔

سلیم بھائی کا مسئلہ واقعی توجہ طلب تھا وہ جس
صورت حال سے دوچار تھے آنے والا وقت ان
دونوں کے لئے اچھا ثابت نہیں ہونے والا تھا،
مانی نے جب نئے سرے سے حالات و واقعات
کا جائزہ لیا تو اسے مسئلے کی گمبھیرتا کا اندازہ ہوا اور
مانی تو پیدا ہی خلق خدمت کے لئے ہوا ہر پرائے
پھڈے میں ٹانگ اڑانا اس کی ہابی تھی جبھی تو
آئے دن پلاسٹر چڑھائے بیڈ پر پایا جاتا تھا۔

☆☆☆

سلیم بھائی رشتے میں مانی کے کزن تھے اور
لاہور سے مانی کراچی چھٹیاں گزارنے آیا تھا
کیڈو کی شامت آتی ہے تو وہ ہمیشہ شہر کا رخ کرتا
ہے لوگ کراچی کے حالات سے گھبرائے پریشان
ملک کے دوسرے حصوں میں وقت گزارنے
جاتے تھے اور وہ یہاں آیا ہوا تھا اصل میں مانی کا
سارا ننھیال یہیں پر پایا جاتا تھا سو من میں سمائی
اور بوریا بستر باندھ کر چلے آئے چونکہ اس کی
شروع سے سلیم بھائی کے ساتھ بنتی تھی بے ضرر،
دلچسپ شخصیت کے حامل تھے اور گھر میں ان کی
نئی نویلی دلہن اور خود وہ رہتے تھے اور باقی کے
لوگوں کے گھر چھوٹے تو نہیں تھے مگر افراد زیادہ
تھے ایسے میں طویل قیام کرنے والے مہمان کو
آخر کار ڈرائنگ روم کا صوفہ یا فرش پر بچھایا گدا
بمشکل نصیب ہوتا لہٰذا اس نے سلیم بھائی کے گھر
رہنے کو ترجیح دی تھی ابھی اسے آئے ہوئے بمشکل
تین چار روز ہی ہوئے تھے کہ ایک دن سلیم بھائی
نے اپنا درد دل اس کے آگے آشکار کیا وہ اچھی
طرح سے مانی کی محبت بھری سرگرمیوں سے
واقف تھے جب بھی انہیں لاہور کسی کی شادی بیاہ
پر جانے کا موقع ملا مانی کو کسی نہ کسی حسینہ کی زلف

کا اسیر ہی دیکھا لڑکی کو پٹانا مانی کے بائیں ہاتھ کا
کمال تھا اور عورت کی نفسیات پر بقول اس کے
اس نے پی ایچ ڈی کر رکھی تھی لہٰذا جس الجھن کا
وہ شکار تھے اس میں اچانک مانی کا ان کے گھر آ
جانا انہیں غیبی مدد ہی لگا تھا، مانی نے ان سے دو
دن کا وقت لیا تھا تاکہ وہ اچھی طرح سے سوچ
بچار کر کے ان کے مسئلے کو سلجھائے اور ان دونوں
میں مانی کو باخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دو کردار
جو اس گھر میں رہتے ہیں نا صرف ایک دوسرے
کے متضاد ہیں بلکہ اپنی فطرت کے بھی الٹ تھے
اور بچپن سے بنی عادات جو ان کی اب شخصیت کا
حصہ تھیں محض چٹکیوں میں بدل دینا بے حد مشکل
تھا مگر نا ممکن نہیں اور پھر اس خدمت خلق کا انعام
ایک قیمتی موبائل کی صورت میں اسے ملنے والا تھا
سلیم بھائی نے خود آفر کی تھی جسے اس نے بظاہر
ناراض ہوتے ہوئے رشوت قرار دیتے ٹھکرا دیا
تھا مگر سلیم بھائی کے بے حد اصرار پر اور دل نے
راضی ہوئے بظاہر مجبوراً قبول کرلیا تھا۔
''چل مانی یار کمر کس اور روانہ ہو جا اپنے
مشن پر، مگر روانہ تو مجھے یہیں پر رہتے ہوئے ہونا
ہے یعنی میں اس گھر میں ہی اب بقایا وقت
گزاروں گا باقی رشتے داروں کے ہاں جا کر رہنا
ممکن نہیں چلو خیر ہے پھر کبھی سہی لیکن مسئلے کو جڑ
سے اکھاڑنے کے لئے مجھے ایک ایک بار صفیہ آپا
اور بھابھی کے ابو سے جا کر ملنا ہوگا اور ان سے
کیے گئے سوالات کے جوابات ہی مجھے صحیح لائحہ عمل
مرتب کرنے میں مدد دیں گے تو پہلے بلی بھابھی
کے ابا سے جا کر ملتے ہیں جن کی رہائش یہاں
سے زیادہ دور نہیں۔'' مانی نے خود کو مخاطب کرتے
ہوئے اپنے جوگرز کسے اور لان میں سلیم بھائی
کے سالوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتی بھابھی کو یونہی
ذرا مارکیٹ تک جا رہا ہوں بتا کر باہر نکل آیا

کرکٹ کے کھیل میں مگن ان تینوں بہن بھائیوں کی چوکہ چھکا کے نعرہ لگانے کی آوازیں باہر تک جارہی تھیں جس میں ببلی بھابھی کی آواز نمایاں تھی اور مانی کے گھر، گھر کی کسی خاتون کی یوں بلند آواز باہر تک سنائی دینا نامناسب خیال کیا جاتا تھا مانی کی اپنی امی اور بہنیں بہت دھیمی آواز میں بات کرتی تھیں لیکن یہاں کوئی خود کو خاتون سمجھتا تو ناں، اصل مسئلہ ہی تو یہ تھا۔

☆☆☆

انسان اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے مرد اور عورت کی چند خصوصیات ہی انہیں ایک دوسرے سے الگ ظاہر کرتی ہیں لیکن جب انسان فطرت کے اصولوں کو توڑتے ہوئے اپنا ماحول اس کے الٹ بناتا ہے تو آخر کار نتائج بھی الٹ اور منفی نکلتے ہیں، ماحولیاتی آلودگی اس کی مثال ہے اور اس کی خرابی کا رونا ہر کوئی روتا نظر آتا ہے لیکن انسانی رویوں اور مثبت کردار کی تشکیل کے لئے بھی ماحول کو قدرت کے اصولوں کے مطابق ہونا لازمی ہے۔

ببلی بھابھی اور سلیم بھائی کو ان کی فطرت کے مطابق ماحول نہیں ملا تھا بلکہ اس سے یکسر مختلف اور الٹ ملا تھا جس کی وجہ سے ان کی شخصیت وہ نہیں رہی تھی جو ہونی چاہیے تھی اور قدرت کو بھی نہ جانے کیا منظور تھا کہ دوانی اصل فطرت سے انحراف شدہ شخصیات کو ایک کر دیا گیا تھا، بہت سے میاں بیوی ایک دوسرے کے ہم مزاج نہیں ہوتے لیکن یہاں صورت حال قدرے مختلف اور الجھی ہوئی تھی اب قصور اس میں ان کے والدین کا تھا، بہن بھائیوں کا تھا بھگتنا تو انہیں ہی پڑ رہا تھا۔

مانی جو ببلی بھابھی کی موجودہ شخصیت کے متعلق وجہ جاننا چاہتا تھا اپنے کچھ سوالات کے جوابات اسے چاہیے تھے تب ہی وہ اس مسئلے کا حل نکال سکتا تھا اور اس کے لئے بہترین انتخاب ببلی بھابھی کے ابو کے سوا کون ہو سکتا تھا وہ بے حد مشفیق، نرم خو اور تعاون پسند انسان تھے چند روز قبل جب وہ ببلی بھابھی سے ملنے سلیم بھائی کے گھر آئے تھے تو مانی سے بھی ان کی ملاقات ہوئی تھی اور مانی تو کسی بھی عمر کے انسان کے ساتھ دوستی منٹوں میں گانٹھ لیتا تھا بشرطا اسے وہ انسان پسند آئے اور ببلی بھابھی کے والد اسے بالکل اپنے ابو کی طرح نرم خو اور دوست پسند لگے تھے لہٰذا آج وہ بلا جھجک ان کے گھر چلا آیا تھا اور ببلی بھابھی کے متعلق یوں ان سے سوال کرنا غیر مناسب تھا لہٰذا سلیم بھائی کا مسئلہ کھل کر ان کے سامنے بیان کر کے اس نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی تھی وہ کچھ پریشان تو ہوئے تھے لیکن مانی کی تسلیاں دینے کے بعد اسے اس کے سوال کا جواب دینے لگے تھے کہ آخر ببلی بھابھی ایسی کیوں ہیں۔

☆☆☆

''ببلو میرا مطلب ببلی اس وقت تین سال کی تھی جب اس کی ماں بلڈ کینسر جیسے مہلک عارضے میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے چلی گئی اس کے بیمار ہونے پر مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ ایک بہترین محبت کرنے والی رفیق کار ہی نہیں بلکہ بہترین گھر سنبھالنے والی سلیقہ مند خاتون بھی تھیں اس کے جانے کے بعد پورے گھر کا نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا تھا دوسری شادی کا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ ببلی کی ماں نجمہ بیگم کے والد نے نجمہ کے لئے دوسری شادی کی تھی جب وہ محض پانچ سال کی تھی اور ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا، نجمہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور سوتیلی ماں اور بعد میں آنے والی اس کی دو بہنوں اور ایک بھائی نے جس طرح نجمہ کی زندگی اجیرن کی تھی اس کے قصے سنا کر وہ دکھی اور رنجیدہ ہو جایا کرتی تھی باپ نے بھی دوسری ماں لا کر آہستہ آہستہ ساری ذمہ داری سے آنکھیں پھیر لی تھیں اور جو اس کی سوتیلی ماں کہتی اور کرتی وہ اسے سب ٹھیک لگتا، میری والدہ ان کی دور پار کی رشتے دار تھیں، نجمہ کے حالات سے واقف تھیں اور انہیں کی کاوشوں سے میری اور نجمہ کی شادی ہوئی نجمہ نے شادی سے پہلے سوتیلی ماں کا ظلم بہن بھائیوں کا ستانا اور باپ کی بے حسی کو ہر روز سہا تھا لہٰذا شادی کے بعد اس نے ان سے تعلق نہ ہونے کے برابر ہی رکھا اور اسی وجہ سے مرنے سے پہلے اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اس کے بچوں پر کبھی سوتیلی ماں کا سایہ نہ پڑنے دوں گا میرے لئے یہ اس کی وصیت بھی تھی جو مجھے قبول تھی کہ نجمہ کے بعد کسی اور عورت کو میں اپنی زندگی میں شامل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا دل نے صرف نجمہ کو چاہا تھا کسی اور سے اب مجھے محبت ہو ہی نہیں سکتی تھی ہمارے چار بچے تھے بڑا الفرام اس وقت چھ سال کا تھا اس کے بعد جڑواں ندیم اور کلیم تقریباً ساڑھے چار سال کے تھے پھر زارا اور ببلی تھی تین سال کی، میں نے اپنی پوری توجہ اپنے بچوں اور گھر کو دے دی تھی میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور ہمارے رشتے دار بھی زیادہ تر کوئٹہ میں رہتے تھے والد کی یہاں پر جاب تھی اور وہ یہیں مستقل سکونت پذیر ہو گئے تھے لہٰذا گھر میں کسی رشتے دار خاتون کا ساتھ پھپھو، تائی، چچی یا خالہ کسی بھی رشتے کی صورت میں میسر نہ آ سکا حالات کی بنا پر میں نے بچوں کو باہر کھیلنے یا اڑوس پڑوس میں جا کر کھیلنے کی اجازت نہیں دی تھی، سکول لانے لے جانے کا کام بھی میں خود ہی کرتا تھا ہوم ورک سے فارغ ہو کر وہ آپس میں ہی کھیلتے تھے ایسے میں لڑکے کرکٹ، فٹ بال یا ہاکی کھیلتے تھے تو پھر بھلا ببلی اکیلی گڑیا کا کھیل کہاں سے کھیلتی، بھائی اس کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے ہر کھیل اور ہر سرگرمی میں شامل کرتے لہٰذا ببلی آہستہ آہستہ ببلو بنتی جارہی تھی، ببلی ہم چار مردوں میں خود کو مختلف اور تنہا محسوس نہ کرے اس لئے میں نے بھی اس بات کو کچھ خاص نہ سمجھا وقت کے ساتھ ساتھ چاروں بہن بھائی چاروں بھائی ہی بن گئے سکول اور پھر کالج میں کو ایجوکیشن کے باعث چاروں ہی اکٹھے تھے مائیں جوان ہوتی بیٹیوں پر نگاہ رکھتی ہیں اور لڑکی کی ذات اور اس کے بارے میں باخوبی تربیت کرتی ہیں چونکہ وہ خود بھی اس صنف سے تعلق رکھتی تھی لہٰذا ماں بیٹی کی اس معاملے میں زیادہ بہترین تربیت کر سکتی میں زارا کو واضح انداز میں اس کی بڑھتی عمر کے متعلق گائیڈ نہیں کر سکتا تھا لہٰذا مجھے یہی مناسب لگا کہ وہ اپنے بھائیوں جیسی ہی بنی رہے اور انہیں کے ساتھ مگن رہے تاکہ جوانی کی نادانی اسے گمراہ نہ کر دے جب وہ بڑی ہو رہی تھی تو میں نے ایک میڈ رکھ لی تھی بہت اچھی خاتون تھیں عمر میں بڑی تھیں اولاد نہیں تھی شوہر بھی فوت ہو چکا تھا لاوارث، بے یار و مددگار تھی ایک دوست کے توسط سے انہیں میں نے گھر کی دیکھ بھال کے لئے رکھا تھا انہوں نے زارا کو گائیڈ کیا لیکن تب تک ببلو کی عادتیں پختہ ہو چکی تھیں اسے لڑکی جیسے حلیے میں رہنے میں وحشت ہوتی تھی پھر وہ بھائیوں کی بھی لاڈلی تھی کوئی اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا تھا فطرتی طور پر وہ ایک پرجوش پُر اعتماد قدرے اکھڑ مزاج تھی لہٰذا بھائیوں کے ساتھ انہی کے جیسا رہنے پر اسے کوئی دشواری بھی نہ ہوئی آنٹی نسرین جو میڈ تھی ببلو کو ببلی بنانے کی کوشش تو کرتی رہتی لیکن ان کی

کوششیں بیکار ہی جاتیں تھیں، وہ کہتی تھیں کہ لڑکی ذات ہے اور یوں ناہی منڈا بن جانے پر اسے سسرال جا کر دشواری پیش آئے گی اگرچہ ہم میں سے کوئی بھی ان کی بات کو سنجیدہ نہ لیتا لیکن جیسے جیسے بلو بڑا ہو رہا تھا میرا مطلب بلی بڑی ہو رہی تھی اور اس کی شادی کی عمر ہوتی جا رہی تھی میں واقعی یہ سوچ کر پریشان ہونے لگا تھا کہ وہ سسرال میں کیسے ایڈجسٹ کرے گی انصرام ڈاکٹر بن گیا تھا اور اپنے پیشے سے اسے عشق تھا جنون تھا تبھی ہارٹ سرجن بننے کے لئے وہ باہر کے ملک چلا گیا شادی کے نام سے بدکتا تھا کہ بیوی آکر اسے ڈسٹرب کردے گی وقت مانگے گی اور اس نے اپنا سارا وقت اپنے پروفیشن کے نام کر رکھا تھا میرے اور نسرین آنٹی کے اصرار کے باوجود وہ شادی پر راضی نہ ہوا اس کا ارادہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اور دوبارہ یہاں آکر ایڈجسٹ ہونے کے بعد ہی شادی کا تھا اگر اس کی شادی ہو جاتی تو بھابھی کی صورت میں زارا کو اس گھر میں عورت مل جاتی جو شاید اس کی بھی شخصیت میں تبدیلی کا باعث بنتی، ندیم اور کلیم انجینئر ہیں اور دونوں جاب کرتے ہیں اسی دوران آنٹی نسرین کے توسط سے ہی سلیم کا رشتہ آیا پانچ بہنوں کا سب سے چھوٹا اور اکلوتا بھائی، ماں باپ وفات پا چکے تھے والد تو بچپن میں فوت ہو چکے تھے اور والدہ کو وفات پائے ایک سال گزرا تھا پانچوں بہنیں شادی شدہ تھیں روز روز بھائی کے گھر آکر اس کا گھر سنبھال نہ سکتی تھیں اگرچہ سلیم کو اس کی ضرورت بھی نہ تھی وہ گھر گرہستی باخوبی جانتا تھا میری بلی کے لئے یہ رشتہ نعمت خداوندی تھا سلیم کے متعلق چھان پھٹک کر کے میں نے فوراً ہاں کر دی اور یوں ندیم کلیم سے پہلے بلو کی شادی ہو گئی لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ ہم نے بلی کو بلو بنا کر اس کی شخصیت مسخ کردی ہے جانے انجانے میں ہم سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے وہ والدین اپنے بچوں پر کتنا ظلم کرتے ہیں خاص طور پر چار، پانچ بیٹیوں کے بعد بیٹے کی چاہ میں آنے والی بیٹی کو بیٹا بنا کر اپنی نا آسودہ خواہش کو پورا کرتے ہوئے ظلم ہو گیا مجھ سے بہت بڑا ظلم۔'' انکل رحمان نے ساری بات تفصیل سے بتاتے ہوئے نہایت دکھ اور پریشانی سے اپنی بات کو ختم کیا وہ بہت پریشان ہو گئے تھے۔

''جی انکل آپ نے بالکل ٹھیک کہا آپ کی بات سن کر میں بھی یہی سوچ رہا ہوں میری خالہ کی ایک بیٹی ہیں جن کی چھ بیٹیاں ہی ہیں اور چھٹی بیٹی جو اب بارہ سال کی ہو رہی ہے سب گھر والوں نے اسے لڑکا بنا رکھا اس کا حلیہ، بولنا سب لڑکوں جیسا ہے اور میں سوچ رہا ہوں جب اس کی شادی ہوگی تو وہ یکدم خود کو کیسے شوہر اور سسرال کے مزاج کے ساتھ ڈھالے گی مگر بچپن کی کے ساتھ اس میں تبدیلی تو آجائے گی مگر بچپن کی تربیت، سوچ اور خیالات شخصیت پر چھاپ چھوڑ جاتے ہیں اور ازدواجی زندگی ایسی معمولی باتوں سے ہی بگاڑ کا شکار ہو کر مجبوری کا بندھن رہ جاتی ہیں یا پھر یہ نازک رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔'' نے سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔

''یہ مسئلہ حل کر کے جب میں لاہور جاؤں گا پہلی فرصت میں اپنی باجی سے ملوں گا اور انہیں سمجھاؤں گا کہ اپنی نا آسودہ خواہش کی تکمیل کے لئے وہ اپنی چھٹی لڑکی کی شخصیت کو مسخ نہ کریں جن باتوں کو ہم عام اور معمولی جان رہے ہوتے ہیں کون جانے آنے والے وقت میں وہ طوفان کی صورت اختیار کر لے۔'' مانی نے خاموش بیٹھے انکل کی جانب دیکھتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

''ارے میں تو شروع دن سے ہی کہتی تھی لڑکی ذات ہے اسے لڑکیوں والی باتیں سکھاؤں پر میری کسی نے نہ مانی۔'' آنٹی نسرین نے چائے کے برتن پاس رکھتے ہوئے فکر مند لہجے میں کہا لاؤنج کے ساتھ ہی بنے کچن میں دونوں کی باتیں انہیں سنائی دے رہی تھیں تبھی تو چائے بنا کر پاس رکھتے ہوئے انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا گھر والوں نے انہیں جو عزت اور پیار دیا تھا وہ خود کو اس گھر کا ایک فرد ہی سمجھتی تھیں اور بچوں کو اپنی اولاد۔

''ارے آپ لوگ پریشان مت ہوں کم از کم میرے ہوتے ہوئے میں اس مسئلہ کا حل سوچ چکا ہوں اور آپ کے تعاون کی ضرورت ہے مجھے پلان کامیاب بنانے کے لئے۔'' مانی نے ماحول پر چھائی سنجیدگی کو ہلکے پھلکے انداز میں بات بڑھاتے ہوئے کم کرنا چاہا۔

دونوں کی سوالیہ نظروں کو اپنی جانب دیکھتے ہوئے اس نے بات آگے بڑھائی۔

''انکل آپ ندیم اور کلیم بھائی کو روزانہ وہاں جانے سے روکے کبھی وہ تینوں مل کر کرکٹ کھیل رہے ہوتے ہیں کبھی تاش کی بازی کبھی مل کر سپورٹس چینل پر ریسلنگ دیکھتے ہوئے چیخ و پکار کا طوفان مچایا ہوتا ہے اور سلیم بھائی سے ہی پتہ چلا کہ پچھلے ویک اینڈ وہ تینوں بہن بھائی اندرون سندھ میں کسی جھیل پر مرغابیوں کے شکار پر بھی گئے تھے جہاں مگرمچھ بھی پائے جاتے ہیں بندوق کی گولیوں سے اور مگرمچھ کے خوف سے سلیم بھائی کی جان پر بنی رہی اگر ایسی سرگرمیاں جاری رہیں تو وہ دونوں ایک دوسرے کو کیسے سمجھیں گے اور مزاج بدلیں گے۔''

''اس بارے میں تم بے فکر ہو جاؤ میں ان دونوں کو سمجھا دوں گا اتنے بڑے ہو گئے مگر بچپنا نہیں گیا بلی کے ساتھ ان کی دوستی بھی بڑی ہے اور قریب ہونے کے باعث وہ روز ہی بلی کے گھر چلے جاتے ہیں لیکن اب نہیں۔'' انکل نے یقین دہانی کرائی۔

''بس میرے پلان کے لئے ضروری ہے کہ اب لوگ کچھ دنوں کے لئے بھابھی کو یہ باور کرا دیں کہ آپ لوگ اپنے کاموں میں بے حد مصروف ہیں اور وہ اصل ذمہ داری سلیم بھائی کی ہیں وہ ان کے ساتھ ہنسے کھیلے یا انہیں رلائے یہ ان دونوں میاں بیوی کا معاملہ ہے اگر بھابھی کو شکایت لے کر آئے بھی تو آپ کا رویہ یہ ہونا چاہیے۔''

''تاکہ آپ سے بددل ہو کر وہ سلیم بھائی پر توجہ مرکوز کر سکے اور مسائل سے نبٹ سکے۔'' مانی نے کہا۔

''ہائے ہائے تو سلیم میری بیٹی کو رلائے گا۔'' آنٹی نسرین گھبرا سی گئیں۔

''ارے نہیں یہ سب تو میرے پلان کا حصہ ہے میں بھی بھابھی کو سلیم بھائی سے شاید چند شکایتیں پیدا ہو جائے لیکن یہی شکایتیں تو انہیں سلیم بھائی کی جانب متوجہ کریں گی اور ان کی محبت حاصل کرنے کے لئے وہ خود کو ضرور بدل لے گی آپ مجھ پر اعتبار رکھیں سب ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ۔'' مانی نے جلدی سے کہا۔

''ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہیں جس طرح سے بھی ہمارا تعاون درکار ہے ہم کریں گے۔'' انکل رحمان نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا اور انہیں یہ ذہین، مخلص اور قدرے شوخ لڑکا پسند آیا تھا۔

''ارے بیٹا کہاں چلے چائے تو پی جاؤ۔'' مانی کو اٹھتا دیکھ کر آنٹی نسرین جلدی سے بولیں۔

''نہیں مجھے جلدی ہے سلیم بھائی کے لئے

ایک شوخ و چنچل حسینہ کی تلاش کرنی ہے اور میرے پاس وقت کم ہے۔" مانی نے جلدی سے کہا لیکن دونوں کے گھبرائے چہرے دیکھ کر وہ دوبارہ بیٹھ گیا اور پھر انہیں اپنے پورے پلان کے بارے میں آگاہ کیا اگرچہ سارا پلان سن کر ان دونوں نے ایک بار پھر مانی کو اپنے تعاون کی یقین دہانی کرائی مگر آنے والے وقت کے بارے میں کچھ شکوک اور خدشات ان کے چہرے پر پڑھے جا سکتے تھے جس تشفی مانی ابھی نہیں کر سکتا تھا یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

☆☆☆

اور مانی کا پلان نا صرف کامیاب رہا تھا بلکہ اس کے مثبت نتائج بھی برآمد ہونے لگے شروع شروع میں سلیم بھائی کو بدلنے اور سمجھانے میں سر کھپائی تو ہوئی تھی لیکن مانی کی ثابت قدمی اور ہر دفعہ کا اس کا ادا کیا ہوا جملہ کہ "سوچ لے اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو تمام عمر بلی کی بجائے ببلو کے ساتھ زندگی گزارنا پڑے گی آگے آپ خود سمجھدار ہیں" اور سلیم بھائی نا چاہتے ہوئے بھی مانی کی ہدایت پر عمل کرنے پر خود کو مجبور پاتے۔

اور اس کہانی کا سب سے اہم اور آخری کردار، عائشہ جس کے بغیر مانی کا پلان بیکار اور ادھورا تھا، مانی دل سے اس کا مشکور تھا عائشہ نے بھرپور تعاون کیا تھا کیونکہ وہ خود دل سے چاہتی تھی کہ زارا یعنی بلی ایک خوش و خرم اور نارمل زندگی سلیم بھائی کے ساتھ گزارے اور اس کی ایڈونچر پسند طبیعت کو ویسے بھی پلان کا حصہ بن کر مزہ آیا تھا۔

عائشہ جو بلی کی کالج کی اکلوتی اور واحد دوست تھی اور اس دوستی میں زیادہ ہاتھ عائشہ ہی کا تھا اور جو سوئے اتفاق سلیم بھائی کے گھر سے دو گھر چھوڑ کر رہتی تھی اس روز انکل رحمان نے فوراً فون کر کے عائشہ کو اپنے گھر بلایا تھا جب مانی نے بتایا کہ اسے رول ماڈل اور زارا کو اپنی اصل شخصیت کی طرف لوٹنے کے لئے کسی لڑکی کی ضرورت ہے اور چونکہ یہی ایک واحد مشکل ہے جس کا مانی ابھی حل نہیں نکال پایا تھا کہ وہ اس انجان شہر میں رشتے دار ہونے کے باوجود کسی لڑکی کو کسی طرح اپنے پلان پر عمل کے لئے راضی کرے کہ انکل رحمان نے اس کا مسئلہ سن کر جھٹ عائشہ کا نام لیا تھا اور عائشہ ان کے فون پر فوراً ان کے گھر چلی آئی تھی انکل رحمان اور عائشہ کے ابو کے اچھے تعلقات تھے شروع سے لہٰذا عائشہ کے گھر والوں کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہ تھی اور عائشہ جو اپنی منگنی کے بعد گھر بیٹھی بوریت کا شکار تھی کہ اس کے کزن پلس منگیتر کو جاب کرنے والی لڑکیاں پسند نہ تھیں جس کی بناء پر بی کام کرنے کے باوجود عائشہ گھر بیٹھی اپنی شادی کی تیاریاں کر رہی تھی جو تقریباً پانچ ماہ کے بعد ہونی قرار پائی تھی مانی کا پلان سن کر اسے اپنی بوریت دور کرنے کا بہانہ مل گیا تھا ویسے بھی پڑوسی ہونے کے ناطے وہ کسی بھی وقت ان کے گھر آ جا سکتی تھی۔

☆☆☆

"سلیمی اٹھو ناں مجھے اس کرتے کے ساتھ ایک مفلر لا دو۔" بلی نے اب کی دفعہ قدرے جھلائے لہجے میں سلیم کو مخاطب کیا اور متوجہ کیا جو بڑے انہماک سے ٹی وی پر کوئی بے ہودہ یہ بلی کا خیال تھا سونگ سن اور دیکھ رہا تھا۔

"مفلر یا دوپٹہ؟" سلیم بھائی نے مانی کا چند سیکنڈ قبل بلی کی غیر موجودگی میں رٹایا ہوا جملہ دل کڑا کر کے ادا کیا۔

"دوپٹہ؟ کیا مطلب پہلے کبھی میں نے

دوپٹہ لیا ہے جو پوچھ رہے ہو مفلر بھئی مفلر۔" بلی کی تیوری چڑھی۔

"ارے آؤ عائشہ یار ذرا اپنی دوست کو کچھ ڈریسنگ کے متعلق اپ ڈیٹ کرو کچھ فیشن کے متعلق مشورہ دو خود تو قمیض شلوار اور دوپٹے میں کتنی پیاری لگ رہی ہو ہماری تو حسرت رہی کہ بیگم بارہ کلی فراک اور چوڑی دار پاجامہ زیب تن کرے ایک ہماری بہنیں تھیں سب ایسے ہی لباس پسند اور زیب تن کرتی تھیں۔" سلیم بھائی نے عین وقت پر مانی کے خفیہ فون پر بلائے جانے والی عائشہ سے کہا۔

اور بلی تو سلیم کا عائشہ کو عائشہ یار کر کے مخاطب کرنے پر ہی حیران پریشان رہ گئی۔

"ویسے تو ہماری بیگم میں بہت سی نایاب خوبیاں موجود ہیں جیسے بائیک چلانا، چھوٹے موٹے بجلی کے کام کرنا جیسے خراب سوئچ وغیرہ اور تو اور کاکروچ اور چھپکلی کو دیکھ کر چیخ مارنے کے بجائے انہیں ہی مار دیتی ہیں۔"

"اور ہماری بیگم نے چاکلیٹ، پھولوں کے گلدستے، جیولری جیسے جھنجھٹ بھی ہماری جان کو نہیں ڈالے ہوئے۔"

"کیوں عائشہ باجی آپ کو کیا لگتا ہے آپ یہ سب کر سکتی ہیں؟" مانی نے سلیم بھائی کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے اور ان سب کا فائدہ؟" عائشہ کے جملے نے بلی کے تمام کارناموں پر گویا پانی پھیر دیا بیکار تھا یہ سب تو۔

"ارے مانی یار ہماری تو حسرت رہی کہ ہم بھی اپنی بیگم کے لئے درزی کے پھیرے لگائیں۔" مگر پر سلیم کی حسرت بھرے جملے نے بلی کو کچھ بے چین سا کیا تھا۔

☆☆☆

"یہ لیں سلیم بھائی آپ کی شاپنگ تو ہو گئی۔" دو تین شاپنگ بیگ گیسٹ روم میں موجود سلیم بھائی کی جانب بڑھاتے ہوئے مانی نے کہا اور ساتھ ہی ان کا کریڈٹ کارڈ بھی انہیں تھمایا۔

"کیا یار میں یہ سب پہنوں گا تم میری شاپنگ کر کے لائے ہو یا اپنی۔" سلیم بھائی نے شاپرز میں سے کپڑوں کو جھانکتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"آپ کی یہ کڑھائیوں والے گہرے رنگوں کے کرتے آج سے بند اب...... اب ڈریس پینٹ، شرٹس، جینز، ٹراوزر اور ٹی شرٹ ہی پہنیے گے بس، اللہ نے اتنا اچھا قد رکھا دیا ہے دیکھیے گا یہ سب آپ پر ہی نہیں اچھے لگے گا بلکہ بھابھی کو بھی اچھا اور نیا لگے گا۔"

اور سلیم بھائی بھی اس سلسلے میں کافی محنت کر رہے تھے، اصل میں سلیم بھائی کا بھی بلی کی طرح اس زنانہ روپ کو اختیار کرنے میں کوئی شوق یا وجہ یا تصور نہ تھا پانچ بہنوں اور ایک والدہ کے علاوہ انہوں نے کسی رشتے دار خاص طور پر مردانہ رشتے دار بہت ہی کم دیکھے ایک بیوہ اور چھ یتیم بچوں سے رشتے داری رکھنے کا بہت کم لوگوں کو شوق یا وجہ نظر آتی تھی چونکہ سلیم سب سے چھوٹے تھے بہنوں کے ساتھ کھیلنا اور اٹھنا بیٹھنا تھا جوان کے اطوار تھے وہی انہوں نے بھی اپنا لئے گھر میں جب گھر گرہستی اور گڑیوں کے کھیل ہی کھیلیں جائیں گی تو وہ کپڑے سینے جیسی کرکٹ ہاکی کا شوق کیسے اور کہاں سے پالتے چال ڈھال بھی ان کی اسی لئے زنانہ انداز کی ہو گئی حالانکہ قدرت نے انہیں اچھا خاصا مردانہ ڈیل ڈول ہی عطا کیا تھا۔ اور یہ بات مانی نے انہیں چند دنوں میں ہی اچھی طرح سے باور کرادی تھی۔

"اللہ سلیمی کچن کتنا بکھرا پڑا ہے اتنا نہیں ہوا دو برتن ہی دھو ہی دو۔" شام بلی کچن کو دیکھ کر پکاری۔

"یہ تمہارا کام ہے گھر کی ملکہ ہو گھر کو سنوارو یا بگاڑو باہر کام کاج کرنے کے بعد اگر میں نے گھر بھی سنبھالنا ہے اور تم نے بس اوزار پکڑے سوئچ ہی ٹھیک کرنے ہیں تو کسی پلمبر یا الیکٹریشن کو کرائے پر گھر نہ دے دوں شادی کا کیا فائدہ، ویسے بھی پہلے میں گھر اس لئے سنبھالتا تھا کہ سب بہنیں بیاہ کر اپنے گھروں میں مصروف ہیں اب ایک عدد جوان جہان بیوی کے ہوتے ہوئے بھی مجھے ہی سب کچھ دیکھنا ہے تو تمہارا کیا کام کہوں تو رات کے لئے آٹا بھی گوندھ دوں۔"

سلیمی یعنی سلیم نے بلی کے سر پر کھڑے نہایت ہی سنجیدگی اور ٹھہرے لہجے میں اس کی پکار کا جواب دیا جواب تک پوری آنکھیں پھاڑے سلیمی (نہیں بھئی اب تو سلیمی کہنے کو دل نہیں کرتا ان کے مردانہ روپ پر اب سلیم ہی جچتا تھا) کو دیکھے جا رہی تھی یہ سلیم کا کون سا روپ تھا جس سے وہ اب تک ناواقف تھی اور یہ زبان کو کیا ہوا تھا جو تالو سے جا لگی تھی لڑاکا بلی کسی کی اتنی سی بھی بات برداشت نہ کرنے کی کہ بلی نما شوہر کی دھاڑ پر دل اتنی زور سے دھڑکنے لگا تھا مگر دل تو سلیم کے وجود سے آتی پرفیوم کی خوشبو پر بے تال ہو رہا تھا اس قدر قریب اور یہ روپ۔

"اب اگر میرا معائنہ ہو چکا ہو تو کچن کی خبر لے لو اور اچھی سی چائے بھی پلا دو۔" سلیم نے شرارت سے بلی کے چہرے پر آئی لٹ کھینچتے ہوئے کمرے کا رخ کیا دل تو چاہ رہا تھا کہ پہلی دفعہ بلی کا بلش چہرہ نظروں سے دور ہی نہ ہونے دے مگر مانی کی ہدایت کہ فوراً ڈائیلاگ بول کر کمرے کا رخ کرنا ہے ورنہ، مانی بہت سخت استاد تھا۔

☆☆☆

"یہ وہ سلیمی، میرا مطلب سلیم تو نہیں۔" ہچکیوں سے روتے ہوئے بلی نے مانی سے شکایت لگائی جس نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی اور افسردہ چہرہ بنا کر روتی ہوئی بلی کو چپ کرانا چاہا۔

"اچھا اب چپ کریں اور بتائیں کیا بات ہے۔"

"پہلے تو کبھی مجھ پر ایسے رعب نہیں جمایا اب تو بات کرنے کا انداز ہی بدل گیا کل میرے لئے شاپنگ کر کے لائے ہیں تنگ سے قمیض شلوار، فراک چوڑی دار پاجامے، جیولری، چوڑیاں اور نہ جانے ایسا کیا الم غلم اور تو اور میک اپ کا سامان بھی، جب میں نے خفگی کا اظہار کیا تو الٹا مجھ سے ناراض ہو کر بیٹھ گئے سچ کہتی ہوں مانی میں آج تک کسی سے نہیں ڈری لیکن سلیم کے تیور...... غصہ آ رہا ہے مجھے خود پر میں چپ کیوں ہو گئی، اس وقت سر کیوں نہیں پھاڑ دیا میں نے اس کا...... ان کا۔" بلی نے اپنی چھوٹی سی ناک کو رگڑتے ہوئے اپنا دکھڑا سنایا۔

"بس ابو لوگ اسلام آباد سے گھوم کر آ جائیں تو میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔" بلی نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے فیصلہ کیا۔

"ارے آپ اتنی بزدل ہیں میں یہ نہیں جانتا تھا نکلی تو آپ بھی وہیں کمزور اور دبو سی لڑکی ورنہ مردانہ وار میرا مطلب ہے زنانہ وار سامنا کرتیں اس نئے چیلنج کا۔" مانی نے بلی کو اکسایا بلکہ بھڑکایا۔

"دیکھو میں آگے ہی بہت غصے میں ہوں، نہ ہو کہ سلیم کی جگہ تمہارا سر پھاڑ دوں، مطلب کیا ہے تمہارا اس ساری بکواس کا۔"

"مطلب صاف ہے سلیم بھائی کے یہ تیور کیوں بدلے اور کب سے سوچے ذرا جب سے آپ کی دوست عائشہ بنی سنوری آئے روز چلی آتی ہیں اب انہیں گھر میں ماہی منڈا ٹائپ بیوی کے بجائے خالصتاً زنانہ اطوار لئے حسینہ گھومتی نظر آئے گی تو تبدیلی تو پھر آئے گی اب آپ کی مرضی اتنے بڑے گھر کا اکلوتا وارث ہینڈسم اچھی جاب اکیلی گھر کی مالکن کی جگہ میکے میں جا کر بھائیوں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنا ہے تو گزاریے سلیم بھائی کو تو کوئی بھی اچک لے گی اور دوسری صورت بس دو تین دنوں کی محنت سے آپ لڑکی کا روپ دھار لیں میں اس سلسلے میں آپ کی کافی مدد کر سکتا ہوں۔" مانی نے بلی کو ڈراتے ہوئے آخر میں نئی راہ سجھائی۔

"ہیلو بلی اور مانی، کیا حال ہے اور یہ سلیم بھائی نظر نہیں آ رہے۔" اسی وقت تک سک سے تیار عائشہ نے مانی کے بتائے ہوئے پلان کے مطابق گھر میں انٹری دی اور واقعی بلی کی سچی دوست تھی اور دل سے چاہتی تھی کہ اس کی دوست کا گھر آباد رہے چاہے وہ اپنی دوست کی نظروں میں بری ہی کیوں نہ بن جائے۔

"گھر پہ نہیں ہے، کوئی کام ہے کیا؟" خاصا پھاڑ کھانے والا لہجہ تھا بلی کا، مانی اور عائشہ نے ذومعنی نظروں کا ایک دوسرے سے تبادلہ کیا۔

"ہاں کام ہی سمجھ لو، بور ہو رہی تھی تم لوگوں کی کمپنی انجوائے کرنے کا دل تو سلیم بھائی بہت اچھی باتیں کرتے ہیں ناں۔" عائشہ نے گویا بلی کو چٹکی بھری۔

"ہوں، میرے سر میں درد ہے میں سونے جا رہی ہوں۔" بلی نے سرد رویے کے ساتھ وہاں واک آؤٹ کیا، دونوں نے پھر ایک دوسرے کو وکٹری کا نشان دکھایا۔

کچھ ہی دیر بعد سلیم، مانی اور عائشہ کے قہقہے لاؤنج میں بلند ہو کر بلی کا سونا ہی نہیں جینا بھی حرام کر رہے تھے۔

☆☆☆

"سنو رات میرا کینڈل ڈنر کا موڈ ہے اچھی سی تیار ہونا کسی اچھے سے ہوٹل میں چلیں گے۔" صبح ناشتے کی میز پر سے اٹھتی ہوئی بلی کا اچانک ہاتھ پکڑ کر سلیم نے بلی سے کہا ساتھ ہی اس کی انگلی میں پڑی انگوٹھی کو بھی گھمایا انداز خاصا رومینٹک تھا کہ بلی کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا اور وہ فوراً کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"یہ مجھے کیا ہو گیا ہے دل نے عجیب سی لے پر دھڑکنا سیکھ لیا ہے اور سلیم کے انداز تو چہرہ تک تپا دیتے ہیں میرے۔" "لیکن یہ سب بہت اچھا اور انوکھا بھی تو لگ رہا ہے" دل نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی، بلی کا سر ایک بار پھر اثبات میں ہل گیا اور لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ در آئی۔

"ہائے اللہ مانی کے بچے میں یہ اتنا بڑا دوپٹہ کیسے سنبھالوں اور جوگرز کی بجائے یہ چھوٹی ہیل کی سینڈل مجھ سے یہ سب نہیں ہو پائے گا اور ان جھمکوں سے کانوں میں بھی درد ہو رہا ہے یااللہ میں کس عذاب میں پڑ گئی۔" تک سک سی تیار بلی نے دہائی دی۔

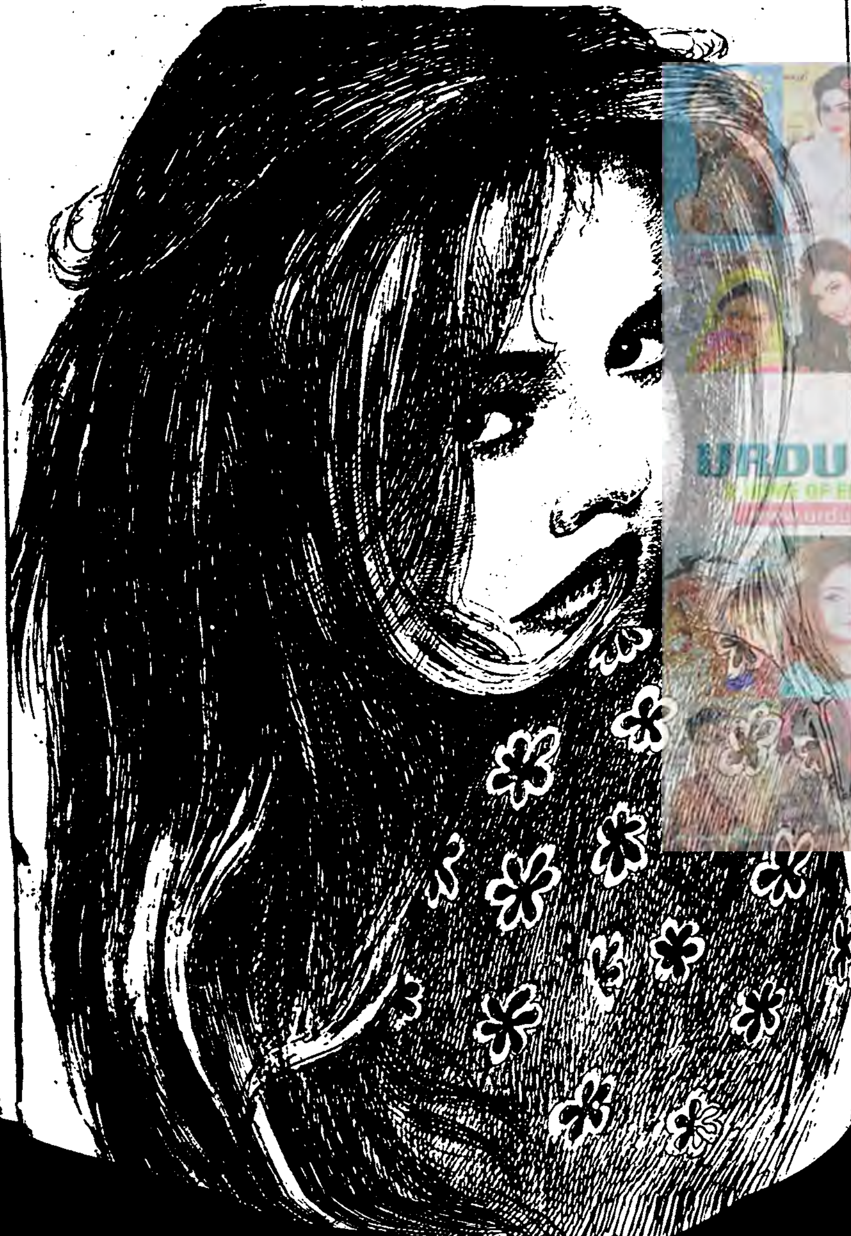
سلیم کا لایا ہوا بلیک شیفون کا سوٹ جس پر ہلکی گولڈن دیدہ زیب کڑھائی تھی پہنے بلی واقعی پہچانی نہیں جا رہی تھی اور مانی کی ہدایات کے مطابق ہلکا سا میک اپ جیولری سب اس پر بہت جچ رہے تھے، دلہن بننے کے بعد شاید دوسری دفعہ بلی اتنے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

"آپ کو اپنے میاں کا دل سنبھالنا ہے کہ نہیں۔" مانی نے گویا بلی کا منہ ہی بند کر دیا۔

رات بلی نے ہر پہلو سے خوب غور و خوض

جگر جلنے دے

ثمینہ طاہر بٹ



کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا تھا کہ غلط سلیم نہیں بلکہ غلط اس کا وہ مردانہ سا روپ ہے جو ایک نئی نویلی دلہن کو ہرگز مناسب نہیں لگتا تھا تو بس اس نے دل میں ٹھان لیا کہ وہ اپنے شوہر کی مرضی کا خود کو ڈھال لے گی۔

☆☆☆

"جی آج بائیک آپ چلائے گی یا پھر۔" بیرونی گیٹ کے پاس کھڑے سلیم نے پوچھا جو اس وقت وائٹ شرٹ اور بلو جینز میں جیل کے ساتھ سیٹ کیے بالوں میں اچھا خاصا ہینڈسم لگ رہا تھا۔

"اس دوپٹے کے ساتھ بائیک چلانا تو ناممکن ہی ہے۔" دوپٹے کو دوبارہ سے شانے پر ٹکانے کی کوشش بے حال بلی نے الجھا لہجے میں جواب دیا۔

"تم اس روپ میں اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ دل چاہ رہا ہے دل میں ہی چھپا لوں۔" سلیم بھائی چند قدم آگے بڑھے۔

"اب چلیں۔" بلی جلدی سے بولی۔

بائیک پر جاتے ہوئے بلی کو یاد آیا کہ وہ مفلر اوڑھے کتنی آرام سے بائیک چلا لیتی تھی البتہ سلیم کبھی اس کے پیچھے نہیں بیٹھا تھا ایک دو بار ابو کے گھر جانا ہوا تو وہ بہانہ کر دیتا یا رکشے پر آتا یقیناً اسے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا اور اچھا لگنے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں تھی بلی کو یوں سلیم کی بائیک پر پیچھے بیٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے جانے میں زیادہ مزہ آ رہا تھا۔

☆☆☆

رات ان کا کینڈل ڈنر بہت مزے کا رہا تھا خوب ڈھیر ساری باتیں کی تھیں دونوں نے بلی کے دل کو جو چھوٹا سا گلہ تھا سلیم کے خیالات جان کر وہ بھی دور ہو گیا تھا کہ سلیم کو اعتراض اس کے ظاہری حلیے پر تھا اب اس کا ہرگز مطلب نہیں تھا کہ وہ ماضی کو یکسر فراموش کر کے پرانی عادت کو بالکل ختم کر کے ایک چھوٹی موٹی سی لڑکی کا مکمل روپ دھار لیتی اور پھر وہیں پر اسے سلیم کا مانی کی مدد لینا اور مانی کا پلان اور عائشہ کا کردار بھی کچھ سلیم نے بتایا تب اس ادراک ہوا کہ سلیم واقعی غیر فطری رویوں کی وجہ سے کس قدر مشکل میں تھا اور صبح صبح ہی اس نے مانی کا بھی شکریہ ادا کیا جس نے دونوں کی مشکل حل کر دی تھی، ابھی عائشہ کو فون کر کے اسے تھینک یو بھی کہنا تھا اور سوری بھی واقعی اس نے اچھی دوست ہونے کا حق نبھایا تھا۔

☆☆☆

"اوکے جناب میری ٹرین کا ٹائم ہو رہا ہے، لو جی ہم چلے ہیں سیدھے اسلام آباد۔" مانی نے اپنے بیگ کو کندھے پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"اب پلیز آپ لوگ شکریہ اور ہم چھوڑ آئیں وغیرہ جیسے تکلفاتی جملوں میں مت پڑیے جو بتایا اور سمجھایا ہے اس کے مطابق خوش و خرم زندگی گزاریے اور ہمیں ایک انجان منزل پکار رہی ہے ہم تو چلے۔" مانی بیرونی گیٹ کی جانب اس مکین کے لوگوں پر سکون مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے آگے بڑھ گیا، یہاں پر اب چاہتوں کے رنگ ہر سو بکھر چکے تھے بچے اور پکے رنگ اور یہی مانی کا مشن تھا جو اللہ کے حکم سے پورا ہوا اور ویسے بھی وہ رات کو ہی سلیم بھائی سے مہنگا سا موبائل فون لے چکا تھا۔

☆☆☆

"کیا کروں؟ ایک ہی ایک داماد ہے تو کیا اسے سر پر بٹھالوں؟ ارے، ایسے ایسوں کو تو میں جوتی کی نوک پر رکھتی ہوں، یہ ہے کیا چیز؟ خود کو سمجھتا کیا ہے آخر؟" ماتھے پر ہزاروں بل لئے وہ ہاتھ نچا نچا کر دل کی بھڑاس نکال رہی تھی اور گھر میں موجود مہمان حیرت کی تصویر بنے اس کی صورت دیکھے جا رہے تھے۔

"باجی! ہو کیا گیا ہے آپ کو؟ بس کر دیں اب، بہت ہو گیا تماشہ، موقع محل تو دیکھ لیا کریں آپ، یعنی کے حد ہو گئی، بیٹی داماد شادی کے بعد پہلی بار آپ کے گھر آنے والے ہیں اور آپ ہیں کہ......!"

"تو......؟ میں نے بلایا تھا انہیں، میں تو ایسے ایسوں کو منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتی، ارے جن کے دل میں میری کوئی عزت نہیں، میں بھی انہیں جوتیوں کے قابل ہی سمجھتی ہوں سمجھے، اور تم میرے سامنے اس کالے بینگن کی سائیڈ لینے کی کوشش مت کرنا، میرے بھائی ہو تم، اس کلو کے نہیں کہ ان کی ہمدردی میں مرے جا رہے ہو۔" بھائی نے اسے سمجھانا چاہا، مگر وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے بھی لپیٹے میں لیتی چلی گئی، نہ اسے گھر آئے مہمانوں کا کوئی خیال تھا اور نہ ہی سامنے بیٹھی اپنی بوڑھی ماں کا جو دکھ اور حیرت سے خاموش بس اسے ہی دیکھے جا رہی تھیں۔

☆☆☆

راشد اور مسرت کے چار بچے تھے، ایک بیٹا اور تین بیٹیاں، وہ خود تو اتنے پڑھے لکھے نہیں تھے، مگر اولاد کو بہت شوق اور محبت سے پڑھایا تھا، بڑی بیٹی نوشین نے انگلش میں ایم اے کیا تھا، اس سے چھوٹا بیٹا اسجد تھا، وہ پڑھائی میں تھوڑا ماٹھا ہی رہا تھا، کچھ تو اکلوتا اور کچھ خاندان بھر کا لاڈلا ہونے کی وجہ سے اس کا رجحان پڑھائی کی طرف سے ہٹتا چلا گیا اور پھر وہ باپ کا بازو بھی بننا چاہتا تھا، اسے اچھی طرح احساس تھا کہ اس کی تین تین بہنیں ہیں اور آج کے دور میں ایک بیٹی کا بار اٹھانا مشکل ہے، اس کے باپ کو تین بیٹیوں کو بیاہنا تھا، اسی لئے وہ ایف اے کے بعد سے ہی باپ کے ساتھ ان کا ہاتھ بٹانے لگا تھا، حالانکہ مسرت اور نوشین نے اسے منع بھی کیا تھا، مگر وہ نہیں مانا، راشد بیٹے کی فرمانبرداری سے خوش بھی ہوئے تھے اور اس کی تعلیم ادھوری رہ جانے پر رنجیدہ بھی۔

"ابو جی! آپ کیوں فکر کرتے ہیں، میں آپ کا بازو بننا چاہتا ہوں، آپ پر بوجھ نہیں، اس ملک میں کتنے ہی پڑھے لکھے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان بیروزگار پھر رہے ہیں، اندازہ ہے ناں آپ کو، دور کیوں جائیں پھپھو جان کے جاسم بھائی کو ہی دیکھ لیں، بیچارے ایم بی اے کی ڈگری ہاتھ میں لئے کتنا عرصہ نوکری کے لئے دھکے کھاتے رہے ہیں اور آخر کار ہار مانتے ہوئے انہیں پھوپھا جان کی دکان ہی سنبھالنی پڑی ناں، تو میں کیوں ان کی طرح آپ کا پیسہ اور اپنا وقت برباد کروں؟ جب مجھے پتا ہے کہ میں جو بھی ڈگری لے لوں، انجام کار مجھے آپ کا بزنس ہی سنبھالنا ہے تو میں ابھی سے آپ کے ساتھ فیکٹری کیوں نہ جوائن کر لوں؟" راشد کے اصرار پر اسجد نے انہیں اس طرح قائل کیا کہ خوشی کے مارے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میرا بیٹا، میری جان، مجھے تم پر فخر ہے اسجد، میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں ہمیشہ خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے، تم نے باپ کا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہے، اللہ تمہاری زندگی کو پھولوں سے بھر دے۔"

"آمین، میں نہیں کہتی تھی میرا بیٹا ہیرا ہے، اب ہیرا، لیکن آپ میری سنتے ہی کہاں

یقین آ گیا ناں آپ کو؟" راشد نے بیٹے کا ماتھا چومتے ہوئے اسے دعائیں دیں تو پاس بیٹھی مسرت کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا، ان کی تو جان ہی بیٹے میں اٹکی رہتی تھی، لیکن جب نوشین یا راشد اس کی توجہ پڑھائی کی طرف نہ پا کر اسے ڈانٹتے یا سمجھانے کی کوشش کرتے تو وہ بیٹے کی حمایت میں بول پڑتیں اور اکثر اسی بات کو لے کر ان کی میاں اور بیٹی سے جھڑپ بھی ہو جاتی، مگر آج اسجد نے جس طرح باپ اور بہن کو قائل کیا تھا، ان کا سر فخر سے بلند ہو رہا تھا، راشد کی سمجھ میں بھی اسجد کی بات آ گئی، سو انہوں نے اس کے انٹر کے ایگزامز کے فوراً بعد اسے اپنے ساتھ فیکٹری لے جانا شروع کر دیا، ان کی اسپیئر پارٹس بنانے کی فیکٹری تھی، جس میں ہر طرح کے اسپیئر پارٹس بنتے تھے، اسجد سے چھوٹی ماہین اور اس سے چھوٹی غینی بھی پڑھ رہی تھیں، اسجد کا دماغ کام میں بہت تیز تھا، وہ جلد ہی سارا کام سمجھ گیا اور بہت جلد اس نے ثابت کر دکھایا کہ اس کا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا، ادھر وہ بزنس میں دن بدن ترقی کر رہا تھا، تو دوسری طرف اس کی بہنیں پڑھائی کے میدان میں معرکے مار رہی تھیں۔

نوشین نے جیسے ہی ایم اے کے پیپرز دیئے، بڑی پھپھو اپنے بیٹے کا رشتہ لئے چلی آئیں، جاسم نے بھی اس عرصے میں خود کو منوا لیا تھا، اس نے باپ کے جنرل اسٹور کو ترقی دے کر شاپنگ مال میں بدل دیا تھا، یہ سب راتوں رات نہیں ہو گیا تھا اس کے لئے جاسم اور اس کے بھائیوں نے کڑی محنت کی تھی، سوئے اتفاق جاسم کو دوبئی میں جاب کی آفر آئی، اس کا دوست پہلے ہی وہاں سیٹ تھا، اس کی کمپنی میں جابز نکلیں تو اس نے فوراً جاسم کی جگہ بنا دی، وہ سب کے مشورے سے دوبئی چلا گیا، وہاں اس نے ایمانداری اور محنت سے کام کیا تو یہاں اس کے باپ نے سمجھداری اور عقلمندی سے کام لیتے ہوئے اپنے اسٹور کو وسعت دینی شروع کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کا اسٹور شاپنگ مال کی صورت اختیار کر گیا، اب جاسم اس قابل تھا کہ نوشین کا ہاتھ مانگ سکتا، سو اس نے دل کی بات ماں سے کی، اور ماں تو پہلے ہی دل سے راضی تھیں، سو چند ہفتوں کے اندر اندر نوشی دلہن بن کر پھپھو کے آنگن میں جا اتری، ماہین ان دنوں بی اے فائنل میں تھی، خوشی کی شادی میں کئی نگاہیں اس پر بھی ٹھہری تھیں، سو ادھر وہ رخصت ہوئی ادھر ماہین کے لئے رشتوں کی لائن لگ گئی۔

"پھر کیا سوچا آپ نے ماہین کے بارے میں؟ میں ان لوگوں کو کیا جواب دوں؟" مسرت بیٹی کے لئے آنے والے تابڑ توڑ رشتوں سے بوکھلا سی گئی تھیں، انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیسے ہاں کہیں اور کیسے ناں، سب لڑکے بھی اچھے لگ رہے تھے اور سب لوگ بھی، مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ ان میں سے صرف ایک کو ہی منتخب کیا جا سکتا تھا اور وہ لوگ ابھی کسی نتیجے تک پہنچ نہیں پا رہے تھے۔

"میں اپنی طرف سے چھان بین کر رہا ہوں، اسجد اور جاسم بھی پوچھ گچھ کر رہے ہیں، تم ابھی انہیں ٹال دو، جو رشتہ ہمیں سب سے زیادہ مناسب لگے گا، ہم بس اسی کو ہاں کہیں گے۔" راشد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو مسرت ان کی بات سن کر الجھ سی گئیں، مگر شوہر سے بحث کی عادت نہیں تھی، اس لئے خاموش ہو گئیں، پھر جیسے ہی ماہین کا رزلٹ آیا، راشد اور اسجد نے جاسم کے مشورے سے زعیم کے رشتے کو اوکے کر دیا، نوشین تو ایم اے کرنے میں کامیاب ہو گئی، مگر ماہین کو اس کا موقع نہیں مل سکا اور چند ماہ میں ہی اس کی بھی شادی کر دی گئی، اسجد اور راشد کا

بزنس خوب پھل پھول رہا تھا، اب ان کی ایک نہیں دو دو فیکٹریاں تھیں، گھر کو بھی گزرتے وقت کے ساتھ جدید طرز آسائش دے دی گئی تھی، بیٹیوں کی رخصتی سے پہلے ہی مسرت کی مدد سے خیال سے دو ملازمائیں رکھ لی گئیں تھیں، جو گھر کا سارا کام انجام دیتیں، بس کھانا مسرت خود بناتی تھیں، یا پھر عینی دو چار ہاتھ مار کے کچھ الٹا سیدھا بنا لیتی، مسرت اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی، وہ شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ تو شروع سے ہی تھیں، مگر اب انہیں جگر کے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ جلد از جلد بیٹیوں کے فرائض سے فارغ ہو جانا چاہتی تھیں اور اللہ نے ان کی یہ خواہش پوری بھی کر دی تھی، مگر اب وہ عینی کے لئے فکر مند ہوتی رہتیں تھیں، حالانکہ وہ سب سے چھوٹی ابھی تھرڈ ائیر میں ہی تھی، مگر مسرت کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کے ہاتھ پیلے کر کے اسے بھی رخصت کروا دیتیں، عینی ان کی باتوں پر اکثر جھنجھلا جاتی، مگر پھر ان کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے خاموش ہو جایا کرتی۔

☆☆☆

"بھائی! آپ امی کو سمجھائیں، مجھے اپنی پڑھائی تو مکمل کر لینے دیں، ہر وقت ایک ہی قصہ لے کر بیٹھی رہتی ہیں، اپنی بھی طبیعت خراب کرتی ہیں اور میری اسٹڈی پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، پلیز بھائی انہیں صرف آپ ہی سمجھا سکتے ہیں، آپ ان سے بات کریں ناں۔" مسرت نے عینی کے لئے کئی رشتہ کروانے والیاں ہائیر کر لیں، وہ پروفیشنل عورتیں گھر آتیں، کھاتی پیتیں اور الٹے سیدھے رشتے بتا کر مسرت کو اچھا خاصا لوٹ کر غائب ہو جاتیں، کئی ایک تو لڑکوں کی ماؤں، بہنوں، بھابیوں کی فوج بھی ساتھ لے آتیں، ان کی خاطر داریاں الگ سے کرنی پڑتیں، مگر بات کہیں بھی نہ بن پاتی، کیونکہ عینی کا رنگ سانولا تھا، نین نقش تو بہت پیارے تھے، مگر فربہی مائل وجود کی وجہ سے بات بنتے بنتے رہ جاتی، اس پر اس کے تاثرات رہی سہی کسر نکال دیتے تھے وہ اب روز روز کی اس پریڈ سے تنگ آ چکی تھی، مگر مسرت کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھیں۔

"اچھا ناں، تم پریشان مت ہو، میں بات کرتا ہوں امی سے، منع کر دوں گا کہ اب کسی کو بلانے کی کوئی ضرورت نہیں اور تم بھی زیادہ ہائپر مت ہوا کرو، صحت کے لئے اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا۔" عینی کی برداشت ختم ہوئی تو اس نے اسجد کو سب بتایا، پہلے تو وہ سن کر حیران رہ گیا، کیونکہ نوشی اور ماہی کی بار تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا، رشتے خود چل کر ان کی دہلیز پر آ گئے تھے، تو پھر اب ایسا کیا ہو گیا کہ امی ان رشتہ کروانے والیوں کے چکر میں پڑ گئیں۔

"ارے بیٹا، میں جو کر رہی ہوں سوچ سمجھ کر ہی کر رہی ہوں، نوشی اور ماہی کی بات اور تھی، وہ دونوں تو سمجھو اپنے ہی خاندان میں بیاہی گئیں، مگر عینی کے لئے ابھی تک کسی نے اشارہ بھی نہیں دیا تو ایسے میں میرے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ بچتا ہی نہیں کہ میں خاندان سے باہر کوئی رشتہ تلاش کروں اپنی بچی کے لئے۔" عینی کو تو اسجد نے سمجھا دیا تھا مگر ماں کو کیا کہتا، ان کی بات میں بھی وزن تھا، وہ خود سوچ میں پڑ گیا۔

"بلکہ میں نے تو تمہارے لئے لڑکی دکھانے کا بھی کہا ہے ان سے، اب میں بھی بہو لانا چاہتی ہوں، چاند چہرہ ستارہ آنکھوں والی بہو، جس کے قدم پڑتے ہی میرا آنگن روشنیوں سے بھر جائے۔" مسرت کے لہجے میں ایسی خوشی، ایسا ارمان چھپا تھا کہ اسجد بس منہ کھولے انہیں دیکھتا

ہی رہ گیا۔

☆☆☆

لینا تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی، اس کی ماں رانی اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑی تھیں، اس لئے ان کا ہولڈ بھی سب پر تھا، ڈھیر سارے بھائی بہنوں پر رعب جماتے جماتے ان کی طبیعت میں ایک خاص قسم کی حاکمیت اور خود پسندی رچ بس چکی تھی، گھر کی بڑی بیٹی تھیں، اس لئے شادی بھی سب سے پہلے ہوئی، بھرے پرے گھر سے آئی تھیں آگے سسرال بھی بھرا پرا ہی ملا، مگر یہاں وہ بڑی بہو نہیں تھیں، ان سے بڑی ایک بہو پہلے سے گھر میں موجود تھیں، دو بیاہی نندیں تھیں تو دو کنواری گھر بیٹھی تھیں، پھر قسمت نے یاوری کی اور شادی کے سال بھر بعد ہی لینا ان کے آنگن کی رونق بن کر آ گئی، مگر یہاں بھی وہی بات کہ لینا سے پہلے ہی جیٹھانی صاحبہ کے بچے آنگن کو رونقیں بخش چکے تھے، اس لئے انہیں لگتا کہ ان کی بیٹی کو وہ پروٹوکول نہیں ملتا، جو اس کا حق تھا، ہاں البتہ ننھیال میں اس کی خوب سنی جاتی، یہاں وہ گھر کی پہلی بچی تھی، ماسیوں، ماموؤں کی لاڈلی، نانا، نانی کی جان، ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ لینا کو اپنے پاس ہی رکھ لیتے، رانی کا بھی دل سسرال میں کم کم ہی لگتا تھا، میکہ بھی نزدیک ہی تھا، سو وہ ہر دوسرے دن ماں کی طرف پہنچی ہوتیں، اس دوران ان کی باقی بہنوں اور بھائیوں کی شادیاں بھی ہو چکی تھیں اور ان کے بچے بھی دنیا میں آ چکے تھے، مگر جو مقام لینا کو حاصل تھا وہ کوئی اور بچہ نہیں پا سکا تھا، حتیٰ کہ اس کے اپنے بھائی بھی نہیں۔

رانی نے اپنے سسرال والوں کے ساتھ رویہ عجیب سا رکھا تھا، نندوں جیٹھانی، دیورانیوں کی کوئی بات بری لگتی، تو خود تو منہ پر جواب دیتی ہی تھیں، جابر کو بھڑکا کر ان کی بھی بھائی بہنوں سے لڑائی کروا دیتیں، حالانکہ ان کی امی انہیں لاکھ سمجھاتی، خود پر قابو رکھنے کا کہتیں، مگر وہ رانی ہی کیا جو کسی کی بات مان لیتیں، سو ان کی زندگی اسی طرح اپنے اردگرد رہنے والے اپنوں سے لڑ بھڑ کر گزر رہی تھی، لینا نے بچپن سے یہی سب دیکھا تھا، ماں کی اکلوتی بیٹی تھی، اس لئے ماں اسے سہیلیوں کی طرح ٹریٹ کرتیں، دونوں ماں بیٹی اپنے گھر ہوتیں تو مامیوں کی غیبتیں کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرتیں اور جب نانی کی طرف جاتیں تو پھپھوں اور تائی، چاچیوں کے خلاف باتیں کر کر کے سب کو ان سے بدزن کر دیتیں۔

"بے چاری میری رانی! جب سے بیاہ کر گئی ہے ایک پل سکون کا سانس نصیب نہیں ہوا اسے، توبہ ایسی نندیں اور ایسی جیٹھانی، دیورانیاں اللہ کسی دشمن کو نہ دے، آفرین ہے میری بیٹی پر صبر اور حوصلے سے گزارا کر رہی ہے، کوئی اور ہوتی تو ان سب کا لگا پتا دیتی۔"

بھولی نانو، بیٹی اور نواسی کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو سچ مانتے ہوئے گہرے دکھ اور تاسف کا اظہار کر رہی تھیں اور سامنے بیٹھے بیٹوں سے اپنی ہنسی چھپانا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ وہ باہر پھرتے باجی کے گھر کے سب حالات جانتے تھے، انہیں پتا تھا کہ اصل حقیقت کیا ہے، مگر امی کو سچ بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے خاموش ماں کی باتیں سن رہے تھے۔

"اور رہنے دے رانی کی ماں، اب اتنی بھولی اور معصوم نہیں ہے تمہاری بیٹی، ساری سسرال کو آگے لگا رکھا ہے اس نے اور تم ہو کہ اسی کے قصیدے پڑھتی رہتی ہو۔" سوئے اتفاق ابا جی بھی وہیں موجود تھے، انہیں بھی سب حالات کی خبر تھی، جابر کے بھائی اکثر بھائی بھاوج کے تلخ

رویوں کی شکایت لئے ان کے پاس چلے آتے تھے، وہ تحمل سے ان کی بات سنتے، اپنی طرف سے معذرت کرتے اور ان کی بھرپور تسلی کروا کر واپس بھیج دیتے، مگر بیٹی اور داماد کو کیا کہتے وہ تو کبھی ان کے ہتھے چڑھے ہی نہیں تھے اور اب بیوی کے منہ سے بیٹی کی مظلومیت کی داستان سن کر انہیں غصہ ہی آ گیا۔

''لے میں کوئی جھوٹ بول رہی ہوں؟ مجھے خود رانی اور لینا نے بتایا تھا کہ......'' امی کو ابا جی کا ٹوکنا برا لگا تھا، اسی لئے وہ اپنے تئیں صفائی دینے لگی تھی کہ اچانک بجنے والی فون کی گھنٹی نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔

''امی! میں باجی کی طرف جا رہا ہوں، وہاں بہت بڑا پھڈا ہو گیا ہے، باجی نے ہمیں فوراً بلایا ہے۔'' ان کے بیٹے نے ریسیور رکھتے ہوئے پریشانی سے کہا تو ان کے بھی حواس معطل ہو گئے۔

''ہائے ہائے، اب کیا کر دیا ان لوگوں نے؟ میں نے کہا تھا ناں کہ میری بچی بڑی مشکل میں......''

''انہوں نے کچھ نہیں کیا امی، آپ کی لاڈلی لینا بی بی نے فرائنگ پین مار کر اپنے چچا کا سر پھاڑ دیا ہے، انہوں نے پولیس کال کر لی ہے اور اب باجی کا حکم ہے کہ ہم لینا کو کچھ دنوں کے لئے یہاں چھپا کر رکھیں گے، میں اسے لینے جا رہا ہوں اور ہاں یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے، میں کسی بات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتا، پلیز آپ بھی خود پر قابو رکھیں، وہ سب خود ہی ہینڈل کر لیں گے۔'' امی بیچاری تو گم صم بیٹے کی بات سنتی رہ گئیں اور وہ تیزی سے دروازہ پار کر گیا۔

''لینا میری دھی رانی، تجھے ضرورت کیا تھی چاچے پر ہاتھ اٹھانے کی؟ تجھے ماں نے بڑے چھوٹے کا ادب لحاظ نہیں سکھایا کیا؟ اتنی پڑھی لکھی ہو کے یہ کیا حرکت کی تو نے؟''

''نانو، آپ کو نہیں پتا، وہ اسی قابل تھے، میرے ابو امی کے ساتھ لڑ رہے تھے، ابو کو گالیاں دے رہے تھے، بس مجھ سے برداشت نہیں ہوا میرے ہاتھ میں جو بھی آیا، میں نے اٹھا کر دے مارا انہیں، ابھی تو شکر کریں کہ میرا نشانہ ذرا چوک گیا اور ان کا صرف سر ہی پھٹا، اگر کہیں فرائنگ پین ٹھیک نشانے پہ لگ جاتا تو ان کا بھیجا ہی باہر آ جانا تھا، آئے بڑے میرے ابو، امی کو باتیں لگانے والے۔'' نانو نے اپنے طور پر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی، مگر اس کے جواب نے انہیں جامد چپ سی لگا دی تھی، وہ کوئی چھوٹی سی دودھ پیتی بچی نہیں تھی کہ رشتوں کی نزاکت کا اسے احساس نہ ہوتا، بی اے فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی اور دنیا کے ہر موضوع پر سیر حاصل بحث کر سکتی تھی، کند ذہن اور غبی بھی نہیں تھی کہ ایک بات کو بار بار سمجھانا پڑتا، تو پھر کمی کہاں رہ گئی تھی، جو اس نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اور اب اس پر پشیمان ہونے کی بجائے خود کو حق پر سمجھ رہی تھی، نانو کی سوچیں گہری ہوتی جا رہی تھیں، مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

''چھوڑیں امی آپ پریشان مت ہوا کریں، جابر نے اسے ہر طرح کی آزادی دے رکھی ہے، وہ تو بیٹی کی آنکھ میں ایک آنسو نہیں برداشت کر سکتے، تو پھر بیٹی کیوں باپ کے خلاف کچھ سنے، اس نے جو کیا ٹھیک کیا، جابر کہتے ہیں، لینا نے اپنا فرض ادا کیا، ایک بیٹی کو ماں باپ کے لئے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، اس نے ہماری بیٹی ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔'' رانی کی جوشیلی تقریر نے جہاں نانو کے پیروں تلے سے زمین نکالی تھی، وہیں لینا کا سر بھی فخر سے بلند ہو گیا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو رانی، تم نے کیا اسے

اگلے گھر نہیں بھیجنا؟ یہ ساری عمر تو تمہاری دہلیز پر بیٹھی، بیٹی ہونے کا حق ادا نہیں کر سکتی ناں، اسے کل کو کسی کی بہو بننا ہے، کسی کی بیوی، کسی کی بھابھی اور کسی کی ماں، تو کیا یہ وہاں بھی اسی طرح کا رویہ رکھے گی سب کے ساتھ؟ سر پھاڑتی پھرے گی لوگوں کا اور تم یوں ہی اس کی تعریفیں کرتی چلی جاؤ گی، حد ہوتی ہے کسی بات کی۔''

نانو کو سخت غصہ آ رہا تھا مگر یہاں ان کے غصے کی پرواہ کسے تھی، رانی اچھی طرح سے جانتی تھی کہ ماں کو ہینڈل کس طرح کرنا ہے۔

''امی جی، یہ آپ کی نواسی ہے اور آپ کی نواسی اب اتنی بھی پاگل نہیں کہ سسرال والوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے، اسے پتا ہی نہ ہو، یہ سب جانتی اور سمجھتی ہے اور پھر سب سے بڑی بات جابر اسے ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھانے کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ قرآن کی وہ تمام سورتیں اپنی بیٹی کو ترجمے کے ساتھ پڑھوائیں گے جن میں عورتوں کے حقوق کا بیان کیا گیا ہے، تا کہ کل کو کوئی ہماری بیٹی کا حق نہ مار سکے، اسے جب اپنے حقوق کا پتا ہو گا تو یہ انہیں منوا بھی لے گی اور اچھے طریقے سے حاصل بھی کر لے گی۔''

نانو تو پہلے ہی ان ماں بیٹی کی منطقوں کو سمجھنے سے قاصر تھیں، اب یہ نئی منطق ان کی سمجھ میں آئی تو نہیں مگر وہ خاموش ہو گئی کہ جب ماں باپ خود بچی کو غلط راہ پر لگا رہے ہیں تو وہ کیا کر سکتیں تھی، بچی کو اس کے حقوق باور کروائے جا رہے تھے، مگر اس کے فرائض کیا ہوں گے، کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

مسرت کی زندگی میں ایک پر مسرت موقع چپکے سے وارد ہوا تھا، عینی کے لئے ان کے بھانجے کا رشتہ آیا تھا، انہیں اپنے ہائی کوالیفائیڈ فارن ریٹرن بھانجے سے محبت تو بہت تھی، مگر یہ خیال کبھی نہیں آیا تھا کہ عابس ان کی بیٹی کا نصیب بن جائے گا، جیسے ہی آپا نے ان کے سامنے جھولی پھیلائی انہوں نے رسماً بھی سوچنے کا وقت نہیں لیا اور فوراً ہاں کر دی، عابس کو امریکہ واپس جانا تھا لہٰذا اس کا اور عینی کا نکاح کر دیا گیا تا کہ وہ اگلی بار آئے تو عینی کے کاغذات ساتھ لیتا آئے، ابھی وہ اس طرف سے فارغ نہیں ہوئیں تھیں کہ انہیں امجد کے لئے ایک لڑکی پسند آ گئی، نوشی کہ بچپن کی سہیلی کی چھوٹی بہن کی شادی تھی، نوشی اور عالیہ کے مراسم پرانے ہی سہی، مگر بہت اچھے تھے، وہ عالیہ کی بہن کی شادی میں گئی تو زبردستی ماں کو ساتھ لے گئی اور وہیں انہیں وہ گوہر نایاب دکھائی دیا جس کی تلاش میں وہ کنوؤں میں بانس تک ڈلوا چکی تھی، وہ لڑکی دلہن کی سہیلی تھی، بہت شوخ و چنچل بات بات پر قہقہے لگاتی سیدھی مسرت کے دل میں اترتی چلی گئی، دودھیا شہابی رنگت، سفید موتیوں جیسے ہموار دانت، بوٹا سا قد اور نازک سا سراپا، شانوں تک آتے بالوں کی اونچی پونی کیے اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''نوشی! عالیہ سے پوچھو، یہ لڑکی کون ہے؟ اس کی کہیں بات وات تو طے نہیں ہوئی ابھی۔'' مسرت کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس موہنی گڑیا کو ابھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں، نوشی ان کے اوتاؤلے پن پر حیران بھی تھی اور خوش بھی، لڑکی اسے بھی بہت اچھی لگی تھی، خوش اخلاق بھی اور ملنسار تھی، کیونکہ وہ سب سے ہنس ہنس کر بہت اچھی طرح بات چیت کر رہی تھی۔

☆☆☆

''امی! ایک بار پھر سوچ لیں اچھی طرح سے، ہماری لینا تو چاند کا ٹکڑا ہے اور وہ امجد اماوس کی کالی رات، کہیں ایسا نہ ہو کہ حور کے پہلو

رویوں کی شکایت لئے ان کے پاس چلے آتے
تھے، وہ تحمل سے ان کی بات سنتے، اپنی طرف سے
معذرت کرتے اور ان کی بھرپور تسلی کروا کر واپس
بھیج دیتے، مگر بیٹی اور داماد کو کیا کہتے وہ تو کبھی ان
کے ہتھے چڑھے ہی نہیں تھے اور اب بیوی کے منہ
سے بیٹی کی مظلومیت کی داستان سن کر انہیں غصہ
ہی آ گیا۔

"لے میں کوئی جھوٹ بول رہی ہوں؟ مجھے
خود رانی اور لینا نے بتایا تھا کہ......" امی کو ابا جی کا
ٹوکنا برا لگا تھا، اسی لئے وہ اپنے تئیں صفائی دینے
لگی تھی کہ اچانک بجنے والی فون کی گھنٹی نے ان
کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔

"امی! میں باجی کی طرف جا رہا ہوں، وہاں
بہت بڑا پھڈا ہو گیا ہے، باجی نے ہمیں فوراً بلایا
ہے۔" ان کے بیٹے نے ریسیور رکھتے ہوئے پریشانی
سے کہا تو ان کے بھی حواس معطل ہو گئے۔

"ہائے ہائے، اب کیا کر دیا ان لوگوں
نے؟ میں نے کہا تھا ناں کہ میری بچی بڑی مشکل
میں......"

"انہوں نے کچھ نہیں کیا امی، آپ کی لاڈلی
لینا بی بی نے فرائینگ پین مار کر اپنے چچا کا سر
پھاڑ دیا ہے، انہوں نے پولیس کال کر لی ہے اور
اب باجی کا حکم ہے کہ ہم لینا کو کچھ دنوں کے لئے
یہاں چھپا کر رکھیں گے، میں اسے لینے جا رہا
ہوں اور ہاں یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے، میں کسی
بات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتا، پلیز آپ
بھی خود پر قابو رکھیں، وہ سب خود ہی ہینڈل کر لیں
گے۔" امی بیچاری تو گم صم بیٹے کی بات سنتی رہ
گئیں اور وہ تیزی سے دروازہ پار کر گیا۔

"لینا میری دھی رانی، تجھے ضرورت کیا تھی
چاچے پر ہاتھ اٹھانے کی؟ تجھے ماں نے بڑے
چھوٹے کا ادب لحاظ نہیں سکھایا کیا؟ اتنی پڑھی
لکھی ہو کے یہ کیا حرکت کی تم نے؟"

"نانو، آپ کو نہیں پتا، وہ اسی قابل تھے،
میرے ابو امی کے ساتھ لڑ رہے تھے، ابو کو گالیاں
دے رہے تھے، بس مجھ سے برداشت نہیں ہوا
میرے ہاتھ میں جو بھی آیا، میں نے اٹھا کر دے
مارا انہیں، ابھی تو شکر کریں کہ میرا نشانہ ذرا چوک
گیا اور ان کا صرف سر ہی پھٹا، اگر کہیں فرائینگ
پین ٹھیک نشانے پہ لگ جاتا تو ان کا بھیجا ہی باہر آ
جانا تھا، آئے بڑے میرے ابو، امی کو باتیں
لگانے والے۔" نانو نے اپنے طور پر اسے
سمجھانے کی کوشش کی تھی، مگر اس کے جواب نے
انہیں جامد چپ سی لگا دی تھی، وہ کوئی چھوٹی سی
دودھ پیتی بچی نہیں تھی کہ رشتوں کی نزاکت کا
اسے احساس نہ ہوتا، بی اے فائنل ایئر کی
اسٹوڈنٹ تھی اور دنیا کے ہر موضوع پر سیر حاصل
بحث کر سکتی تھی، کند ذہن اور غبی بھی نہیں تھی کہ
ایک بات کو بار بار سمجھانا پڑتا، تو پھر کمی کہاں رہ گئی
تھی، جو اس نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اور اب اس پر
پشیمان ہونے کی بجائے خود کو حق پر سمجھ رہی تھی،
نانو کی سوچیں گہری ہوتی جا رہی تھیں، مگر کوئی سرا
ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

"چھوڑیں امی آپ پریشان مت ہوا
کریں، جابر نے اسے ہر طرح کی آزادی دے
رکھی ہے، وہ تو بیٹی کی آنکھ میں ایک آنسو نہیں
برداشت کر سکتے، تو پھر بیٹی کیوں باپ کے خلاف
کچھ سنے، اس نے جو کیا ٹھیک کیا، جابر کہتے ہیں،
لینا نے اپنا فرض ادا کیا، ایک بیٹی کو ماں باپ کے
لئے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، اس نے ہماری بیٹی
ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔" رانی کی جوشیلی تقریر
نے جہاں نانو کے پیروں تلے سے زمین نکالی
تھی، وہیں لینا کا سر بھی فخر سے بلند ہو گیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو رانی، تم نے کیا اسے

اگلے گھر نہیں بھیجنا؟ یہ ساری عمر تو تمہاری دہلیز پر
بیٹھی، بیٹی ہونے کا حق ادا نہیں کر سکتی ناں، اسے
کل کو کسی کی بہو بننا ہے، کسی کی بیوی، کسی کی
بھابھی اور کسی کی ماں، تو کیا یہ وہاں بھی اسی طرح
کا رویہ رکھے گی سب کے ساتھ؟ سر پھاڑتی
پھرے گی لوگوں کا اور تم یوں ہی اس کی تعریفیں
کرتی چلی جاؤ گی، حد ہوتی ہے کسی بات کی۔"
نانو کو سخت غصہ آ رہا تھا مگر یہاں ان کے غصے کی
پرواہ کسے تھی، رانی اچھی طرح سے جانتی تھی کہ
ماں کو ہینڈل کس طرح کرنا ہے۔

"امی جی، یہ آپ کی نواسی ہے اور آپ کی
نواسی اب اتنی بھی پاگل نہیں کہ سسرال والوں
کے ساتھ کیسے رہنا ہے، اسے پتا ہی نہ ہو، یہ سب
جانتی اور سمجھتی ہے اور پھر سب سے بڑی بات
جابر اسے ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھانے کا ارادہ
رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ قرآن کی وہ تمام
سورتیں اپنی بیٹی کو ترجمے کے ساتھ پڑھوائیں گے
جن میں عورتوں کے حقوق کا بیان کیا گیا ہے،
تاکہ کل کو کوئی ہماری بیٹی کا حق نہ مار سکے، اسے
جب اپنے حقوق کا پتا ہو گا تو یہ انہیں منوا بھی لے
گی اور اچھے طریقے سے حاصل بھی کر لے گی۔"
نانو تو پہلے ہی ان ماں بیٹی کی منطقوں کو سمجھنے سے
قاصر تھیں، اب یہ نئی منطق ان کی سمجھ میں آئی تو
نہیں مگر وہ خاموش ہو گئیں کہ جب ماں باپ خود
بچی کو غلط راہ پر لگا رہے ہیں تو وہ کیا کر سکتی تھیں،
بچی کو اس کے حقوق باور کروائے جا رہے تھے، مگر
اس کے فرائض کیا ہوں گے، کسی کو اس کا خیال بھی
نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

مسرت کی زندگی میں ایک پر مسرت موقع
چپکے سے وارد ہوا تھا، عینی کے لئے ان کے
بھانجے کا رشتہ آیا تھا، انہیں اپنے ہائی کوالیفائیڈ
فارن ریٹرن بھانجے سے محبت تو بہت تھی، مگر یہ
خیال کبھی نہیں آیا تھا کہ عابس ان کی بیٹی کا نصیب
بن جائے گا، جیسے ہی آپا نے ان کے سامنے جھولی
پھیلائی انہوں نے رسماً بھی سوچنے کا وقت نہیں
لیا اور فوراً ہاں کر دی، عابس کو امریکہ واپس جانا
تھا لہٰذا اس کا اور عینی کا نکاح کر دیا گیا تاکہ وہ اگلی
بار آئے تو عینی کے کاغذات ساتھ لیتا آئے،
ابھی وہ اس طرف سے فارغ نہیں ہوئیں تھیں کہ
انہیں اسجد کے لئے ایک لڑکی پسند آ گئی، نوشی کی
بچپن کی سہیلی کی چھوٹی بہن کی شادی تھی، نوشی اور
عالیہ کے مراسم پرانے ہی سہی، مگر بہت اچھے
تھے، وہ عالیہ کی بہن کی شادی میں گئی تو زبردستی
ماں کو ساتھ لے گئی اور وہیں انہیں وہ گوہر نایاب
دکھائی دیا جس کی تلاش میں وہ کنوؤں میں بانس
تک ڈلوا چکی تھی، وہ لڑکی دلہن کی سہیلی تھی، بہت
شوخ و چنچل بات بات پر قہقہے لگاتی سیدھی مسرت
کے دل میں اترتی چلی گئی، دودھیا شہابی رنگت،
سفید موتیوں جیسے ہموار دانت، بوٹا سا قد اور
نازک سا سراپا، شانوں تک آتے بالوں کی اونچی
پونی کیے اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"نوشی! عالیہ سے پوچھو، یہ لڑکی کون ہے؟
اس کی کہیں بات وات تو طے نہیں ہوئی ابھی۔"
مسرت کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس موئی گڑیا کو
ابھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں، نوشی ان کے
اتاؤلے پن پر حیران بھی تھی اور خوش بھی، لڑکی
اسے بھی بہت اچھی لگی تھی، خوش اخلاق بھی اور
ملنسار تھی، کیونکہ وہ سب سے ہنس ہنس کر بہت
اچھی طرح بات چیت کر رہی تھی۔

☆☆☆

"امی! ایک بار پھر سوچ لیں اچھی طرح
سے، ہماری لینا تو چاند کا ٹکڑا ہے اور وہ اسجد
اماوس کی کالی رات، کہیں ایسا نہ ہو کہ حور کے پہلو

رویوں کی شکایت لئے ان کے پاس چلے آتے تھے، وہ تحمل سے ان کی بات سنتے، اپنی طرف سے معذرت کرتے اور ان کی بھرپور تسلی کروا کر واپس بھیج دیتے، مگر بیٹی اور داماد کو کیا کہتے وہ تو کبھی ان کے ہتھے چڑھے ہی نہیں تھے اور اب بیوی کے منہ سے بیٹی کی مظلومیت کی داستان سن کر انہیں غصہ ہی آ گیا۔

''لے میں کوئی جھوٹ بول رہی ہوں؟ مجھے خود رانی اور لینا نے بتایا تھا کہ......'' امی کو ابا جی کا ٹوکنا برا لگا تھا، اسی لئے وہ اپنے تئیں صفائی دینے لگی تھی کہ اچانک بجنے والی فون کی گھنٹی نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔

''امی! میں باجی کی طرف جا رہا ہوں، وہاں بہت بڑا پھڈا ہو گیا ہے، باجی نے ہمیں فوراً بلایا ہے۔'' ان کے بیٹے نے ریسیور رکھتے ہوئے پریشانی سے کہا تو ان کے بھی حواس معطل ہو گئے۔

''آئے ہائے، اب کیا کر دیا ان لوگوں نے؟ میں نے کہا تھا ناں کہ میری بچی بڑی مشکل میں......''

''انہوں نے کچھ نہیں کیا امی، آپ کی لاڈلی لینا بی بی نے فرائنگ پین مار کر اپنے چچا کا سر پھاڑ دیا ہے، انہوں نے پولیس کال کر لی ہے اور اب باجی کا حکم ہے کہ ہم لینا کو کچھ دنوں کے لئے یہاں چھپا کر رکھیں گے، میں اسے لینے جا رہا ہوں اور ہاں یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے، میں کسی بات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتا، پلیز آپ بھی خود پر قابو رکھیں، وہ سب خود ہی ہینڈل کر لیں گے۔'' امی بیچاری تو گم صم بیٹے کی بات سنتی رہ گئیں اور وہ تیزی سے دروازہ پار کر گیا۔

''لینا میری دھی رانی، تجھے ضرورت کیا تھی چاچے پر ہاتھ اٹھانے کی؟ تجھے ماں نے بڑے چھوٹے کا ادب لحاظ نہیں سکھایا کیا؟ اتنی پڑھی لکھی ہو کے یہ کیا حرکت کی تو نے؟''

''نانو، آپ کو نہیں پتا، وہ اسی قابل تھے، میرے ابو امی کے ساتھ لڑ رہے تھے، ابو کو گالیاں دے رہے تھے، بس مجھ سے برداشت نہیں ہوا میرے ہاتھ میں جو بھی آیا، میں نے اٹھا کر دے مارا انہیں، ابھی تو شکر کریں کہ میرا نشانہ ذرا چوک گیا اور ان کا صرف سر ہی پھٹا، اگر کہیں فرائنگ پین ٹھیک نشانے پہ لگ جاتا تو ان کا بھیجا ہی باہر آ جانا تھا، آئے بڑے میرے ابو، امی کو باتیں لگانے والے۔'' نانو نے اپنے طور پر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی، مگر اس کے جواب نے انہیں جامد چپ سی لگا دی تھی، وہ کوئی چھوٹی سی دودھ پیتی بچی نہیں تھی کہ رشتوں کی نزاکت کا اسے احساس نہ ہوتا، بی اے فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی اور دنیا کے ہر موضوع پر سیر حاصل بحث کر سکتی تھی، کند ذہن اور غبی بھی نہیں تھی کہ ایک بات کو بار بار سمجھانا پڑتا، تو پھر کمی کہاں رہ گئی تھی، جو اس نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اور اب اپنے کئے پر پشیمان ہونے کی بجائے خود کو حق پر سمجھ رہی تھی، نانو کی سوچیں گہری ہوتی جا رہی تھیں، مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

''چھوڑیں امی آپ پریشان مت ہوا کریں، جابر نے اسے ہر طرح کی آزادی دے رکھی ہے، وہ تو بیٹی کی آنکھ میں ایک آنسو نہیں برداشت کر سکتے، تو پھر بیٹی کیوں باپ کے خلاف کچھ سنے، اس نے جو کیا ٹھیک کیا، جابر کہتے ہیں، لینا نے اپنا فرض ادا کیا، ایک بیٹی کو ماں باپ کے لئے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، اس نے ہماری بیٹی ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔'' رانی کی جوشیلی تقریر نے جہاں نانو کے پیروں تلے سے زمین نکالی تھی، وہیں لینا کا سر بھی فخر سے بلند ہو گیا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو رانی، تم نے کیا اسے اکیلے گھر نہیں بھیجنا؟ یہ ساری عمر تو تمہاری دہلیز پر بیٹھی، بیٹی ہونے کا حق ادا نہیں کر سکتی ناں، اسے کل کو کسی کی بہو بننا ہے، کسی کی بیوی، کسی کی بھابھی اور کسی کی ماں، تو کیا یہ وہاں بھی اسی طرح کا رویہ رکھے گی سب کے ساتھ؟ سر پھاڑتی پھرے گی لوگوں کا اور تم یوں ہی اس کی تعریفیں کرتی چلی جاؤ گی، حد ہوتی ہے کسی بات کی۔''

نانو کو سخت غصہ آ رہا تھا مگر یہاں ان کے غصے کی پرواہ کسے تھی، رانی اچھی طرح سے جانتی تھی کہ ماں کو ہینڈل کس طرح کرنا ہے۔

''امی جی، یہ آپ کی نواسی ہے اور آپ کی نواسی اب اتنی بھی پاگل نہیں کہ سسرال والوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے، اسے پتا ہی نہ ہو، یہ سب جانتی اور سمجھتی ہے اور پھر سب سے بڑی بات جابر اسے ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھانے کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ قرآن کی وہ تمام سورتیں اپنی بیٹی کو ترجمے کے ساتھ پڑھوائیں گے جن میں عورتوں کے حقوق کا بیان کیا گیا ہے، تاکہ کل کو کوئی ہماری بیٹی کا حق نہ مار سکے، اسے جب اپنے حقوق کا پتا ہوگا تو یہ انہیں منوا بھی لے گی اور اچھے طریقے سے حاصل بھی کر لے گی۔''

نانو تو پہلے ہی ان ماں بیٹی کی منطقوں کو سمجھنے سے قاصر تھیں، اب یہ نئی منطق ان کی سمجھ میں آئی تو نہیں مگر وہ خاموش ہو گئی کہ جب ماں باپ خود بچی کو غلط راہ پر لگا رہے ہیں تو وہ کیا کر سکتیں تھی، بچی کو اس کے حقوق باور کروائے جا رہے تھے، مگر اس کے فرائض کیا ہونگے، کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

مسرت کی زندگی میں ایک پرمسرت موقع چپکے سے وارد ہوا تھا، عینی کے لئے ان کے بھانجے کا رشتہ آیا تھا، انہیں اپنے ہائی کوالیفائیڈ فارن ریٹرن بھانجے سے محبت تو بہت تھی، مگر یہ خیال کبھی نہیں آیا تھا کہ عابس ان کی بیٹی کا نصیب بن جائے گا، جیسے ہی آپا نے ان کے سامنے جھولی پھیلائی انہوں نے رسماً بھی سوچنے کا وقت نہیں لیا اور فوراً ہاں کر دی، عابس کو امریکہ واپس جانا تھا لہٰذا اس کا اور عینی کا نکاح کر دیا گیا تاکہ وہ اگلی بار آئے تو عینی کے کاغذات ساتھ لیتا آئے۔

ابھی وہ اس طرف سے فارغ نہیں ہوئیں تھیں کہ انہیں اسجد کے لئے ایک لڑکی پسند آ گئی، نوشی کی بچپن کی سہیلی کی چھوٹی بہن کی شادی تھی، نوشی اور عالیہ کے مراسم پرانے ہی سہی، مگر بہت اچھے تھے، وہ عالیہ کی بہن کی شادی میں گئی تو زبردستی ماں کو ساتھ لے گئی اور وہیں انہیں وہ گوہر نایاب دکھائی دیا جس کی تلاش میں وہ کنوؤں میں بانس تک ڈلوا چکی تھی، وہ لڑکی دلہن کی سہیلی تھی، بہت شوخ و چنچل بات بات پر قہقہے لگاتی سیدھی مسرت کے دل میں اترتی چلی گئی، دودھیا شہابی رنگت، سفید موتیوں جیسے ہموار دانت، بوٹا سا قد اور نازک سا سراپا، شانوں تک آتے بالوں کی اونچی پونی کیے اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''نوشی! عالیہ سے پوچھو، یہ لڑکی کون ہے؟ اس کی کہیں بات وات تو طے نہیں ہوئی ابھی۔''

مسرت کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس موم گڑیا کو ابھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں، نوشی ان کے اتاؤلے پن پر حیران بھی تھی اور خوش بھی، لڑکی اسے بھی بہت اچھی لگی تھی، خوش اخلاق بھی اور ملنسار تھی، کیونکہ وہ سب سے ہنس ہنس کر بہت اچھی طرح بات چیت کر رہی تھی۔

☆☆☆

''امی! ایک بار پھر سوچ لیں اچھی طرح سے، ہماری لینا تو چاند کا ٹکڑا ہے اور وہ اسجد اماوس کی کالی رات، کہیں ایسا نہ ہو کہ حور کے پہلو

میں لنگور والی بات سچی ثابت ہو جائے۔'' نوشی نے عالیہ سے اس لڑکی کا سارا بائیو ڈیٹا اگلوا لیا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ شادی ختم ہونے کے ٹھیک دو دن بعد ہی وہ لوگ جابر اور رانی کے سامنے جھولی پھیلائے بیٹھے تھے، جابر نے یہ ذمہ داری بھی ساس سسر اور سالوں پر ڈال دی کہ وہ لڑکے اور اس کے گھر والوں کی اچھی طرح چھان بین کریں، اپنے بہن بھائیوں پر نہ تو اسے بھروسہ تھا اور نہ ہی رانی کی طرف سے اس کی اجازت، اسی لئے جیسے ہی تانو اور ماموؤں کی طرف سے سب ٹھیک ہے کا سگنل ملا، جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں، ان تیاریوں میں تانو اور ماموں پیش پیش تھے، ددھیال والوں کو تو ایک گھر میں رہتے ہوئے کسی بات کی بھنک نہیں لگنے دی گئی تھی، لینا اور اسجد کی منگنی بھی تانو کے گھر ہوئی اور شادی تک رابطہ پل یہ تانو کا گھر ہی بنا رہا تھا، جیسے جیسے شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے، رانی کو عجیب و غریب سے وہم ستانے لگے تھے، اسے اسجد شروع سے ہی پسند نہیں آیا تھا، وہ خوبصورت بھی تھی اور حسن پرست بھی، اس کی ناپسندیدگی کی وجہ اسجد اور اس کی فیملی کا دبتا ہوا گہرا سانولا رنگ ہی تھا، اسجد کی بہنیں تو پھر بھی کچھ گزارا ہی تھیں، مگر مسرت بیماریوں کی وجہ سے اپنا رنگ روپ کھو چکی تھی، اسجد اور راشد کا رنگ بھی پکا سانولا ہی تھا اور رانی کو یہی بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''ارے بھلا ایک ہی ایک داماد اور وہ بھی الٹے توے جیسا کالا، میری بیٹی بھلا کیسے برداشت کرے گی اس کو، امی کچھ تو سوچیں آپ؟'' وہ لوگ شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آ رہے تھے اور رانی بیگم کو ہول اٹھ رہے تھے۔

''امی، آپ ہی سمجھائیں اس پاگل کو، میں تو اسے سمجھا سمجھا کر عاجز آ گیا آپ ہی بتائیں بھلا مردوں کی شکلیں کون دیکھتا ہے، ان کی تو جیبیں دیکھی جاتی ہیں، اسٹیٹس دیکھا جاتا ہے اور اسجد اس کیٹگری پر پورا اترتا ہے، باپ کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہے، بہنیں بیاہی ہوئی اپنے اپنے گھر بار والی، پیچھے رہ کون گیا، ایک ساس جو بیچاری بیمار ہی رہتی ہے، جانے کب اس کا بلاوا آ جائے اور ایک سسر، خود سوچیں امی ہماری لینا تو راج کرے گی راج اور یہ پاگل ہے کہ......'' تانو کے کچھ بولنے سے پہلے ہی جابر کی طرف سے تفصیلی جواب آیا تو رانی بھی اتنے مالی فوائد کا سن کر خاموش ہو گئی، لینا اور اسجد کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی، دونوں طرف سے اکلوتے پن کا سوال تھا، سوجی بھر کے ارمان پورے کیے گئے، لیکن ان رسومات کے دوران ہی رانی بی بی کا مزاج بگڑنے لگا، انہیں لگ رہا تھا بیٹی کی سسرال کی طرف سے انہیں وہ پروٹوکول نہیں مل رہا جو ان کا حق تھا، مایوں مہندی بارات ہر فنکشن میں اسجد لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی لیٹ ہوتے رہے اور پھر رہتی کسر ولیمے پر نکل گئی، ہال شاید چھوٹا تھا اور مہمان زیادہ، اسی ہڑبونگ میں اسجد کو شاید خیال نہیں رہا کہ ساس کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھ کر فوٹو سیشن بھی کروانا چاہیے اور مووی بھی بنوانی چاہیے، وہ دوسرے مہمانوں میں گھرا ایک بار بھی اسٹیج پر نہیں آیا اور یہیں سے رانی بیگم کا پارا ساتویں آسمان کو چھونے لگا اور کھانا کھائے بغیر ہی بیٹے کو ساتھ لئے گھر واپس آ گئیں، ان کے اس طرح بغیر کسی سے ملے واپس چلے جانے پر سب ہی پریشان ہو گئے، لینا بھی ماں کی نبض شناس تھی، فوراً سمجھ گئی کہ دال میں کچھ کالا ہے، مگر سچوئیشن ایسی تھی کہ کچھ کر نہیں پا رہی تھی، اس نے اپنی خالہ اور ماموں سے بات کی تو وہ بھی فوراً باجی کے پیچھے

بھاگے مگر باجی اب کسی کے ہاتھ کہاں آنے والی تھیں، وہ گھر آئے مہمانوں کا لحاظ کیے بغیر نئے نویلے داماد کے بخیے ادھیڑنے بیٹھ گئیں۔

''رانی بس کر دو اب، بہت بول چکی ہو تم، ارے اس غریب نے کیا کیا ہے، کچھ بتاؤ گی تو ہمیں پتا چلے گا ناں، بس ایسے ہی بولے چلی جا رہی ہو بیوقوفوں کی طرح۔'' تانو کی برداشت بھی جواب دے گئی تو وہ غصے سے بولیں تھیں، مگر ان کا بولنا اسے اور آگ لگا گیا۔

''آپ تو چپ ہی کر جائیں امی، یہ سب کیا دھرا آپ کا اور آپ کے بیٹوں کا ہی ہے، میں جب کہہ رہی تھی کہ مجھے یہ رشتہ نہیں پسند، نہیں پسند تو پھر آپ لوگوں نے زبردستی اس کالے کلوٹے کو میرے سر کیوں منڈھا، ساری دنیا میں ایک ماہ ہی رہ گیا تھا میرا داماد بننے کو، حد ہوتی ہے کوئی زیادتی کی بھی، یہاں تو میری اپنی سگی ماں نے میرے ساتھ ہاتھ کر دکھایا، ان بدتمیز، جاہل پینڈوؤں میں میری پڑھی لکھی اکلوتی بیٹی ڈبو کر رکھ دی۔'' وہ کسی کی سننے کو تیار نہیں تھی، اس وقت اس پر جانے کون سا جنون سوار تھا کہ اپنی ہی ماں کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا، تانو بیچاری تو دانت پر دانت جمائے بمشکل امڈ امڈ کر آنے والے آنسو پینے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھیں۔

''باجی بس جو ہونا تھا ہو گیا، اب اٹھیں اور بیٹی داماد کے استقبال کی تیاریاں کریں۔'' بھائی کا دل تو چاہ رہا تھا کہ ایک الٹے ہاتھ کی لگا کر باجی صاحبہ کا دماغ تو ٹھکانے پر لے آئے، مگر امی نے اشارے سے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اب رانی بیگم کا دماغ الٹ چکا ہے، وہ اب سیدھی بات کا بھی الٹا مطلب نکالے گی اور پھر اپنی مرضی کا الٹا ہی جواب دے گی، اسی لئے وہ خود بھی خاموش تھیں اور باقی سب کو بھی چپ رہنے کا اشارہ کر رہی تھیں، پھر سب نے جانے کن دقتوں سے باجی صاحبہ کا موڈ بحال کیا اور لینا اور اسجد کے آنے سے پہلے ماحول کو قدرے بہتر بنانے کی کوشش کی، مگر بات نہیں بنی تھی، اسجد کو سب کچھ بناوٹی سا لگ رہا تھا، وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر واپسی کے لئے اٹھ گیا اور اس بات کا بھی رانی بیگم نے اچھا خاصا برا منایا تھا۔

☆☆☆

لینا خیر سے دلہن بن کر اسجد کے گھر آنگن میں اتر آئی، پہلے پہل تو نئی دلہن کے خوب چاؤ چونچلے اٹھائے گئے، پھر آہستہ آہستہ روٹین لائف شروع ہو گئی، اسے اس گھر میں کوئی مسئلہ نہیں تھا، مگر اصل مسئلہ ہی یہ تھا کہ اسے کوئی مسئلہ کیوں در پیش نہیں، اس کا جب بھی میکے میں چکر لگتا رانی اور جابر کرید کرید کر اس سے اس کے ساس سسر اور نندوں کے بارے میں پوچھتے، اسجد کے رویئے کے بارے میں الٹے سیدھے اندازے لگاتے اور ایسے ایسے سوال کرتے کہ اس کی سمجھ میں ہی نہ آتا کہ ماں باپ کو مطمئن کیسے کرے اور جب انہیں اطمینان نہ ہوتا تو وہ بیٹی کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھانے لگتے، وہ بھی آخر ان ہی کی بیٹی تھی، کیسے نہ ان کے دکھائے راستے پر چلتی۔

☆☆☆

''اپنی ماں کو سمجھا لیں اسجد، میرے معاملے میں بولنے کی کوشش مت کیا کریں، میرا جو دل چاہے گا میں وہی کرونگی، جہاں دل چاہے گا جاؤنگی اور جو دل چاہیے گا پہنوں گی، انہیں میری کسی بات پر اعتراض ہے تو سو بار ہوا کرے، مجھے کوئی پرواہ نہیں، سمجھے آپ۔'' شادی کو ابھی چھ ساتھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ لینا کو ساس کی روک ٹوک زہر لگنے لگی، حالانکہ وہ اس کے بھلے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اسی لئے وہ اسے اپنے تجربے کی

روشنی میں قیمتی مشوروں سے نوازتی رہتیں، مگر لینا کو تو ان سے چڑ ہو چکی تھی، جہاں وہ اسے کچھ کہنے کی کوشش کرتیں، وہیں وہ انہیں ٹکڑا توڑ جواب دے کر لا جواب کر دیا کرتی اور اس دن تو حد ہی ہوگئی، مسرت کی طبیعت صبح سے خراب تھی، وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں کہ لینا نک سک سے تیار اونچی ہیل کا جوتا پہنے ان کے کمرے میں چلی آئی۔

''امی! علی مجھے لینے آ رہا ہے، آج ہمیں نانو کی طرف جانا ہے، اسجد شام میں مجھے خود ہی پک کرلیں گے، آپ لوگ کھانا کھا لیجئے گا، ہمیں دیر ہو جائے گی، ہمارا انتظار مت کیجئے گا۔'' اس نے کھڑے کھڑے ساس کو بتایا اور ان کا جواب سنے بغیر ہی واپس مڑ گئی، مگر مسرت اسے ٹوکے بغیر نہ رہ سکیں۔

''لینا بیٹی تم سو بار اپنی ماں کی طرف جاؤ، مگر یہ ہیل والا جوتا اتار کر، اس حالت میں تمہیں اتنی لمبی ہیل نہیں پہننی چاہیے، بچے کے لئے نقصان دہ ہے۔''

''آپ...... آپ ناں اپنے کام سے کام رکھا کریں، میرا بچہ ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس کے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا اونہہ، خود کا خیال تو رکھ نہیں سکتیں اور چلی ہیں مجھے ہدایتیں کرنے، کالی کلوٹی کہیں کی۔'' شدید غصے کے عالم میں پیر پٹختے ہوئے اس نے ایک سانس میں ساس کو ہزار باتیں سنا ڈالیں اور جاتے جاتے اس کے رنگ روپ پر بھی گہری چوٹ کرتی گئی، حالانکہ یہ طعنہ اس نے ہلکی آواز میں ہی دیا تھا، مگر مسرت کے کانوں سے ہوتا ہوا ان کے دل میں ترازو ہوگیا، لینا تو بھائی کے ساتھ میکے روانہ ہوئی اور مسرت ٹینشن کے مارے بے ہوش ہی ہو گئیں، ملازمہ نے جو ان کی یہ حالت دیکھی تو گھبرا کر فیکٹری فون کر دیا، راشد اور اسجد فون سنتے ہی بھاگے چلے آئے، مسرت کو ہاسپٹلائز کر دیا گیا، ملازمہ کی زبانی اسجد کو جب ساری صورت حال کا علم ہوا تو اسے سخت دکھ ہوا، لینا کو بھی ساس کے ہسپتال جانے کی خبر مل چکی تھی، مگر وہ ماں باپ کی شہہ پر الٹا اسجد سے ناراض ہو کر بیٹھ گئی کہ وہ اس کے میکے کی دعوت چھوڑ کے ماں کو ہسپتال کیوں لے گیا، اسجد جب اسے لینے گیا تو رانی اور جابر نے اس کی الٹا کلاس لے ڈالی، وہ اس صورت حال سے پریشان ہوگیا، اس نے باپ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اسے صبر اور حوصلے سے کام لینے کا درس دیا، اسجد چند دن تو سوچتا رہا پھر اس نے بہت سوچنے کے بعد لینا کی خالہ سے رابطہ کیا، یہ خالہ لینا کے بہت قریب تھیں، سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے بھی فیملی میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں۔

''خالہ! آپ لینا کو سمجھائیں، وہ مجھے چاہے کچھ بھی کہہ لیا کرے، مگر میری رانی کے ساتھ بدتمیزی مت کیا کرے، اس نے ان کے رنگ پر بھی چوٹ کر دی، انہیں ان کے منہ پر ہی کالی کلوٹی کہہ دیا، آپ خود بتائیں کوئی ساس اپنی بہو کے منہ سے یہ سب برداشت کر سکتی ہے، نہیں ناں، مگر میری ماں نے برداشت کر لیا، خود پر لیا سب کچھ اور مجھے اپنی قسم دے دی کہ میں لینا یا اس کے امی ابو سے کوئی بات نہیں کروں گا اس بارے میں، اب آپ اسے سمجھائیں کہ پرانی باتیں بھول جائے اور اپنے گھر واپس آ جائے۔''

اسجد رو دینے کو تھا اور خالہ کا حیرت سے برا حال کہ کریں تو کیا کریں، انہوں نے اس وقت تو اسے سمجھا بجھا کر واپس کیا اور اپنے خالہ ہونے کا حق کو استعمال کرتے ہوئے لینا کو سمجھانے کے لئے اسے فون کر بیٹھیں، بس رانی اور جابر کو تو جیسے

آگ ہی لگ گئی، وہ تو سوچ رہے تھے کہ اسجد خود ان کے پاس آئے گا بار بار آئے گا، ان کے پیروں میں گر کر معافی مانگے گا اور لینا کو عزت کے ساتھ واپس اپنے گھر لے جائے گا، مگر یہ سب تو الٹا پلٹا ہی ہوگیا، وہ تو خالہ کے پاس جا پہنچا، یعنی کہ ان کے گھر کی بات پورے خاندان میں پھیل گئی، ان دونوں نے اسی وقت خالہ کے گھر کی راہ لی اور وہاں جا کر جو ان کے دل میں آیا بولتے چلے گئے، خالہ اور خالوں حیران پریشان بس انہیں دیکھتے ہی چلے گئے۔

''میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں، آئندہ ہماری بیٹی اور داماد سے دور ہی رہنا، یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے، ہم خود ہی سلجھا لیں گے، تمہیں یا کسی اور کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھیں تم۔'' اچھی طرح سے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد جب وہ واپس جانے لگے تو جاتے جاتے جابر نے مڑ کر لاڈلی سالی کو لاسٹ وارننگ دیتے ہوئے اس انداز سے کہا کہ وہ جل بھن کر راکھ ہی ہوگئی، وہ دونوں تو واپس چلے گئے اسے جلتے توے پر بٹھا گئے، وہ بھی رانی کی ہی بہن تھی، ان کی بات کیسے سنتی، اس نے سب سے پہلے ماں کو فون کھڑکایا اور رو رو کر ساری بات انہیں بتائی، پھر باقی کی بہنوں اور بھائیوں کو سب بتایا، سب کی ہمدردیاں اپنی طرف کر کے ہی اسے چین آیا، اس سارے کھڑاگ کا ایک فائدہ ہوا کہ لینا خود ہی گھر واپس چلی آئی، اس کا خیال تھا کہ شاید اس سے کوئی سوال جواب کوئی پوچھ گچھ ہوگی، مگر ایسا کچھ نہ ہوا، اسے کسی نے کچھ بھی نہیں کہا اور وہ اتنے میں ہی شیر ہوگئی۔

''اسجد، آپ امی کو کہہ دیں، مجھے ہر وقت کی روک ٹوک پسند نہیں، میں ایسے رویوں کی عادی نہیں ہوں، اس لئے پلیز انہیں کہہ دیں کہ میرے معاملات سے دور رہا کریں۔'' اسجد نے کافی دنوں کے بعد ہلکے پھلکے انداز میں اسے سمجھانا چاہا تھا مگر وہ تو کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھی، اس کی اپنی ہی منطق تھی اور اپنے ہی کنسرن، اسے کسی کی کوئی پرواہ ہی نہیں تھی اور اس کے اسی رویے کو دیکھتے ہوئے مسرت نے اسے کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا، وہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتی رہتیں اور صبر سے برداشت کیے جاتیں، لینا کی بدتمیزیاں اور خودسری بڑھتی جا رہی تھی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے ملنے والی پہلی خوشی ہی اس سے واپس لے لی گئی، یہ قدرت کا فیصلہ تھا، اس نے ایک ماں کا دل دکھایا اور بار بار دکھایا، اس لئے اب قدرت نے اس کے دل پر وار کیا تھا، اس کا مس کیرج ہوگیا، اسجد کا دکھ کے مارے برا حال تھا تو مسرت یہ خبر سنتے ہی مرنے والی ہو گئیں تھیں، پوتا، پوتی کو کھلانے کا ان کا یہ دیرینہ خواب چکنا چور ہو چکا تھا اور اس پر ستم یہ کہ اس حادثے کو بھی ان کے کھاتے میں ڈال دیا گیا، رانی اور لینا کا کہنا تھا کہ مسرت کی روک ٹوک اور ان کی بیماری کے اثرات کی وجہ سے لینا کا بچہ ضائع ہوگیا، اسجد نے بڑی مشکل سے حالات کو قابو کیا تھا، اس میں راشد اور نوشی نے اس کا بڑا ساتھ دیا تھا، حالات ایک بار پھر معمول پر آگئے، اب لینا کا پہلے سے زیادہ خیال رکھا جانے لگا، شہر کی سب سے بڑی گائنی اسپیشلسٹ سے اس کا علاج شروع ہوا اور پھر سب کی دعائیں رنگ لے آئیں، مس کیرج کے پانچ ماہ بعد وہ پھر سے امید سے ہوئی، لیکن اس بار وہ زیادہ تر اپنی ماں کی طرف ہی رہتی، پہلے تین ماہ تو اس نے رانی کی چھتر چھایا میں ہی گزارے تھے، مگر پھر اسے واپس اپنے گھر تو جانا ہی تھا، تو وہ اپنے گھر واپس آ ہی گئی، مگر ڈھیروں نصیحتوں اور ہدایتوں کے

ساتھ۔

☆☆☆

"کیا ہے مسئلہ کیا ہے آپ کے ساتھ؟ کیوں چین سے نہیں رہنے دیتیں آپ، جب دیکھو یہ نہ کرو، یہاں نہ بیٹھو، وہاں نہ لیٹو، ایسے اٹھو، ویسے بیٹھو؟ کیا ہے یہ سب؟ کیا چاہتی ہیں آپ؟ آج تو مجھے بتا ہی دیں، میں اس روز روز کی بک بک سے عاجز آ چکی ہوں۔" لینا کی لحظہ لحظہ اونچی ہوتی آواز مسرت کو سن کرتی جا رہی تھی، جب سے انہیں دوبارہ دادی بننے کی خوشخبری ملی تھی، ان کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں پڑتے تھے، انہیں لگتا تھا کہ ان کی آدھی بیماری ختم ہو گئی، راشد اور اسجد بھی بہت خوش تھے، لینا کا بھرپور خیال رکھا جا رہا تھا، دو دو جز وقتی ملازماؤں کے ہوتے ہوئے بھی ایک کل وقتی ملازمہ صرف اس کے لئے رکھی گئی تھی تا کہ اسے ہر طرح کا آرام مل سکے، وہ اس پروٹوکول پر خوش تھی، بہت خوش مگر ایک نامعلوم سا وہم بھی اسے ستاتا رہتا تھا اور یہ وہم اس کے دل و دماغ میں ڈالنے والے جابر اور رانی ہی تھے۔

"کب تک پڑی رہو گی ان کالے کلوٹوں کے بیچ، دن رات انہیں ہی دیکھتی رہتی ہو، دیکھ لینا تمہارا بچہ ان جیسا ہی کالا پیدا ہو گا اور میں کہے دے رہی ہوں، اگر تمہارا بچہ اپنی دادی یا باپ پر گیا تو پھر مجھ سے کوئی امید مت رکھنا، میں اسے اٹھانے والی نہیں، بلکہ میں تو اسے اون ہی نہیں کرونگی، یاد رکھنا میری بات۔" اس کا ساتواں مہینہ شروع ہی ہوا تھا کہ جابر اور رانی اسے لینے پہنچ گئے، راشد اور مسرت نے بہت سبھاؤ سے انہیں منع کر دیا کہ ابھی تو بڑا وقت پڑا ہے، جب ٹائم آئے گا دیکھی جائے گی، رانی کو اس بات کا بہت غصہ تھا، وہ بیٹی کی برین واشنگ تو پہلے بھی کرتی رہتی تھیں، مگر اب تو اس کی رفتار تیز ترین ہو گئی تھی، انہوں نے اپنی بہنوں کو بھی ساتھ ملا لیا اور اب سب کی یہی کوشش تھی لینا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے فوری طور پر ماں کے پاس چلی آئے، وہ شاید خود بھی یہی چاہتی تھی، مگر اسجد کی محبت اور اپنے گھر کا سکھ اس کے پیروں کی زنجیر بن جاتا، ماں اور ماسیوں کی باتیں علیحدہ دماغ میں ہلچل مچائی رہتیں تو دل چاہتا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے کہیں دور نکل جائے جہاں مسرت کا سایہ بھی اس پر یا اس کے بچے پر نہ پڑ سکے۔

"دیکھ لینا باجی بالکل ٹھیک کہتی ہیں، تیری ساس تو ہے بیماریوں کی پوٹ اور تو چاہتی ہے کہ تیرا بچہ پیدا ہوتے ہی اس بیمار عورت کی گود میں چلا جائے، سوچ لے ہم تیرے یا تیرے بچے کے دشمن نہیں ہیں، تیرا بھلا ہی چاہتے ہیں، خود کو اپنے بچے کو اگر ان خطرناک بیماریوں سے بچانا چاہتی ہے تو فوراً میکے چلی آ۔" مجھلی خالہ کا یہ کوئی دسواں فون تھا اور ہر بار وہ ایک ہی بات گھما پھرا کر کر رہی تھیں، اس کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا، اسی الجھن میں وہ کمرے سے باہر آئی اور لاؤنج میں پڑے صوفے پر جا بیٹھی، مسرت کی ان دنوں واقعی طبیعت بہت خراب تھی، وہ دو دن ہسپتال رہ کر رات ہی گھر لوٹیں تھیں اور اب لاؤنج میں پڑے دیوان پر لیٹی آرام کر رہی تھیں، لینا نے اپنی سوچوں میں الجھے ہوئے انہیں دیکھا ہی نہیں، مگر وہ اسے دیکھ رہی تھی، سو جیسے ہی وہ بے ڈھنگے انداز میں بیٹھی، انہوں نے اسے ٹوک دیا کہ پاؤں مت لٹکا کر بیٹھو، پیروں پر ورم آ جائے گا، بس اتنی سی بات کرنے کی دیر تھی کہ لینا بارود کے ڈھیر کی طرح پھٹی اور پھر جانے انہیں کیا کیا سنا کر چلی گئی، مسرت حیرت سے گنگ اپنی پڑھی لکھی، خوش اخلاق اور تمیزدار بہو کا زہریلا روپ دیکھ رہی تھیں، انہیں یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ وہی لینا رانی ہے جس کی تعریفیں کرتے ان کے لب نہیں سوکھتے تھے اور وہ کیسے لمحوں میں انہیں بے وقعت کر کے رکھ گئی تھی۔

"امی! آپ ابھی آئیں اور مجھے لے جائیں یہاں سے، میرا اب دم گھٹتا ہے یہاں، میں ان پابندیوں سے تنگ آ چکی ہوں، نہ اپنی مرضی سے کچھ کھا سکتی ہوں نہ کہیں آ جا سکتی ہوں، آپ فوراً آئیں اور مجھے لے کر جائیں یہاں سے۔" وہ ابھی ساس پر ہی چیخ چلا رہی تھی کہ ہاتھ میں پکڑا موبائل بج اٹھا، ماں کی کال اس نے جھٹ سے ریسیو کی اور بغیر سلام دعا کے شروع ہو گئی، ماں تو شاید پہلے سے ہی منتظر تھی، فوراً باپ کے ساتھ آن پہنچیں اور مسرت کے لاکھ روکنے پر بھی بیٹی کو لے کر چلتی بنیں۔

"امی! آپ نے انہیں جانے کیوں دیا، مجھے ایک فون کر دیتیں، میں فوراً آ جاتا اور پھر دیکھتا کہ کون میری بیوی کو یہاں سے لے جاتا ہے۔" اسجد کو ساس سسر کی اس حرکت پہ سخت تپ چڑھی تھی، مگر راشد اور مسرت نے اسے کسی نہ کسی طرح منا ہی لیا تھا۔

"ٹھیک ہے امی، آپ کہتی ہیں تو میں ان سے کوئی بات نہیں کروں گا، مگر یہ طے ہے کہ اگر آئندہ انہوں نے ہمارے گھر کے کسی معاملے میں دخل اندازی کی تو پھر میں خاموش نہیں رہوں گا۔" ماں کے سمجھانے منتیں کرنے پر اس نے بھی اپنی انا کے سر پر پیر رکھ دیا تھا اور لینا سے ملنے جانے لگا تھا اور بچہ ہونے تک اسے ماں کے پاس رہنے کی اجازت بھی دے دی تھی، رانی اسے اپنی بڑی کامیابی سمجھ رہی تھی، داما کو پیروں میں جھکا کر اسے دلی مسرت حاصل ہو رہی تھی، وہ بیٹی کو بھی ایسے ایسے گر سکھاتی کہ وہ ایک لمحے کو تو دنگ ہی رہ جاتی مگر بیٹی تھی ماں کی ہر بات شربت کی طرح گھول کر پی جاتی، اللہ اللہ کر کے ڈلیوری کا وقت آیا اور لینا نے ایک بیٹے کو جنم دیا، کیس سیزرین تھا اور کریٹکل بھی، اس پر بچے کی حالت دیکھ دیکھ کر سب ہول اٹھے تھے، وہ بچہ نہیں ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔

"دیکھ لینا، دیکھ لیا ناں تو نے، میں تجھے غلط نہیں کہتی تھی، ہائے دادی کی ساری بیماریاں لگ گئی تیرے بچے کو، دیکھ اب اپنی آنکھوں سے ماں کی بات نہ ماننے کا نتیجہ، وہ کالی آندھی کھا گئی میری بچی کی خوشیوں کو، ارے کیسا بیمار اور کمزور بچے کی جگہ تو کوئی پتھر ہی پیدا کر لیتی، تیری ساس نندوں کے سر پھاڑنے کے کام ہی آ جاتا، کمبخت نامراد منحوس کہیں کے، پیچھے ہی پڑے رہے میری بچی کے۔"

ایسے بیمار اور کمزور بچے کی پیدائش ہی کیا کم صدمہ تھی کہ اب رانی بیگم کا واویلا بھی شروع ہو چکا تھا، وہ ہر بات کا الزام اسجد اور اس کے گھر والوں پر ڈال رہی تھیں، یہ جانے بغیر کہ اللہ کی رسی دراز ضرور ہے مگر بے لگام نہیں، جب وہ رسی کھینچنے پر آتا ہے ایسے ہی معجزے دکھاتا ہے، لیکن انسان ناسمجھ، خطا کا پتلا نہیں سمجھ پاتا اور اپنی غلطیاں کبھی اللہ کے تو کبھی اس کے بندوں کے کھاتے میں ڈالنے کی ناکام کوشش کرتا چلا جاتا ہے، مسرت جو اپنی شدید بیماری کو بھول کر پوتے کی خوشخبری ملتے ہی نوشی اور ماہی کے ساتھ ہسپتال بھاگی آئیں تھیں، یہاں کی صورت حال دیکھ کر سٹپٹا گئیں، انہیں زور کر چکر آیا، اگر جو بیٹیاں انہیں بروقت سنبھال نہ لیتیں تو شاید وہ بے ہوش کر وہیں گر جاتیں۔

"لے لینا، آ گئی تیری ساس تجھے مبارکباد دینے، ان کی دلی مراد جو پوری ہو گئی، اپنی

بیماریاں پوتے کو سونپ کر کیسے ہٹی کٹی بھاگی چلی آ رہی ہے، میں اس عورت کا سامنا نہیں کرنا چاہتی، میں باہر جا رہی ہوں، ایسے ہی میرے منہ سے کچھ الٹا سیدھا نکل گیا تو سارا الزام مجھ غریب پر ہی آ جائے گا۔" مسرت کو دیکھتے ہی رانی کے تن بن میں آگ لگ گئی تھی اور اس نے بنا سوچے سمجھے یہ آگ اگل بھی دی اور آخر میں خود کو معصوم ظاہر کرتی روتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"لینا میری بچی میں نے کبھی بھی ایسا نہیں چاہا تھا، تمہاری امی کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، بھلا کوئی دادی بھی اپنے پوتے کو بد دعا دے سکتی ہے، نہیں بیٹی، میں تو تم لوگوں کی صحت و سلامتی کے لئے ہمیشہ دعا ہی کرتی ہوں لیکن......"

"لیکن آپ کی دعائیں بھی مجھے بد دعا بن کر لگ گئیں، اب تو آپ خوش ہیں ناں، جائیں اپنے پوتے کو اٹھائیں اسے چومیں اسے کھلائیں کیونکہ وہ آپ کے جیسا ہی ہے، اس پر حق بھی صرف آپ کا ہی ہے۔" لینا کو شدید ڈپریشن کا دورہ پڑا تھا، کچھ تو بچے کی حالت اور کچھ ماں کا واویلا، وہ سارے ادب لحاظ حتیٰ کہ اپنی حالت کو بھی فراموش کر بیٹھی اور مسرت پر چڑھ دوڑی، نوشی اور ماہی روتے ہوئے ماں کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگیں اور لینا زور زور سے روتے چلاتے ہوئے خود بھی بے ہوش ہو گئی۔

☆☆☆

مسرت کا انتقال ہو گیا، وہ اپنے پوتے کو ہنستا کھیلتا دیکھنے کی چاہ دل میں ہی لئے اس جہاں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئیں، جس چاند چہرہ اور ستارہ آنکھوں والی بہو کی چاہ میں وہ ساری عمر ترستی رہیں اسی چاند چہرے نے اپنے لفظوں کے بھالے مار مار کر ان کا جگر ایسا چھلنی کیا کہ وہ خون تھوکتی ہوئی مر گئیں، اسجد کے لئے یہ دہرا صدمہ تھا، اس کی ماں بھی چلی گئی اور مان بھی، وہ لینا سے ناراض ہونا چاہتا تھا، اسے اسی طرح برا بھلا کہنا چاہتا تھا جس طرح اس نے اور اس کی ماں نے مسرت کو برا بھلا کہا تھا، مگر وہ ایسا نہیں کر پایا، کیونکہ اس کی نہ تو یہ فطرت تھی اور نہ ہی اس کے والدین کی تربیت، اس پر اس کے بیٹے کی بھی وفات ہو گئی، ایسے بچے کم ہی بچتے ہیں اور اگر بچ بھی جائیں تو وہ کبھی بھی نارمل زندگی نہیں گزار پاتے، اسجد نے اس دہرے دکھ کو سینے میں اتار لیا، اس نے نہ تو لینا کو کچھ کہا اور نہ ہی رانی کو اور اس کی یہی چپ اس کی بہنوں کو مار گئی۔

کہتے ہیں کہنے والا کہہ کر اور سہنے والا سہہ کر جب خاموش ہو جائے تو معاملہ اللہ کی عدالت میں چلا جاتا ہے اور جب کوئی معاملہ اللہ کی عدالت میں چلا جائے تو پھر فیصلہ اللہ کا ہی ہوتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

مسرت بڑے ارمانوں سے چاند چہرہ ستارہ آنکھوں والی بہو گھر لائی تھی مگر اس چاند چہرے کے پیچھے دل کیسا ہے یہ جان ہی نہ پائیں اور دلوں کے بھید بھی کبھی کوئی جان پایا ہے، دلوں کا حال صرف اللہ جانتا ہے، یا وہ جو اس دل کے مالک ہوتے ہیں، ماں کے مرتے ہی بیٹیوں کے لئے ان کا میکہ بھی پرایا ہوا اور بھائی بھی، اس کا کچھ کچھ اندازہ تو انہیں ماں کی زندگی میں ہی ہو چلا تھا، مگر اصل صورت حال اس وقت سامنے آئی جب مسرت کی وفات کے چند ماہ بعد ہی ماہی کو اپنی بال بچوں سمیت کچھ عرصے کے لئے میکے آنا پڑا، اس کی سسرالی گھر کا بٹوارہ ہو گیا تھا اور زعیم ان دنوں کئی طرح کی مشکلات میں گھرا ہوا تھا، اسجد سے بہن کی حالت دیکھی نہیں گئی تو وہ اسے اپنے ساتھ ہی لے آیا اور لینا نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا، وہ اب اس گھر کی بلا شرکت غیر مالک تھی، ماہی کی آمد نے اس کے مالکانہ حقوق کو سخت ٹھیس پہنچائی تھی اور اس کی روز روز کی چیخ چیخ نے ماہی سمیت باقی دونوں بہنوں کو بھی الرٹ کر دیا، زعیم بھی اس صورت حال پر بہت پریشان تھا، وہ تو مورل اسپورٹ کے لئے اسجد کے بصد اصرار پر اس کے ساتھ چلا آیا تھا مگر اب لینا کا رویہ دیکھ دیکھ کر پچھتانے لگا تھا۔

"ماہی، بھابھی کے ہاتھوں یہ دن رات کی ذلت برداشت کرنے کی بجائے اچھا تھا کہ ہم کوئی چھوٹا موٹا کرائے کا گھر ہی دیکھ لیتے، کم از کم اس روز روز کی ذلالت سے تو بچ جاتے، بچوں کے ذہنوں پر الگ برے اثرات پڑ رہے ہیں اور ہماری وجہ سے اسجد کی زندگی بھی اجیرن ہو رہی ہے، میں تو کہتا ہوں ابھی بھی وقت ہے چلو چلتے ہیں یہاں سے، اسی میں ہماری عزت ہے۔" زعیم نے تھک ہار کر ایک فیصلہ کر ہی لیا تو ماہی کو بھی اس سے آگاہ کر دیا، وہ کیا کہتی بھائی پر جو مان تھا، وہ تو پہلے ہی متزلزل ہو چکا تھا، اب شوہر سے بحث کر کے اپنی اور اس کی رہی سہی عزت کیوں گنواتی سو چپ چاپ اٹھ کر اپنا سامان سمیٹنے لگی۔

"ماہی، زعیم، یہ تین لاکھ ہیں تم آج ہی یہ اپنے بھائی کو دے دو اور اس سے اپنا گھر واپس لے لو، میں اب اپنی بہن اور اس کے بچوں کو مزید پریشان اور رلتا نہیں دیکھ سکتا۔" اسجد نے ان دونوں کی باتیں سن لی تھیں، وہ اسی وقت پیسے لے کر ان کے پاس چلا آیا۔

"بھائی ہم یہ پیسے نہیں لے سکتے، بھابھی کو بہت برا لگے گا، آپ یہ پیسے انہیں دے دیں، آپ پر اور آپ کی ہر چیز پر اب صرف بھابھی کا حق ہے، کسی اور کا نہیں، ہمارا بھی نہیں۔" ماہی کو جانے کیا ہوا کہ بے اختیار رونے لگی، زعیم بھی سر جھکائے بیٹھا رہا، اسجد کو خود پر غصہ بھی آ رہا تھا اور بہن بہنوئی کے سامنے شرمندگی بھی ہو رہی تھی، مگر کیا کرتا، وہ کچھ تو اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا اور کچھ ماں سے کیے گئے وعدے کا پابند کہ اس کی چاند چہرہ بہو کو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہونے دے گا، وہ اپنا وعدہ پوری ایمانداری سے نبھا رہا تھا، مگر اس کا کیا علاج کہ لینا اور رانی نے اسے اس کی کمزوری ہی سمجھ لیا تھا۔

ماہی واپس اپنے گھر چلی گئی، نوشی اور عینی نے بھی میکے آنا بہت کم کر دیا تھا، راشد اور اسجد کا جب دل چاہتا خود ان سے ملنے چلے جاتے، مگر لینا رانی کو کوئی کچھ نہیں کہتا تھا، کیونکہ اسے نہ تو نندوں کا اپنے گھر آنا پسند تھا اور نہ ہی خود ان کی طرف جانا، وہ اب پوری کی پوری ماں کے نقش قدم پر چل رہی تھی، جیسا سلوک رانی نے ساری عمر اپنی نندوں اور بھابیوں کے ساتھ روا رکھا وہی سلوک اب لینا اپنی نندوں اور بھابھی کے ساتھ کر رہی تھی، یہ دنیا کا عجیب ہی دستور ہے کہیں ساسیں اور نندیں، بہوؤں اور بھابیوں کا ناطقہ بند کیے رکھتی ہیں تو کہیں لینا اور رانی جیسی بھابھیاں اور بہوئیں اپنی نندوں اور ساسوں کو تل تل مارتی، ان کے جگر چھلنی کر کے رکھ دیتی ہیں، سچ ہی کہتے ہیں عورت ہی عورت کی سب سے بڑی دشمن ہے اور لینا اور رانی جیسی عورتیں تو خود اپنے ساتھ بھی دشمنی کر جاتی ہیں اس چار روزہ زندگی کے معمولی سے فائدوں کے لئے اپنی آخرت بھی خراب کرتی ہیں اور اپنے بچوں کو غلط تربیت کر کے ان کی دین و دنیا بھی تباہ کر ڈالتی ہیں۔

☆☆☆

ایک دو کی محبت

نادیہ جہانگیر

اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس کو اس نے چاہا جس سے محبت کی وہ یوں آسانی سے اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا، نہ کوئی سماجی روڑہ اٹکا درمیان میں نہ کوئی گھریلو اعتراض اٹھا۔

سب ایک دم سے بلکہ فٹافٹ ہو گیا اور یوں آسانی سے ہوا کہ وہ خود انگشت بدنداں رہ گئی۔

آخر اسے پہلے کہاں پتہ تھا ادھر سے سمیر بھی اسے اتنا ہی چاہتا ہے جتنا وہ اسے۔

وہ بھی اسی کی طرح اس کی محبت میں اندر تک غرق ہے پورا کا پورا ڈوبا ہوا ہے اور جب اسے علم ہوا تو وہ تو جیسے آسماں پہ پہنچ گئی، پیر زمین پہ اب ٹکنے تھے بھلا، ہواؤں میں اڑنے لگی۔

دیکھتے ہی دیکھتے پھپھو کی نند آئی، رشتہ ڈالا اور اس کے خاندان سے ہاں کرا کے ہی اٹھی، اس کی تو مراد بھر آئی تھی، ساری رات کمرے میں لڈیاں ڈالتے گزری اور اگلے ہی دن پھپھو کی نند نے جلدی منگنی کا شور مچا دیا، اس کے گھر والے پھپھو کی دی گئی تسلیوں سے کافی مطمئن اور شاداں تھے۔

منگنی کی ہاں کرتے ہی تاریخ دے دی اور پھر دونوں صرف منگنی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔

ایسے میں ایک دن سمیر منگنی کا جوڑا چیک کرانے کی خاطر ان کے گھر چلا آیا تو دروازہ کھولتے ہی وہ شرم سے سرخ ہو گئی، اندر بھاگ جانا چاہا، مگر سمیر کی پھرتی نے اس کا ارادہ ناکام کر دکھایا، اس نے سرعت سے اسے کلائی سے پکڑ لیا تھا۔

''خوش ہو؟'' اور وہ کیا کہتی پلکیں جھکا کر ساتھ سر بھی ہلا دیا گویا جواب مثبت تھا، سمیر کا چہرہ کھل اٹھا۔

''منگنی کے بعد تمہیں فون کروں گا۔'' اس نے سرگوشی سے اسے آس لگائی تو وہ اگلے دس دن فون کی سکرین کو دیکھ دیکھ کر پاگل ہو گئی مگر سمیر کو شاید یاد ہی نہیں رہی اپنی بات۔

''کاش وہ اس وقت وعدہ نہ کرتا تو آج میں آس نراس میں ڈوبی فون ہی کی تو ہو کر نہ رہ جاتی۔'' وہ اندر ہی اندر خود کو لتاڑتی کہ اسی ہی وقت اس سے پکا وعدہ کیوں نہ کرا لیا۔

لیکن اس کا یہ انتظار رائیگاں جانے سے بچ گیا منگنی کے دوسرے ہفتے دن فون کے اس پار سے آتی سمیر کی بھاری مگر میٹھی آواز نے اس کے حواس ہی نہیں ساتھ اس کا دل بھی کھینچ لیا۔

''کیسی ہو؟'' اس کا پوچھنا تھا کہ اس کا جی چاہا اپنا دل کھول کر سارے کا سارا اس کے سامنے رکھ دے مگر حیاء آڑے آ گئی، وہ دھیما سا مسکرا دی۔

''اچھی ہوں۔''

''وہ تو میں بھی جانتا ہوں، اسی اچھے پن نے تو مجھ جیسے اچھے خاصے عقل، شعور والے بندے کو بے عقل کر دیا۔'' قہقہہ لگا کر سمیر نے اپنے جرم محبت کا اعتراف کیا تو اس کا دل نرم سی لے پر دھڑک دھڑک گیا۔

پھر اس دن سمیر نے بہت باتیں کی تھیں، بہت سے وعدے کیے، بے شمار پیمان باندھے، وہ اس کی محبت میں اندر تک بھیگتی چلی گئی، آنے والے دنوں میں بھی سمیر نے ہر پل ہر لحظہ اسے



اپنی محبت کا یقین دلایا تھا، اسے بتاتا رہتا تھا کہ اس کے بغیر اس کے دن کس قدر بے چین اور راتیں کتنی بے سکون ہیں۔

وہ اس کی ایسی تڑپ بھری باتیں سن سن کر خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگتی جس کا چاہنے والا منگیتر تھا، جو اس کے بغیر خود کو ادھورا سمجھتا تھا، وہ پھر کاہے نہ خود پہ اتراتی، خود کو خوش قسمت سمجھتی؟

سمیر تو جلدی شادی کرنے کا خواہاں تھا مگر منال کے گھر والے ہی تھوڑا بہت ٹال مٹول کر رہے تھے کہ بیٹی بیاہنا آسان کہاں ہوتا ہے سوئی سے لے کر سلائی تک تیاری ہوتی تھی، ابھی کیسے شادی ہو سکتی تھی اور اس کے بھی تو ابھی بی ایڈ کے ایگزامز ہونے والے تھے، اسے کیسے ایک دم سے کچھ ہو سکتا تھا، جبھی سمیر لوگوں سے کچھ وقت کی مہلت مانگ لی تھی، وہ بھی اس منگنی کے پیریڈ کو ابھی انجوائے کرنا چاہتی تھی جبھی خاموش رہی اور اسکی بے تابیاں وہی، وہ بھی دو دن تین دن بعد لازمی کال کرتا، اس کی کم سنتا، اپنے دل کی زیادہ سناتا اور اس کا دل قابو کیے جاتا۔

ایسے ہی میں محبت منانے کا وہ دن بھی آن پہنچا جس دن تمام نوجوان اور بوڑھے اپنی اپنی محبت کا اظہار کرتے پائے جاتے ہیں۔

اس دن وہ سارا دن فون کے ساتھ چپکی بیٹھی رہی اور آنکھیں تھیں کہ باہر دروازے پہ جمی تھیں، جہاں سے اسے سمیر کی کسی سرپرائز تحفے کے آنے کا انتظار تھا، اسے پورا یقین تھا وہ آج کا دن قطعی طور پر مس نہیں کرے گا، پھول اور کارڈ لازمی بھیجے گا مگر صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی، دروازہ کھٹکا نہ فون، پھول

کارڈ تو ایک طرف اس کا فون تک نہ آیا، حالانکہ اس نے وہ ساری رات اس کی کال آنے کے انتظار میں بھی گزار دی۔

مگر اس کی طرف سے آنے والی کال کا کوئی نیا نہ تھا، فون بج کر نہ دیا، جب رات اس کی آنکھ لگی تب اس کی آنکھیں کافی حد تک سرخ اور بھیگ چکی تھیں۔

خالی دامن سی وہ کب سوئی اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا، اگلے دن تک اس کا دل بجھا بجھا اور اندر خاموش خاموش رہا، جبھی تو وہ من ہی من میں سمیر سے ناراض ہو گئی اور پھر جب اگلے دن اس نے فون کیا تو اس نے جان بوجھ کا کال کاٹ دی، دوسری بار بیل ہوئی تو کال رسیو ہی نہ کی، بیل پہ بیل بجنے لگی، اس نے کان لپیٹ لئے، انجان بن گئی، سمیر کا اندر کھٹک گیا، وہ پریشان سا ہو کر اس کے گھر پہنچ آیا، سامنا بھابھی سے ہوا تو بے اختیار ان سے مناہل کو لنچ کرانے کا کہہ دیا، بھابھی نے امی سے اجازت لے کر مناہل کو تیار ہونے کا کہا تو وہ مان کر نہ دی پھر بھابھی نے دھمکا دیا کہ سمیر اندر آ جائے گا خود لینے تو بادل نخواستہ اسے تیار ہو کر اس کی گاڑی میں آ کر بیٹھنا ہی پڑا۔

مگر سارا راستہ وہ خاموش ہی بیٹھی رہی، سمیر بار بار اسے بلاتا رہا مگر اس کی چپ ٹوٹ کر نہ دی، بالآخر سمیر تپ گیا۔

''کیا ہے یار، یہ صم بکم بننے کا مطلب میری سمجھ میں قطعی نہیں آ رہا۔''

''آپ کو کیا سمجھ میں آتا ہے۔'' اس نے دانتوں پہ دانت جمائے۔

''آتا تو تب کچھ ہے مگر اس وقت تمہاری بے وجہ کی خاموشی میری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' وہ عاجز ہوا۔

''اگر کوئی ناراضگی ہے تو پلیز بتا دو۔''

''آپ کو میری ناراضگی کی پرواہ ہے؟'' وہ سیدھی اس کی آنکھوں میں گھسی تو وہ نرمی سے مسکرا دیا۔

''تو اس کا مطلب ہے محترمہ ناراض ہیں۔'' وہ شریر ہوا تو جواباً مناہل نے سر جھٹک دیا۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں؟''

''جو دل کے قریب ہوتے ہیں دلوں کے راز جانتے ہیں۔'' اس نے طنز کیا تو مسکراتے لب اس کے وہیں بھینچ گئے۔

''فار گاڈ سیک مناہل، مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہی، تمہارا یہ رویہ کیوں اور کس وجہ سے ہے۔''

''او کے، اگر یہی بات ہے تو میں چلی۔'' وہ ٹیبل پہ ہاتھ رکھ کر تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے بے ساختہ اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''محبت یوں آسانی سے چھوڑنے والی چیز نہیں ہوتی۔'' وہ سنجیدہ تھا اور اس کا لہجہ اس سے بھی زیادہ۔

''محبت۔'' وہ استہزائیہ ہنسی۔

''آپ کو واقعی مجھ سے محبت ہے؟''

''اس میں کوئی شک ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''تو پھر یہ محبت خاص محبت کے دن کہاں غائب ہو گئی تھی کہ پھول کارڈ تو بھیجنا در کنار فون تک نہ کر کے اظہار کیا گیا۔''

''اوہ تو تمہاری ناراضگی کی وجہ یہ ہے۔'' وہ جیسے پل میں ساری بات سمجھ گیا۔

''کیا اس سے بھی بڑی وجہ ہو سکتی ہے کوئی؟''

''ادھر آؤ، آرام سے بیٹھو۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے پکڑ کر ساتھ والی کرسی پہ

بٹھا لیا، وہ بیٹھ تو گئی مگر منہ ہنوز پھولا ہوا۔

''میری بات سنو مگر غور سے۔'' اس نے پھولا منہ انگلی سے اپنی جانب کیا۔

''میری محبت کیا اتنی کمزور ہے کہ تم نے اسے صرف ایک دن پہ لازم کر کے اسے چھوڑ دینا چاہا۔''

''وہ ایک دن بہت خاص دن ہوتا ہے مسٹر سمیر۔'' اس کا لہجہ اب بھی طنز ہی میں لپٹا تھا۔

''ہاں، ان لوگوں کے لئے جو محبت ہی صرف اسی ایک دن کے لئے کرتے ہیں، جنہیں روحانی محبت کی چاہ نہیں بلکہ جسمانی محبت کی ہوس ہوتی ہے۔'' اس کے ایک ہی طنز نے اس کی ساری ہوا نکال دی۔

''تم نے میری محبت بھی صرف ایک دن کے ترازو پہ رکھ کر تولنا چاہی ہے مناہل اور مجھے افسوس ہے کہ تم نے ایسا چاہا۔'' سنجیدہ لب و لہجہ اب ناراضگی میں ڈوبنے لگا تھا۔

''چودہ فروری کی محبت ان کمزور لوگوں کی کمزور محبت کی نشانی ہوتی ہے جو سال بھر اِدھر اُدھر منہ مارتے وقت کا ضیاع کرتے صرف اس دن کے انتظار میں رہتے ہیں کہ وہ کسی اپنے کو اس دن وش کر لیں گے، اس پہ اپنی محبت جتا کر یہ ثبوت دے دیں گے کہ اس دل میں وہ بستا ہے اور اگلا بھی کوئی کمزور محبت کا مارا کمزور شخص ہی ہو گا جو اس ایک دن کی محبت کو سب جان لے گا، اسے وہی ایک دن کی محبت ہی سب کچھ لگے گی، باقی سال کے باقی دن ضائع ہو گئے یہ تو وہی جان سکتا ہے نا جو سچی محبت کا طلبگار اور خواہاں ہوتا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتا اس کا لفظ لفظ سچ اگل رہا تھا، مناہل کا دل ڈوب ڈوب کر ابھرنے لگا۔

''سچ میں مناہل میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا مگر پھر بھی اگر تم یہی چاہتی ہو کہ میں اپنی محبت کا اظہار صرف چودہ فروری کو کروں تو ٹھیک ہے تم سال بھر میرا انتظار کرو، میں اگلی چودہ فروری کو تمہیں پھول کارڈ بھی بھیجوں گا اور فون کر کے اپنی محبت کا اظہار بھی کروں گا، باقی کے سارے سال کے سارے دن تم یہی انتظار کرنا، او کے اب اگلے سال ملیں گے، خدا حافظ۔'' وہ سنجیدہ چہرہ لئے تیزی سے اٹھا تھا اور پیچھے مڑ گیا مگر تبھی مناہل نے تیزی سے ہوش میں آتے ہوئے بہت سرعت سے اس کا بازو پکڑا تھا، وہ رکنا نہیں چاہتا تھا مگر اندر موجود محبت نے اسے اتنا سنگ دل بننے نہ دیا، وہ رک ہی گیا اور مناہل نے ایک ہاتھ سے اپنا کان پکڑ لیا، ساتھ اس کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں، سمیر کا دل ڈوب سا گیا۔

''م ...... میں بہت شرمندہ ہوں، بہت نادم۔'' وہ رو ہی تو دیتی جو اگر وہ پورے کا پورا نہ اس کی طرف مڑ جاتا۔

''احمق لڑکیوں کی طرح احمقانہ سوچ رہی تھی، ابھی جو تم نے کہا، اس طرف تو میرا دھیان ہی نہ گیا، میں فضول میں اتنا جذباتی ہو گئی۔'' اور اب کے بار وہ رو ہی تو دی۔

''ارے پاگل۔'' سمیر نے فوراً اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما۔

''ہو جاتا ہے نادانی میں کبھی کبھار ایسا لیکن یار یہ یاد رکھنا تمہارا سمیر صرف تمہارا ہے، اس کی محبت خاص دنوں کی محتاج نہیں، محبت تو محبت ہوتی ہے جب چاہو اس کو محسوس کرو، جب چاہو اس کا اظہار کرو، یہ تو رواں رہنے والی چیز ہے، صرف ایک دن میں سمٹنے والی نہیں۔''

اور وہ اس کی آنکھوں میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھتی چلی گئی۔

☆☆☆

رشتے محبتوں کے

زرقا سکندر

کوئی چوتھی بار آکر ثنا نے کھڑکی میں سے جھانکا تھا، اس مرتبہ بھی باہر کا منظر ویسا ہی نظر آیا جیسا پہلے تھا، ہاں البتہ سامنے کے دو گھر چھوڑ کر تیسرے گھر کے آگے رش لگا دیکھ کر اسے کچھ تجسس ہوا۔

''یا اللہ اب ادھر کیا ہو رہا ہے دیکھوں تو۔''
اور کرسی گھسیٹ کر دیکھنے کو کھڑی ہو گئی، درمیان میں ڈھیروں ساگ پھیلائے وہ سب اردگرد گھیرا ڈالے بیٹھی تھیں کچھ گٹھے بنا کر رکھتیں اور دوسری انہیں کاٹتی جا رہی تھیں، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق کرتیں اور خوش گپیوں میں مصروف یہ عورتیں اسے ذرا بھی اچھی نہ لگیں، دیکھتے ہی دیکھتے چند منٹوں میں ساگ کاٹا جا چکا تھا، وہ تو نجانے اور کتنی دیر ان کی بے فکری اور فارغ البالی پہ کڑھتی رہتی اگر اس کا چھ ماہ کا چھوٹا بیٹا اذان اٹھ کے رونے نہیں لگ جاتا۔

ثنا کا میکہ اور سسرال دوسرے شہر میں تھے اور وہ خود بھی وہاں اپنے سسرال میں ہی رہ رہی تھی، سرمد کی جاب چونکہ ادھر تھی، اپنے ایک دوست کے ساتھ روم شیئر کر کے رہتا تھا، ہر ویک اینڈ پہ گھر چلا جاتا، ابھی ایک ماہ پہلے ہی اس محلے میں گھر کرایے پر لے کے ثنا اور بچوں کو بھی یہیں لے آیا، اذان سے بڑے تین سالہ عامن کو بھی ادھر آکر ہی سکول داخل کروایا گیا تھا۔

گرچہ ابھی ان کی محلے میں کسی سے جان پہچان تو نہ تھی، پھر بھی چند دنوں میں ثنا یہاں کی عورتوں اور بچوں سے اچھی خاصی بیزار ہو چکی تھی۔

وجہ ہی کچھ ایسی تھی، عورتیں دن چڑھے جو دھوپ سینکنے کو گھروں سے باہر بیٹھتیں تو ساری دوپہر ادھر ہی گزار دیتیں۔

آپس میں خوش گپیاں لڑاتے سلائی سے لے کر سبزی کاٹنے اور مصالحہ پیسنے تک ان کے سارے کام باہر ہی انجام پاتے تھے، جیسے ہی بچوں کے گھر آنے کا ٹائم ہوتا اندر چلی جاتیں اور پھر بچے سکول سے آکر کھیلنے لگ جاتے یوں شام تک یہاں خوب شور و ہنگامہ رہتا جس سے ثنا کو خوب کوفت ہوتی تھی۔



ایک دن ثنا دوپہر میں بچوں کو سلانے جو لیٹی تو ساتھ میں خود کو بھی آنکھ لگ گئی، ابھی بمشکل چند منٹ ہی سو پائی ہو گی کہ ایک دم سے بجنے والی ڈور بیل سے اٹھ بیٹھی ایک کے بعد دوسری پھر تو جیسے کوئی بیل پر ہاتھ رکھ کے اٹھانا ہی بھول گیا۔

''خدایا خیر ہو لگتا ہے کوئی آفت آ گئی ہے۔''
تقریباً بھاگتے ہوئے جا کر اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک سے بڑھ کر ایک مسکین صورت بنائے محلے کے کتنے ہی بچے کھڑے تھے، اسے دیکھتے ہی سب نے کورس میں سلام کیا۔

''کیا مسئلہ ہے تم سب کو اور کیوں اتنی بیل دیے جا رہے ہو۔''
بچوں کی اس حرکت پہ اسے بے پناہ غصہ آ رہا تھا، پھر سلام کا جواب کہاں دینا تھا بلکہ اکھڑ لہجے میں ان سے مخاطب ہوئی۔



''آنٹی ہماری بال آپ کی چھت پہ گئی ہے وہ دے دیں پلیز۔'' تیرہ چودہ سال کا ایک بچہ آگے بڑھ کر انتہائی ادب سے بولا تو وہ مزید تپ گئی۔

''کیا کہا بال دے دوں؟ میں تمہاری پٹائی نہ کروں ایک تو دوسروں کو تنگ کرتے ہو اور پرے کس ڈھٹائی سے بال مانگنے آئے ہو ادھر کوئی بال نہیں ہے، جاؤ اپنے گھر کے آگے کھیلو اور خبردار آئندہ جو کسی نے بیل کی۔'' بچوں کو بہت ساری جھاڑ پلا کر اس نے ٹھک سے دروازہ بند کر لیا۔

"سوری آنٹی پھر کبھی آپ کو تنگ نہیں کریں گے پلیز ابھی ہماری بال واپس کر دیں۔" بچے پیچھے سے منتیں کرتے اور معافیاں مانگتے ہی رہ گئے مگر وہ بھی کہاں سننے والی تھی، الٹا غصے میں انگارہ بنی اندر آ گئی، یہ تو شکر ہے کہ عامن اور اذان ابھی تک گہری نیند سو رہے تھے اور بیل کے شور سے نہیں اٹھے، ورنہ جب کبھی بھی عامن بچی نیند سے جاگ جاتا تو کتنی دیر اس کی ریں ریں بند نہ ہوتی کہ ثناء کے لئے اسے چپ کروانا مشکل ہو جاتا۔

کہیں شام تک جا کے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو پایا وہ بھی سرمد کے آفس لیں آنے کا ٹائم ہو چلا تھا، لہٰذا اپنا موڈ ٹھیک کرنا پڑا۔

"یار کیا ہی مودب اور اچھے بچے ہیں اس محلے کے مجھے دیکھ کر فوراً سلام کرتے ہیں بہت احترام سے پیش آتے ہیں، سچ میں تو حیران ہوتا ہوں کہ آج کل کے زمانے میں جب بچے موبائل اور انٹرنیٹ کے سوا کسی اور سے واسطہ ہی نہیں رکھنا چاہیے، یہ سب اس قدر تہذیب یافتہ ہیں۔"

رات کا کھانا کھا کر بچوں سے کھیلتے ہوئے سرمد خوش دلی سے اسے بتا رہا تھا کہ برتن سمیٹ کر کچن میں جاتی ہوئی ثنا کو تو جیسے وہیں بریک لگ گئے۔

"چھوڑیں سرمد آپ بھی نہ کن بچوں سے متاثر ہو رہے، ہیں جو سکول سے آ کے سارا وقت گلیاں ناپتے پھرتے ہیں، ہمارے دروازے کے آگے وہ اودھم مچا ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ نہ ان کی ماؤں نے منع کرنا ہے خود گھروں میں آرام کرتی ہیں اور انہیں نکال باہر دیتی ہیں، چاہیے یہ دوسروں کا جینا حرام کیے رکھیں ان کے بلا سے۔"

بچوں کی تعریف کر کے سرمد نے گویا اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا، تب ہی اس نے دل کی بھڑاس نکالنے میں ذرا بھی دیر نہ کی۔

"خیریت کوئی بات ہوئی ہے کیا جو اتنا غصہ کر رہی ہو؟" ثناء کے چہرے پہ پھیلتی ناگواری کو دیکھتے ہوئے سرمد بھی پوچھے بنا رہ نہ سکا، تو اسے دوپہر والا واقعہ بتانا پڑا۔

"ثنا تم بھی نہ کبھی کبھی حد کر دیتی ہو، کچھ بھی ہو وہ بچے ہیں تمہارا ان سے کیا مقابلہ اور دے دینا تھی ان کو گیند جب ڈانٹ بھی لیا تھا۔" اس کی پوری بات سن کر سرمد نے اپنی جو رائے دی تو وہ مزید بھڑکی۔

"ہاں مجھے تو جیسے اور کوئی کام نہیں ہوتا میں بھلا ان کی ماؤں کی طرح فارغ تھوڑی ہوں اور کیوں واپس کرتی ایسے بدتمیز بچوں کو بال جو ہمیں چین نہیں لینے دیتے۔"

"دیکھو بچوں نے تو کھیلنا ہی ہے اور تم دیکھ لینا کل کلاں کو ہمارے عامن اور اذان نے بھی یہی کچھ کر رہا ہونا ہے پھر کیا کرو گی۔" سرمد کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ وہ تو جیسے سپرنگ کی طرح اچھل پڑی اور بولتی چلی گئی۔

"ہائے یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ اللہ نہ کرے جو میرے بچے ان آوارہ بچوں کی طرح ہوں میں تو کبھی بھی انہیں یوں نہیں کھیلنے دوں اور وہ بھی ایسے گندے ماحول میں بھیج کر میں نے انہیں خراب کروانا ہے، ذرا سوچ سمجھ کے بات کیا کریں۔" اس کے غصے کو بڑھتا دیکھ کر سرمد نے خاموشی میں ہی عافیت جانی اور ریموٹ پکڑ کر چینل گھمانے لگا۔

☆☆☆

"امی کیا بتاؤں آپ کو، سرمد نے کیسے عجیب محلے میں گھر لے لیا ہے کہ جہاں کی عورتیں اور بچے گھر میں کم اور باہر رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔" وہ پچھلے بیس منٹ سے مسلسل امی سے

[illegible] کر رہی تھی اور موضوع گفتگو محلے کی عورتیں اور بچے ہی تھے۔

"کس کے گھر کون آیا ہے کون گیا ان سے کچھ بھی چھپا نہیں۔" اپنی دوربین نگاہوں سے یہ ہاتھ میں پکڑے لفافے کے اندر بڑی چیز تک کو بھانپ لیتی ہیں کہ آج ہم کیا پکائیں کھائیں گے بس یوں سمجھیں ان ماؤں اور بچوں نے تماشا ہی لگایا ہوتا ہے۔

جواباً امی بار بار اسے محلے میں کسی سے کوئی بھی رابطہ نہ رکھنے کی تاکید کر رہی تھیں۔

"چھوڑو بیٹا تمہیں کیا لینا دینا ان جاہل ان پڑھ عورتوں، تم بس اپنے گھر اور بچوں پر توجہ دو، کوئی ضرورت نہیں کسی سے میل جول بنانے کی بس باہر تک ہی سلام دعا رکھو۔"

"امی توبہ کریں مجھے کوئی شوق نہیں ایسی عورتوں سے ملنے کا، اللہ کا شکر ہے میں اپنے گھر میں خوش ہوں اور مصروف بھی، یہ سب اس لئے بتا رہی تھی کہ کبھی کبھار باہر نکلنا پڑھ ہی جاتا ہے، مگر نہ جی کیا مجال جو کوئی ان سے بچ کر گزر جائے، ایسے منہ دیکھیں گی کہ اگلا بندہ شرمندہ ہی ہو جائے، میں تو سلام کر کے آگے چل پڑتی ہوں جواب کا بھی انتظار نہیں کرتی۔" کتنے دنوں کا غبار جمع تھا جو اس نے امی کو سنا سنا کر نکالا تھا، تب ہی فون بند کرتے ہوئے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

آج ثنا کی دوست فائزہ آئی ہوئی تھی، دونوں سہیلیاں اتنی مدت بعد ملی تھیں، چند گھنٹوں میں ہی انہوں نے سکول سے لے کر کالج تک کے قصے پھر شادی اور بچوں تک کی تمام باتیں کرنی تھیں، ثنا نے اس کی تواضع کے لئے کتنے ہی لوازمات بنا رکھے تھے۔

"سچ ثنا بہت اچھا لگا تم سے مل کر وعدہ کرو تم بھی جلد میرے گھر آؤ گی۔" رخصت ہوتے وقت وہ اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے رہی تھی، ثنا ایک بات کہوں، وہ جاتے جاتے کچھ یاد آنے پر مڑی اور کہنے لگی۔

"یار ثنا یہ تمہارے محلے کا ماحول کچھ عجیب سا نہیں؟ ایسے لگتا ہے کافی بیک ورڈ لوگ یہاں رہتے ہیں۔"

"کیوں کیا ہوا؟ ویسے بھی میں کون سا باہر نکلتی ہوں اس لئے کیا پتہ یہاں کیسے لوگ رہتے ہیں۔" ثنا جان بوجھ کر انجان بن کے جواب دیا، تو فائزہ بتانے لگی۔

"گاڑی سے نکل کر تمہارے گھر آنے تک راستے میں جگہ جگہ دروازوں کے باہر عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، خدا کی قسم مجھے تو لگا کہ ابھی گر جاؤں گی جس طرح وہ دیکھ رہی تھیں، میں نے ایک جگہ رک کر تمہارا ایڈریس کنفرم کرنا چاہا تو دو عورتیں اٹھ کر فوراً میرے پاس آ گئیں اور لگیں پوچھنے باجی آپ نے کس کے گھر جانا ہے، یار ثنا کتنا مشکل لگتا ہو گا نہ ان جاہل لوگوں میں رہنا۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں، ابھی تو میرا بالکل واسطہ نہیں پڑا ان عورتوں سے۔" فائزہ کی بات سن کر ثنا اچھی خاصی ندامت محسوس کر رہی تھی۔

"سرمد کہہ تو رہے ہیں کہ جلد ہی کسی اچھی سوسائٹی میں گھر لے لیں گے، ابھی تو ادھر شفٹ ہوئے ہیں، انشاء اللہ آگے کا سوچیں گے۔" ثنا نے خود سے بات بنائی ویسے بھی کچھ اپنا بھرم بھی تو رکھنا تھا۔

"ثنا میں تو کہتی ہوں آپ لوگ ادھر ہماری سوسائٹی میں آ جاؤ، کیا صاف ستھری سوسائٹی ہے ہماری، اتنا اچھا ماحول ہے کہ دل خوش ہو جائے، سب اپنے آپ میں مگن کوئی کسی کو نہیں دیکھتا، تم

یہاں سے دیکھو کہ ابھی پچھلے ہفتے ہمارے ساتھ والے گھر میں فوتگی ہوگئی اور ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا، وہ تو جب جنازہ نکلا تب پتہ چلا۔" فائزہ ایک ایک کرکے اسے اپنی سوسائٹی کی خوبیاں گنواتی رہی۔

"ثنا پلیز تم کس طرح سرمد بھائی کو منالو بس کسی بھی طرح اور ہماری سوسائٹی میں آجاؤ سچ کتنا مزہ آئے گا جب ہم دونوں فرینڈز ایک ہی سوسائٹی میں رہیں گی۔" وہ تو ثنا کو پکا کرکے چلتی بنی تھی اور کتنے ہی دن اس کی خوب صورت سوسائٹی کے تصور میں کھوئی ثنا اس کی قسمت پر رشک کرتی رہی۔

☆☆☆

چھٹی کا دن اس محلے میں خوب ہنگامہ لے کر اترا تھا۔

"لگتا ہے آج ان منحوسوں نے اردگرد کے محلے والوں کو دعوت عام دے رکھی ہے تب ہی تو اتنا شور مچا ہوا ہے۔" کچن میں ناشتہ بناتی ثنا بڑبڑائی، سرمد دیر تک سو کر ابھی اٹھا تھا، اسے ناشتہ دینے کے بعد وہ اپنے کھلونوں میں مصروف عامن کو کھلانے بیٹھ گئی، جبکہ اذان واکر میں بیٹھا تھا باہر جونہی بچوں کا شور اٹھتا وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگتا اپنا ناشتہ ختم کرکے سرمد اب بیٹے کی طرف متوجہ تھا۔

"دیکھو تو ثنا اذان بچوں کی آوازیں سن کر کتنا خوش ہو رہا ہے۔" وہ اسے واکر سے نکال کر پیار کرتے ہوئے ثنا کو بتانے لگا۔

"بیٹے سے زیادہ تو مجھے آپ خوش لگ رہے ہیں، پتہ نہیں آپ کو کیوں اچھا لگتا ہے یہ چڑیا گھر، میرے تو دماغ میں گھس کے بیٹھ گیا ہے ان کا شور، ہاں ویسے بھی کون سا پورا ہفتہ آپ گھر ہوتے ہیں، بھگتنا تو میں نے ہوتا ہے ان کو بھی اور ان کی ماؤں کو بھی۔" ثنا تو پہلے سے ہی بھری بیٹھی ہوئی تھی، سرمد کی بات پر اس نے ہاتھ آیا موقع جانے نہ دیا۔

"بچوں کے شور کی تو سمجھ آتی ہے لیکن ان کی مائیں تمہیں کیا کہتی ہیں جو دل میں اتنا بیر پال لیا ہے، میں تو جب بھی ان بڑی بوڑھیوں کو سلام کرکے گزرتا ہوں جواب میں اتنی دعائیں دیتیں ہیں کہ کیا بتاؤں، ہماری ماؤں کے برابر ہیں تمہیں کم از کم سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے ثنا۔" کانوں میں کڑواہٹ گھولتی اس کی باتوں پر سرمد سچ میں خفا ہو رہا تھا۔

"میں تو جس دن سے آئی ہوں میرا جینا حرام ہو چکا ہے ان سب سے، سرمد کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم اس بیک ورڈ محلے کو چھوڑ کر کسی اچھی سوسائٹی میں چلے جائیں، اپنے بچوں کو بھی تو اچھا ماحول دینا ہے ہمیں۔" موقع اچھا تھا، ثنا نے دل کی بات زبان پر لانے میں ذرا بھی دیر نہ کی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔" سرمد گھبرایا۔

"ابھی ہم نے شفٹنگ کی ہے، ایک سال کا ایگریمنٹ اوپر سے اچھا خاصا ایڈوانس دے چکا ہوں مالک مکان کو اور تم یہاں سے جانے کی بات بھی کرنے لگی ہو۔" بے بسی اور پریشانی دونوں ہی اس کے لہجے میں نمایاں تھیں۔

"پھر میرا گزارا بہت مشکل ہے اس محلے میں، آپ مجھے واپس امی کے پاس بھجوا دیں کم از کم وہاں سکون تو ہے اور ایسا ماحول بھی نہیں آپ رہیں اپنے پسندیدہ محلے میں۔" فیصلہ کن انداز میں بولتی ہوئی ثنا اندر چلی گئی۔

اس کی تلخ باتوں نے سرمد کے اچھے خاصے موڈ کا بھی ستیاناس کر دیا تھا اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے باہر نکل گیا۔

"سرمد بھائی آجائیں کرکٹ کھیلتے ہیں۔"

بچے اسے دیکھتے ہی پاس آ گئے، پہلے تو وہ انکار کرتا رہا لیکن ان کے بے حد اصرار پر اسے ہار ماننا پڑی اور وہ بھی کھیلنے لگ گیا، ثنا کسی کام سے ڈرائنگ روم میں آئی تو سامنے کھڑکی سے باہر سرمد کو بھاگ بھاگ کر رنز لیتے دیکھ کر سر پیٹ کے رہ گئی۔

"ایک ان کی کسر رہ گئی تھی کھیلنے کی سو وہ بھی آج پوری ہو گئی۔" کافی دیر تک کھیلنے کے بعد جب وہ گھر آیا تو اس کا موڈ فریش ہو چکا تھا۔

"سچ مزہ آ گیا آج اتنے برسوں بعد کرکٹ کھیل کے، ورنہ گھر سے آفس اور آفس سے گھر کے چکر میں بندے کو اور کچھ سوجھتا ہی نہیں، اپنے جسم کا بیڑہ غرق علیحدہ کر لیتا ہے۔" کچھ گھنٹے پہلے ہونے والی ناراضگی کو بھلا کر وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، اسے دیکھ کر ثنا کو بھی اپنے آپ کو نارمل ظاہر کرنا پڑا۔

☆☆☆

اب تو سرمد نے ہر اتوار کو معمول بنا لیا تھا وہ بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنا نہ بھولتا اور اگر کسی وجہ سے نہ جایا جاتا تو بچے بلانے آ جاتے، ثنا اکثر ہی چڑ جاتی اور گاہے بگاہے اسے اپنا احتجاج ریکارڈ کروانا نہ بھولتی لیکن وہ ہر بار سنی ان سنی کر دیتا۔

اس روز سرمد کو آفس کے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا تھا، وہ تو صبح سویرے نکل گیا، اذان کو کل شام سے ہی بخار تھا، گو ڈاکٹر کی دوائی سے بخار تو اتر گیا لیکن وہ کافی چڑچڑا اور بے چین ہو چکا تھا، بار بار رونے لگ جاتا، ثنا اسے اٹھائے پھر رہی تھی، گھر کا کام کاج بھی نہ کر سکی، کہیں دوپہر میں جا کے سویا تھا۔

عامن سکول سے گھر آیا تو ثنا نے حسب معمول کھانا وغیرہ کھلا کر اسے بھی سلانا چاہا، بچے کو سلاتے سلاتے دن بھر کی تھکی وہ خود بھی سو گئی، اتفاقاً آج عامن کا سونے پہ دل نہیں تھا، ماں کو سوتے دیکھ کر چپکے سے بیڈ سے نیچے اترا اور کمرے سے باہر نکل گیا، کچھ دیر تو لاؤنج میں پڑی اپنی کھلونا کاروں سے کھیلتا رہا، اب اس کا رخ کچن کی طرف تھا، چولہے کے پاس رکھی ماچس کی ڈبیا دیکھ کر تو وہ کھل اٹھا، جسے ثنا آج کیبنٹ میں رکھنا بھول گئی تھی۔

ماچس پکڑے وہ ساتھ والے کمرے میں گھس گیا اور پردے کے پیچھے چھپ کے بیٹھ کر لگا جلانے ایک ایک کرکے ساری تیلیاں ہونا کیا تھا ایک تیلی پردے پر جا گری، جیسے ہی اس نے آگ پکڑی وہ خوفزدہ ہو کر باہر کو بھاگا، ماں کی ڈانٹ کے خوف سے چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔

"آؤٹ۔" عین اسی وقت باہر گلی میں شور اٹھا تھا۔

فیضان کی گیند پر حارث نے چھکا مارنے کی کوشش میں جو زوردار ہٹ ماری تھی تو گیند سیدھا جا ثنا کی چھت پہ گری تھی، اب کھیل کے رول کے مطابق نہ صرف وہ آؤٹ ہو چکا تھا بلکہ اسے چھت پہ جا کے گیند بھی لانا تھی، ویسے بھی تو ثنا نے انہیں گیند دینا نہیں تھی اس لئے بچوں نے یہ رول بنا رکھا تھا۔

"چلو حارث یار جلدی کرو بال لاؤ جا کر، ہمیں گیم ختم کرنی ہے ویسے بھی اکیڈمی کا ٹائم ہونے والا ہے۔" عمر کہہ رہا تھا۔

حارث کسی طرح کھڑکیوں سے لٹکتا اور گرلوں کو پکڑتا چھت پہ جا پہنچا، جوں ہی وہ گیند اٹھانے کو جھکا نیچے سے اسے کچھ جلنے کی بو آئی، وہ تھوڑا آگے ہو کر دیکھنے لگا نیچے گلی کے ساتھ کمرے کی کھڑکی سے دھواں باہر کو آ رہا تھا، وہ گھبرا کے بچوں کی طرف آیا جو باہر گلی میں کھڑے

اس کا انتظار کر رہے تھے۔
"عمر، فراز، حسن لگتا ہے سرمد بھائی کے گھر آگ لگی ہوئی ہے کھڑکی سے دھواں نکل رہا ہے پتہ نہیں آنٹی کدھر ہیں، تم سب جاؤ اپنے گھروں سے پانی لاؤ اور عمر تم جلدی سے بیل کر کے آنٹی کو بتاؤ میں نیچے آتا ہوں۔" حارث کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ گلی میں ایک دم سے سناٹا چھا گیا بچے گھروں کو دوڑے۔

پانی سے بھرا ڈول پکڑے اندر کو بھاگتے ہوئے ایک بچہ اسے بتانے کو رکا تھا۔
"آگ میرے گھر لیکن کیسے؟" ایک لمحے کو وہ اپنی جگہ سن ہو گئی مگر اگلے پل ہی اس نے اندر دوڑ لگا دی، سامنے ایک بچہ اذان کو اٹھائے اس کی طرف ہی آرہا تھا۔
"عامن کہاں ہے میرا بیٹا۔" وہ ایک بار پھر چلائی اور آگے والے کمرے کی طرف بھاگی۔
"آنٹی اندر تو کوئی نہیں ہے ہم نے چیک کر لیا ہے۔" بچے کہہ رہے تھے۔
"تو پھر کدھر چلا گیا؟" اذان کو اٹھائے وہ دیوانہ وار پورے گھر میں عامن کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی، بچے کیسے آگ بجھا رہے تھے کیا کر رہے تھے اسے کچھ ہوش نہ تھا بس دیوانہ وار عامن کو پکارے جا رہی تھی۔
"آنٹی یہ رہا عامن ڈرائنگ روم کے پردے کے پیچھے چھپ کر بیٹھا تھا۔" حارث نے اسے اٹھا کر لا کر ثنا کے آگے کھڑا کر دیا، بیٹے کو اپنے سامنے صحیح سلامت دیکھ کر ثنا کی چیخیں نکل گئیں اب وہ دونوں بچوں کو ساتھ لگائے بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔

ادھر بچوں نے بروقت کوشش کر کے آگ پر مکمل قابو پا لیا تھا، جلتے ہوئے پردے نے آگے پڑے لکڑی کے صوفے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، ساتھ میں قالین کا بھی کچھ حصہ جل گیا تھا، آگ بجھانے کی کوشش میں دو بچوں نے اپنے ہاتھ بھی جلا لئے۔

بچے تو آگ بجھا کر واپس چلے گئے لیکن ان کی مائیں باری باری ثنا کو حوصلہ دینے آتی رہیں۔
"اللہ کا شکر ادا کرو بیٹا جس نے بڑے نقصان سے بچا لیا ہے، بالکل بھی پریشان مت ہو، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔" یہ ساتھ والی ہمسائی آنٹی تھیں جو اس کے سر پر ہاتھ رکھے شفقت سے کہہ رہی تھیں۔

سرمد رات کو دیر سے گھر پہنچا، گھر کی حالت اور بیوی کے چہرے پہ اڑتی ہوائیاں کچھ اور ہی کہانی سنا رہے تھے، ثنا نے جس طرح روتے ہوئے سارا قصہ سنایا وہ خود بھی رنجیدہ ہو گیا، سوئے ہوئے عامن اور اذان کو پیار کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے، بار بار اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

اگلے دن آفس گیا تو ضرور لیکن جلدی گھر آ گیا۔
"ثنا میں تم سے بہت شرمندہ ہوں، کبھی تمہاری بات نہیں مانی تم نے جب بھی یہاں سے جانے کی بات کی میں الٹا تمہیں ڈانٹ دیتا تھا، کل اگر تم لوگوں کو کچھ ہو جاتا تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر پاتا۔" یہ اعتراف کرتے ہوئے وہ انتہائی آزردہ تھا۔
"نہیں سرمد ایسے مت کہیں، ایسا نقصان یا پریشانی کہیں بھی ہو سکتی ہے۔" ثنا کہہ رہی تھی۔
"میں ابھی پراپرٹی ڈیلر کے پاس سے ہو کر آرہا ہوں اسے کہا ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے مجھے کسی اچھی سوسائٹی میں گھر دکھا دے، اس گھر کے مالک مکان سے معاملات بعد میں نبٹا لوں گا، فی الحال جیسے ہی اچھا گھر ملتا ہے ہم شفٹ کر جائیں گے۔"

"نہیں سرمد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اب کہیں نہیں جائیں گے، آپ پلیز پراپرٹی ڈیلر کو منع کر دیں۔" سرمد نے چونک کر اسے دیکھا بات ہی ایسی انہونی تھی۔
"پلیز ایسے مت کہو ثنا میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ ابھی تک دکھی تھا۔
"سرمد الحمدللہ میں آپ کے ساتھ بہت خوش ہوں اگر سچ کہوں تو انسانیت پیار اور ہمدردی کا جو عملی مظاہرہ میں نے اس محلے والوں کو دیکھا ہے وہ دنیا کی کسی اچھی سے اچھی سوسائٹی میں بھی نہیں ملے گا، اگر بچے وقت پر نہ آتے تو شاید آج ہم تینوں آپ کے پاس نہ ہوتے، انہوں نے جس طرح بھاگ بھاگ کر آگ بجھائی، کچھ بچوں نے تو اپنے ہاتھ بھی جلا لئے، اپنی پرواہ نہیں کی، پھر ان کی ماؤں نے آ کر جس طرح میری دلجوئی کی۔" وہ بولتی چلی گئی۔
"شاید میں ہی ناسمجھ تھی جسے پتہ نہیں تھا کہ جگہ سے نہیں اچھے انسانوں سے سوسائٹی بنتی ہے، یہاں دکھ سکھ بانٹے جاتے ہیں کسی ایک گھر پہ مشکل آ جانے پر سب ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں نہ کہ دوسری سوسائٹیوں کی طرح تماش بین بن کر گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، ہاں سرمد مجھے یہیں رہنا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ان بچوں جیسا ہی بنانا ہے جو دوسروں کے کام آنے کو ہر دم تیار رہتے ہیں۔"

سرمد تو پہلے دن سے ہی ان محلے والوں کا قدردان تھا جب یہاں کے بچے بڑے سب مل کر اس کا سامان ٹرک سے نکال کر اندر رکھوا رہے تھے اسے اور کیا چاہیے تھا کہ ثنا نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا، دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔
"تو پھر چلیں۔" وہ اذان کو اٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔
"کہاں۔" ثنا حیران ہو کر پوچھنے لگی۔
"بھئی جن بچوں نے آگ بجھانے میں اپنے ہاتھ جلائے ہیں چل کے ان کا حال پوچھیں ساتھ ان کے ماں باپ کا بھی شکریہ ادا کر کے آتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے آپ چلیں میں بھی آ رہی ہوں۔" اور عامن کی انگلی پکڑ کر خوشی خوشی سرمد کے پیچھے چل دی۔

☆☆☆

"مبارک باد"

ہم سب کی پسندیدہ مصنفہ دُرِثمن بلال کو اللہ تعالیٰ نے "محمد احمد" کی صورت میں اپنی نعمت سے نوازا ہے، ادارہ حنا کی طرف سے دُرِثمن بلال اور ان کی فیملی کو دلی مبارک باد، اللہ تعالیٰ "محمد احمد" کو لمبی اور خیر و عافیت والی زندگی عطا کرے آمین۔



تحریم محمود

''القرآن''

قرآن کریم کا ایک نام ''الذکر'' بھی ہے۔ یہ نام اکیس آیات میں ذکر ہوا ہے مثلاً ''ہم نے تیرے پاس ذکر اتارا ہے یعنی قرآن۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ کلام سننے اور پڑھنے سے صاحب کلام کے ساتھ دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور اس سے ملنے اور اسے دیکھنے کا شوق بڑھ جاتا ہے اور صاحب کلام جب دیکھتا ہے کہ فلاں شخص میرا کلام پڑھ رہا ہے یا سن رہا ہے تو وہ اس سے بہت زیادہ خوش ہو جاتا ہے اور وہ اسے اپنا دوست اور محبوب بنالیتا ہے۔

قرآن کریم کسی بشر کا کلام نہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کسی اور ذکر سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا تلاوت قرآن کریم سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں آیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن پڑھنے پڑھانے، میرا ذکر کرنے اور مجھ سے سوال ودعا کرنے نے مشغول کر لیا ہو تو اسے اس سے زیادہ دوں گا، جو مانگنے والے کو دیتا ہوں اور اللہ کے کلام کی عظمت باقی کلاموں سے اتنی زیادہ ہے، جتنی اللہ کی عظمت اس کی مخلوق پر ہے۔

سعدیہ علی، لاہور

''احادیث مبارکہ''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ۔

''میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری امتیں اس پر ٹوٹ پڑیں گی کہ جس طرح کھانے والے لوگ دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔''

کسی کہنے والے نے کہا کہ ''جس زمانہ کا آپ حال بیان فرما رہے ہیں اس زمانہ میں کیا ہم مسلمان اتنی کم تعداد میں ہوں گے کہ ہم کو نگل لینے کے لئے قومیں متحدہ ہو کر ٹوٹ پڑیں گی؟''

آپ نے فرمایا ''نہیں، اس زمانہ میں تمہاری تعداد کم نہ ہوگی بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہوں گے لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمنوں کے سینہ سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں پست ہمتی گھر کر لے گی۔''

''ایک آدمی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ! یہ پست ہمتی کس وجہ سے آئے گی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ'' اس وجہ سے یہ ہوگی کہ تم (آخرت سے محبت کرنے کے بجائے) دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور (خدا کی راہ میں جان دینے کی آرزو کے بجائے) موت سے بھاگنے اور نفرت کرنے لگو گے۔'' (ابوداؤد، ثوبان)

غزل احمد، شیخوپورہ

اللہ کا فضل

ایک سخی عورت اُم جعفر جس راستے سے گزرتی تھیں اس پر بیٹھے ہوئے دو اندھے فقیر صدا لگایا کرتے تھے۔ ایک کی صدا تھی۔

''الٰہی! مجھے اپنے فضل و کرم سے روزی عنایت کر۔'' دوسرا کہتا۔

''الٰہی! جعفر کا بچا ہوا مجھے بھی ملے۔''

اُم جعفر اللہ کا فضل طلب کرنے والے کو درہم اور اپنا نام لینے والے کو ایک بھنی ہوئی مرغی میں دس دینار رکھ کر دیا کرتی تھی۔

پہلا اندھا اپنی مرغی دو درہم میں دوسرے اندھے کے ہاتھ بیچ دیا کرتا تھا۔ اس روز اُم جعفر نے اپنا نام لینے والے اندھے سے کہا۔

''کیا تجھ کو ہمارا فضل یعنی سو دینار نہیں ملے؟'' اندھے نے کہا۔

''مجھے تو ایک مرغی ملا کرتی تھی جسے میں اپنے دوست کے ہاتھ دو درہم میں بیچ دیا کرتا تھا۔''

اُم جعفر نے کہا۔

''اللہ کا فضل طلب کرنے والے کامیاب ہیں اور آدمیوں کے فضل کا طلب گار محروم ہے۔''

فاطمہ محمود، سرگودھا

کام کی باتیں

۱۔ راستہ میں تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی نیکی ہے۔

۲۔ نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔

۳۔ زبان سے شکوہ شکایات روک لو تو خوشی کی زندگی میسر ہوگی۔

۴۔ موت سے محبت کرو تو زندگی عطا کی جائے گی۔

۵۔ لوگ اپنی ضروریات پر غور کرتے ہیں قابلیت پر نہیں۔

۶۔ تعلیم یافتہ شخص اور غیر تعلیم یافتہ شخص میں وہی فرق ہے جو زندہ اور مردہ میں۔

۷۔ زمین کے سفر میں اگر آسانی ہے تو وہ محبت ہے۔

۸۔ علم ڈگریوں یا نوکریوں کے لئے نہیں بلکہ ذہن کی اصلاح کے لئے حاصل کرو۔

۹۔ دو بھوکے کبھی سیر نہیں ہوتے علم کا بھوکا اور دولت کا بھوکا۔

۱۰۔ انسانوں سے محبت کرنا بھی دراصل خدا سے محبت کرنا ہے۔

۱۱۔ دوستی خوبصورت چہروں سے نہیں کرو کیونکہ یہ اکثر دل کے کالے ہوتے ہیں۔

۱۲۔ نیکی ایک ایسی شمع ہے جو دوست اور دشمن دونوں کے گھر میں اجالا کرتی ہے۔

۱۳۔ دوسروں کے سینے سے شر اس وقت دور کر کہ پہلے تو اپنے سینے کی صفائی کر۔

۱۴۔ ہمیشہ مسکراتے رہو زندگی خود بخود خوبصورت ہو جائے گی۔

۱۵۔ ہماری غلطیاں ہمیں وہ تعلیم دیتی ہیں جو کسی کتب میں نہیں ملتی۔

۱۶۔ زمین کی لغزش قدموں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔

۱۷۔ شارٹ کٹ راستہ کبھی کبھار بہت طویل ہو جاتا ہے۔

۱۸۔ دریا کے پانی اور آنکھ کے پانی میں صرف فرق جذبات کا ہے۔

۱۹۔ دوست کو نصیحت اکیلے میں کرو تعریف سب کے سامنے کرو۔

۲۰۔ دوست کو اتنا مت آزماؤ کہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈال دے۔

فوزیہ خضر، مظفر آباد

☆☆☆



تسنیم طاہر

ملتان ---- رابعہ بٹ

کیسے فرار حاصل کروں میں تیری یادوں سے
اس شہر کے ہر فرد کی زباں پہ ہے ذکر تیرا

....

پھر وہی زخم ابھر آئے جو بھر چلے تھے
آج پوشیدہ سے کچھ خط کتابوں میں ملے تھے

....

وہ کہہ رہا تھا میں لوٹ آؤں گا ایک دن انتظار کرنا
وہ ہجر تھل میں رفاقتوں کے سراب دے کر چلا گیا

ربوہ ---- امان اللہ انجم

تمہارے ہجر میں یہ حال ہو گیا ہے اپنا
کسی کا خط ہو اسے بھی سنبھال رکھتے ہیں
خوشی ملے تو تیرے بغیر خوش نہیں ہوتے
ہم اپنی آنکھ میں ہر دم ملال رکھتے ہیں

....

تیرا خیال ، تیری طلب ، تیری آرزو
اک بھیڑ سی لگی ہے میرے دل کے شہر میں
دنیا کی نعمتیں تو یہاں دستیاب ہیں
تیری ہی اک کمی ہے میرے دل کے شہر میں

لاہور ---- فریدہ فری

کبھی یوں بھی آ میری آنکھ میں کہ میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو
میرے بازوؤں میں تھکی تھکی ابھی خواب سی ہے چاندنی
نہ اٹھے ستاروں کی پالکی ابھی بے چراغ یہ گھر نہ ہو

خانیوال ---- نوید ساغر

کر لیتے ہیں دل اپنا تصور سے ہی روشن
ہم مانگے کے چراغوں سے اجالا نہیں کرتے

درد الفت نے کھول دیئے سعید سب راز ورنہ
زبان کو تالا تو میں نے بھی لگا رکھا تھا

....

مہکتی پلکوں کی اوٹ میں کوئی تارا چمکا تھا رات میں
میری بند مٹھی نہ کھولئے وہی کوہ نور ہے ہاتھ میں
میں تمام تارے اٹھا اٹھا کر غریبوں میں بانٹ دوں
کبھی ایک رات وہ آسمان کا نظام دے میرے ہاتھ میں

شیخوپورہ ---- غزل احمد

جہاں بھی ہو چلے آؤ تمہیں یادیں بلاتی ہیں
تمہارے ساتھ گزری تھیں جو شامیں بلاتی ہیں
یہ نہ سمجھو تمہارے بن کسی کا دل نہیں روتا
کسی کی آج بھی تم کو اداس آنکھیں بلاتی ہیں

....

وقفے ، وقفے سے ستاتا رہا تیرا پیکر
مجھ کو اک بات بتانے میں بڑی دیر لگی
یوں تو جیون میں تغیر کوئی ایسا بھی نہ تھا
پھر بھی معمول پہ آنے میں بڑی دیر لگی

....

بے کار خیالوں سے لپٹ کر نہیں دیکھا
کچھ بھی ہوا ، ہم نے پلٹ کر نہیں دیکھا
اس ڈر سے کہ کٹ جائیں نہ بینائی کے رشتے
آنکھوں نے تیری راہوں سے ہٹ کر نہیں دیکھا

ساہیوال ---- آثمہ انور

یہ سوچ کر کہ وہ ہو گا کسی اور کے پہلو میں
گزار کے کبھی دیکھو ، ہزار سال کی رات

مظفر آباد ---- صائمہ خضر

اک شخص مجھ کو زخم جدائی دے گیا

جب دے نہ سکا پیار تو رسوائی دے گیا
جاتے وقت اپنی نشانی کے طور پر
مجھے کتنے خلوص سے تنہائی دے گیا

سیالکوٹ ---- صدف ہما

تم لمحوں کا حساب رکھتے ہو
زندگی کی کتاب رکھتے ہو
فرصت ملے تو لکھنا کبھی
کیا میرا دھیان رکھتے ہو

....

مشکل کہاں تھے ترک تعلق کے مرحلے
اے دل سوال مگر تیری زندگی کا تھا

لاہور ---- رابعہ خضر

پیار ہو جائے تو بھلایا نہیں کرتے
کسی کو اتنا ستایا نہیں کرتے
ہواؤں سے دوستی کر کے انجم
ریت کے گھر بنایا نہیں کرتے

....

میری نیند میں میرے سپنے اڑا کر چلا گیا
اک شخص مجھ کو چرا کر چلا گیا
محبت کا اظہار اس نے اس طرح کیا
پھول میری کتاب میں چھپا کر چلا گیا

لاہور ---- رمشا احمد

تیرا خیال تیری طلب، تیری آرزو
اک بھیڑ سی لگی ہے میرے دل کے شہر میں
دنیا کی نعمتیں تو یہاں دستیاب ہیں
تیری ہی اک کمی ہے میرے دل کے شہر میں

سیالکوٹ ---- فریدہ فیض

وہ بھرے شہر میں کسی سے بھی
میرے بارے میں پوچھتا نہیں
دل جو اک دوست تھا مگر وہ بھی
چپ کا پتھر ہے بولتا ہی نہیں

....

محبت کے ہر جذبے سے وہ انکار کرتا ہے
وہ خو نفرت ہے اور نفرت کا کاروبار کرتا ہے
اسے گر موت پیار ہے تو وہ مر کیوں نہیں جاتا
وہ سارے شہر کو جینے سے کیوں بیزار کرتا ہے

خانیوال ---- صدف ہما

کھلتے پھولوں کی ردا ہو جائے
اتنی حساس ہوا ہو جائے
مانگتے ہاتھ پہ کلیاں رکھ دے
اتنا مہرباں خدا ہو جائے

....

ارمان تڑپتے رہے ساحل کے آس پاس
شاید میرے یقیں کی کشتی الٹ گئی

....

ابھی آسماں کی چھت تلے
میرا آشیاں بھی اڑان بھی
تیری چشم خوش کی پناہ میں
میرے خواب بھی میرے مان بھی

کراچی ---- کرن شفیق

ہم سے تو بہت اور بھی مل جائیں گے تم کو
ہے بات بس اتنی سی کہ نایاب یہ دل ہے
اسے گنوا کے میں خود میں بچھڑ گیا طالب
وہ اک شخص تو ہر پل تھا آئینہ میرا

....

تھے کیسے کیسے لوگ جو مل کر بچھڑ گئے
یاد آئے آج آپ کی تصویر دیکھ کر
عشق بھی کرتے دنیا داری بھی کر لیتے
تیری طرح ہم یہ مکاری بھی کر لیتے

....

تجھ سے تو دل کے پاس ملاقات ہو گئی
میں خود کو ڈھونڈنے کے لئے دربدر گیا

☆☆☆



فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟
ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔
س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟
ج: ''ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی۔ دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات، پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا۔'' اب تم؟
س: ہر شوہر کو بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟
ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔
س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟
ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔
س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟
ج: لگیں تو کیا مطلب ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔
س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟
ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔
س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟
ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

راجہ عظمیٰ رزاق ---- سرگودھا

س: السلام وعلیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟
ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔
س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟
ج: محفل والوں سے۔
س: کبھی غصہ آیا؟
ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔
س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟
ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔
س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟
ج: برا مان جاؤ گی پڑھ کر۔
س: کیا دوستی پیار ہے؟
ج: نہیں۔
س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟
ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔
س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں۔ دعا کریں گے۔
ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتحن کے لئے۔

رضا فاطمہ ---- سادھوکی

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: اللہ کا شکر ہے۔
س: میرے بغیر کیسا رہا؟
ج: سچ سچ بتائیں۔ برا تو نہیں مانوں گی۔
س: عین غین جی تو مائنڈ بتائیں؟
ج: بہت سکون رہا۔
س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں؟

ج: دیکھ تو رہا ہوں۔ میں ناک پر رومال رکھ لوں۔

ملک فیصل اقبال ---- پاکپتن شریف

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہو گئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔
س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: کیا تمہیں نہیں معلوم؟
س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔
س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جا کر۔

ملک محمد ندیم ساجد ---- پاکپتن شریف

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آ رہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔
س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔
س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔

طیبہ روز ---- گکھڑ سٹی

س: آداب عین جی! تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی...... اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے ''گڈ بائے'' اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔
س: ''گھٹیا'' لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کر لو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا...... تم کو......؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆



بلقیس بھٹی

ہنسنا منع ہے

دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نے کہا
"اگر تم سامنے والی دکان سے کوئی چیز چرا کر لاؤ میں پانچ سو روپیہ تمہیں دوں گا۔"
وہ آدمی گیا اور فوراً گھی کا ڈبہ لے آیا۔
دوسرے نے کہا۔
"تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا میں پولیس والا ہوں۔"
دوسرے نے کہا۔
"کہ آپ کو زیادہ دکھ ہوگا میں اس دکان کا مالک ہوں۔"

صائمہ بٹ، ملتان

نہلے پہ دہلا

ایک آدمی بلی کو نہلا رہا تھا۔ دوسرا آدمی ادھر سے گزرا تو کہنے لگا۔
"اس کو نہلاؤ نہیں یہ مر جائے گی۔"
وہ کہنے لگا۔
"نہیں مرتی۔"
تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی دوبارہ گزرا تو دیکھا بلی مر گئی تھی۔ کہنے لگا۔
"کہ میں نے کہا تھا ناں یہ مر جائے گی۔"
وہ آدمی بولا نہلانے سے نہیں یہ نچوڑنے سے مری ہے۔"

سعیدہ ریاض، لیہ

گھر پر

ایک بھوکا لڑکا دروازے پر چلا رہا تھا کہ میں بھوکا ہوں۔ اللہ کے نام پر روٹی دے دو۔ تو اندر سے آواز آئی مالکن نہیں ہے یہ سن کر لڑکا چلایا میں روٹی مانگ رہا ہوں مالکن نہیں۔

محبِ وطن

ایک شخص کئی سالوں بعد وطن واپس آیا جہاز کی سیڑھیوں سے اترتے وقت وہ زمین پر سجدے کی حالت میں گر پڑا اور زمین چومنے لگا۔ سامنے کھڑے سپاہی نے اس کی حالت دیکھی تو دل میں سوچا کہ کتنا اچھا شخص ہے اس کو وطن کی مٹی سے کتنی محبت ہے کہ وطن پہنچتے ہی سب سے پہلے یہاں کی مٹی چوم رہا ہے۔ سپاہی آگے بڑھا اور گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔
"آپ بہت محب وطن ہیں میں آپ کی حب الوطنی کو سلام کرتا ہوں۔"
اس شخص نے غصے سے کہا۔
"تم پہلے یہ بتاؤ کہ سیڑھیوں پر کیلے کا چھلکا کس نے پھینکا تھا۔"

شازیہ محب، کراچی

بہار کے رنگ

ایک صاحب کی کسی دوسرے شہر میں شادی ہونے والی تھی کہ اتفاق سے وہ اسٹیشن پر سو گئے اور گاڑی چھوٹ گئی جب آنکھ کھلی تو بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ سیدھے گھر پہنچے اور اپنی ہونے والی بیوی کو فون پر کہا۔
"کہ جب تک میں نہ آؤں تم شادی مت

☆

ایک بہت موٹی عورت نے رکشے والے سے کہا۔
"مجھے اسٹیشن تک چھوڑ دو۔"
رکشے والا بولا۔
"چھوڑ تو دوں گا مگر دو چکر لگیں گے۔"

☆

ماسٹر صاحب نے ایک لڑکے سے کہا۔
"بتاؤ تمہاری مادری زبان کون سی ہے؟"
لڑکا معصومیت سے بولا۔
"جناب! میری ماں گونگی ہے۔"

رابعہ فیصل، اسلام آباد

بہانہ

کمپنی کے مالک ذیشان نے ایک دن اپنے ملازم ارسلان کو بلایا اور غصے میں کہا۔
"میں نے پچھلے تین سال میں خاص طور پر یہ بات نوٹ کی ہے کہ تم جب بھی اپنی بیوی کی بیماری کا کہہ کر کمپنی سے چھٹی لے کر جاتے ہو تو اس دن ضرور کوئی کرکٹ میچ ہوتا ہے۔"
ارسلان نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔
"آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میری بیوی بیماری کا بہانہ کرتی ہے۔"

سیر پہ سوا سیر

اسکاٹ لینڈ کے ایک باشندے کو اپنے بیٹے کی فضول خرچی سے بہت شکایت تھی آخر ایک روز اپنے بیٹے سے اس نے کہا۔
"اب آئندہ میں تمہیں ایک روپیہ نہیں دوں گا کیا سمجھے؟"
"مگر کیوں ڈیڈی؟" لڑکا حیرت سے چیخا۔
باپ نے خفگی سے کہا۔
"اس لئے کہ تم آج سے میرے لئے مر چکے ہو۔"
بیٹے نے سر جھکا کر کہا۔
"تو ڈیڈی کفن دفن کے لئے تو کچھ رقم دے دیں۔"

غزل احمد، شیخوپورہ

مددگار

ایک تاجر اپنی کار میں ایک گاؤں سے گزر رہا تھا اس نے راستے میں کسان کو روک کر پوچھا۔
"آپ کو معلوم ہے کہ چک نمبر ۴۴ کی طرف کون سا راستہ جاتا ہے؟"
کسان نے جواب دیا۔
"میں شرمندہ ہوں مجھے نہیں معلوم۔"
یہ جواب سن کر تاجر آگے بڑھ گیا جب وہ وہاں سے تھوڑی دور نکل آیا تو اسے پیچھے سے آوازیں دیں اس نے دیکھا کہ دو آدمی ہانپتے کانپتے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کی طرف بھاگے چلے آ رہے ہیں اور ان میں سے ایک وہی کسان تھا۔
"کیا بات ہے؟" تاجر نے کسان سے پوچھا۔
"یہ میرا دوست اللہ دتہ ہے۔" کسان نے جواب دیا۔
"میں نے اس سے پوچھا تھا لیکن اسے بھی چک نمبر ۴۴ کا راستہ معلوم نہیں۔"

طوبیٰ احسن، احمد پور شرقیہ

☆☆☆



صائمہ محمود

رابعہ ابرار: کی ڈائری سے ایک نظم

"بددعا"

بہت عرصے سے سنسان ہے اب تو
روشن تھا جو رستہ ویران ہے اب تو
ہاں کبھی بے درودیوار یہ گھر بھی سجتا تھا
ٹوٹی منڈیروں پہ اک دیا بھی جلتا تھا
نرم گھاس کے بستر پر لیٹی
کھلے آسمان کو دیکھتی
نازک کومل سی لڑکی
کہکشاں سے کرنیں چنتی تھی
کسی کے آنے کے خواب بنتی تھی
دیئے کی گھٹتی بڑھتی لو سے
سمٹتا سکڑتا تھا دل اس کا
کسے جتتے لمحے کی آس میں تھی
خود تراشے ہوئے بن باس میں تھی
ماہ و سال گزرتے جاتے تھے زندگانی میں
نشان کے بے لمس ہونٹوں نے
اسم وہ دیا ہے کہ
رات کی کالی آنکھوں سے
ہجر کا اندھیرا نہیں چھٹتا
گھنی پلکوں کے سائے میں
کوئی خواب نہیں بکتا
مدتیں گزریں کہ ان منڈیروں پر
دیا اب نہیں جلتا

محمد سعید نوتی: کی ڈائری سے ایک غزل

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں، اب ہجر کی کوئی رات نہیں
مشکل ہیں اگر حالات وہاں دل بیچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو کوچہ جاناں میں کیا، ایسے بھی حالات نہیں
جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں
میدان وفا دربار نہیں، یہاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق سوکتی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

آنسہ حمید: کی ڈائری سے کی نظم

"عہد و پیماں"

تم نے کہا تھا
مجھ سے بچھڑ کے مر جاؤ گے
اور میں بھی سوچا کرتی تھی
تم نہ ملے تو جی نہ سکوں گی
دیکھو، ہم کو بچھڑے کتنی صدیاں بیتیں
لیکن ہم تو مر نہیں پائے
دیکھو، ہم دونوں زندہ ہیں
یا شاید
ہم دونوں جھوٹے تھے

رابعہ خضر: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

"محبت کچھ نہیں دیتی"

محبت کچھ نہیں دیتی روایت کے اسیر کو
سوائے خاموشی کے جو رگوں میں بہتی ہے
سوائے ایک ویرانی
جو دل پہ چھائی رہتی ہے
سوائے درد رسوائی
جو چاروں سمت ہوتی ہے

سوائے ایک اذیت جو ساری عمر رہتی ہے
ہم اپنا سر اٹھا کے چل نہیں سکتے
گناہ کرتے نہیں پھر بھی گناہ گاروں میں شامل
ہیں
روایت کے اسیروں کو محبت کچھ نہیں دیتی
محبت کچھ نہیں دیتی

رضا فاطمہ: کی ڈائری سے ایک نظم

"جدائی"

ہم ملے تو
برسوں جدائی ملی
قسمت نے ہمیں پھر سے ملایا
تو سدا جدائی ملی
چلو آج مل کر مسکرائیں
اور کہیں
کہ ہم نے اک خوبصورت سا
سپنا دیکھا
صرف اک سپنا دیکھا

صائمہ خضر: کی ڈائری سے ایک نظم

ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
اس جھیل کنارے پل دو پل
اک خواب کا نیلا پھول کھلے
وہ پھول بہاریں لہروں میں
اک روز ہم بھی شام ڈھلے
اس پھول کے بہتے رنگوں میں
جس وقت ترنا چاہو چلے
اس وقت کہیں ان آنکھوں میں
اس برسے پل کی یاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
پھر چاہے عمر سمندر کی
ہر موج پریشان ہو جائے
پھر چاہے آنکھ دریچے سے
ہر خواب گریزاں ہو جائے
پھر چاہے پھول سے چہرے کا
ہر درد نمایاں ہو جائے
وہ روپ نگر ایجاد تو ہو
وہ عکس کبھی آزاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو

تحسین اختر: کی ڈائری سے

"بددعا"

وہ اتنا سنگ دل نہیں ہے
کہ میرے بہتے آنسو
میری بھیک مانگتی نگاہیں
اس کے لمس کو میری ترستی بانہیں
اس کی طرف میرے بڑھتے قدم
میرے لفظوں کی صورت
ڈھل کر
بولتے ہوئے جذبے
سمجھ نہ پاتا
وہ اتنا انجان نہیں ہے
کہ میری مانگ کا سونا پن
اس کو نظر نہیں آتا
یا شاید
وہ کسی بددعا کے زیر اثر ہے

فرح امین راؤ: کی ڈائری سے ایک نظم

اے باد صبا
اس کے شہر جائے تو
میرے دل کا چپکے سے
اس دل کے شبستانوں میں اتار دینا
میری آنکھوں کے ٹوٹے خواب
اس کی آنکھوں کو بخش دینا

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

ڈیپ فرائی مچھلی

اشیاء

مچھلی	ایک کلو (کانٹے کے بغیر)
انڈے	تین عدد
میدہ	ایک کپ
لیموں	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
رائی	آدھا چمچہ چائے کا
لال مرچ	ایک چمچہ چائے کا
پیاز	ایک عدد
کارن فلور	دو بڑے چمچ
تیل	ایک کپ

ترکیب

انڈوں کو خوب پھینٹ کر اس میں لیموں کا رس نچوڑ لیں اور پھر نمک، لال مرچ اور رائی کا پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح حل کریں۔ پیاز کاٹ کر پیس لیں، اسے بھی انڈے کے آمیزے میں شامل کر لیں۔ اب اس میں کارن فلور کے علاوہ میدہ ڈال کر اچھی طرح ملائیں، مچھلی کے ٹکڑوں کو اس آمیزے میں شامل کر کے تین گھنٹے کے لئے رکھ دیں، جس کے بعد فرائی پین میں تل لیں۔ مزیدار ڈیپ فرائی مچھلی تیار ہے۔

ہاٹ کریمی سلاد

اشیاء

چکن کٹی ہوئی	چوکور چھوٹے ٹکڑوں میں
کریم	دو کپ
مایونیز	چار کپ
مشروم	ایک کپ
دھنیا	ایک گٹھی
آلو کے چپس	ایک کپ (کچلے ہوئے)
پنیر	کدوکش کی ہوئی

ترکیب

دس عدد انڈوں کی زردی اچھی طرح سے پھینٹ لیں۔ اس میں دو کھانے کے چمچ فرنچ مسٹرڈ اور سرکہ ایک کھانے کا چمچہ ملا دیں۔ تھوڑا کھانے کا تیل شامل کریں اور چمچے سے پھینٹتی رہیں۔ مایونیز تیار ہے۔

ایک دیگچی میں کھانے کا ایک چمچہ تیل ڈالیں، ہلکی آنچ میں دو منٹ پکائیں۔ چولہے سے اتار کر اس میں ایک عدد مرغی کی یخنی ملا دیں اور اس وقت تک پکائیں جب تک گاڑھا نہ ہو جائے۔ اب چولہے سے اتار کر اس میں تازہ کریم دو کپ ڈال دیں۔ کریم آف چکن سوپ تیار ہے۔ اب ایک پیالے میں مرغی کے ٹکڑے کریم آف چکن سوپ، مایونیز، مشروم اور باریک کٹا ہوا دھنیا سب ملا کر یک جان کر دیں۔ ایک بیکنگ ڈش لے کر اس میں آمیزہ پھیلا دیں اوپر سے پنیر چھڑک دیں۔ بیس منٹ تک تیز گرم اوون میں بیک کریں۔ ہاٹ کریمی سلاد کی منفرد ڈش تیار ہے۔

پیپر چکن

اشیاء

مرغی	ایک عدد
ادرک	تین انچ ٹکڑا
ہری مرچ	دس عدد
نمک	ڈیڑھ چمچ چائے کا
کالی مرچ	ایک چمچہ چائے کا
چینی	ایک چمچہ کھانے کا
لیموں کا رس	تین چمچے چائے کے
سویا سوس	تین چمچے کھانے کے
تیل	تین چمچے کھانے کے

ترکیب

مرغی کے درمیانی ٹکڑے کروا کے ایک چمچ نمک لگا کر کچھ دیر کے لئے رکھ دیں، اب انہیں تل لیں۔ ادرک کو باریک پیس لیں۔ اسے بھی تل لیں اس میں مرغی کے ٹکڑے شامل کریں۔ ہری مرچیں باریک کتری ہوئی لیموں کا رس نمک، سیاہ مرچ، چینی اور سویا سوس ڈال کر اچھی طرح بھونیں اور پھر ایک کپ پانی ڈالیں، تین منٹ کے لئے دم پر رکھ دیں۔ آپ کی مزیدار پیپر چکن تیار ہے۔ سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

زعفرانی شامی کباب

اشیاء

قیمہ	آدھا کلوگرام
ادرک	آدھا انچ کا ٹکڑا
پیاز	ایک عدد
دہی	ایک چوتھائی پیالی
انڈا	ایک عدد
سرکہ	چائے کے دو چمچے
کالی مرچ	چھ عدد
نمک	چائے کا ایک چمچہ
گھی	حسب ضرورت
زعفران	چائے کا آدھا چمچہ

ترکیب

پیاز کے لچھے باریک کاٹ لیں، پھر ایک پتیلی میں گھی کڑکڑائیں اور پیاز کے لچھوں کو بادامی رنگت میں تل کر پتیلی سے نکال لیں۔ ادرک اور کالی مرچوں کو سل پر باریک پیس لیں اور ان میں ملا سرکہ اور نمک شامل کر دیں، پھر اس آمیزے کو قیمے میں ملا دیں۔ اب یہ تمام اشیاء گھی والی پتیلی میں ڈیڑھ پیالی پانی کے ساتھ ڈال دیں۔ پتیلی چولہے پر رکھ دیں اور چولہے کی آنچ درمیانی رکھیں تاکہ قیمہ گلنے کے ساتھ ساتھ اس کا پانی بھی خشک ہو جائے۔ جب قیمہ کا پانی بالکل خشک ہو جائے تو قیمہ کو زعفران اور تلی ہوئی پیاز کے ساتھ سل پر باریک پیس لیں اور اس میں اچھی طرح دہی ملانے کے بعد کبابوں کی ٹکیاں بنا کر رکھ لیں۔ اب انڈا پھینٹ لیں اور اس میں یہ ٹکیاں ڈبو ڈبو کر ہلکی آنچ پر گہری سرخ رنگت میں تل لیں۔ یہ بہت ہی عمدہ زعفرانی شامی کباب بنیں گے۔

آلو بخارے کی چٹنی

اشیاء

آلو بخارے	ایک پاؤ
چینی	حسب ذائقہ
سفید تل	نصف چمچہ کھانے کا
سرخ رنگ	حسب منشا
پانی	ایک پیالی
لیموں کا رس	ایک چمچہ کھانے کا

ترکیب

آلو بخارے دھو کر ایک پیالی گرم پانی میں بھگو دیں۔ جب نرم ہو جائیں تھوڑے سے آلو بخارے والے پانی میں چینی ڈال کر خوب پکائیں۔ آخر میں رنگ، سفید تل اور لیموں ڈالیں اور بوتل میں بھر کر محفوظ کر لیں۔ آلو بخارے کی چٹ پٹی چٹنی تیار ہے۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

وقت کے تیز بہاؤ میں حالات کا منظر نامہ بھی تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے اور اپنے ساتھ ہر شے کو بہائے لئے جا رہا ہے، میڈیا کی ترقی اور آزادی سے جہاں ابلاغ کے ذریعے بڑھے ہیں وہاں جو نیا رجحان سامنے آیا ہے، وہ بہت عجیب و غریب ہے، فکر و شعور کی ترقی کی بجائے ذہنوں کو الجھایا جا رہا ہے، تفریح کے نام پہ مورننگ شوز میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ نہ صرف ہمارے معاشرے اور مذہب سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا بلکہ تہذیب و شائستگی سے بھی کوسوں دور ہے اور ذہن اور ذوق کی سطح کو پست کر رہا ہے، ایسے میں خواتین کا کردار بہت اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔

انسانی تہذیب نے آج تک جتنی ترقی کی ہے اس میں عورت کا بڑا ہاتھ ہے، وہ اپنا تہذیبی ورثہ، اعلا انسانی اقدار آنے والی نسلوں کو منتقل کرتی رہتی ہے، ایک ماں ایک خاندان کی بنیاد ہوتی ہے اور اچھے خاندانوں سے ہی اچھے معاشرے تشکیل پاتے ہیں، اگر ہم اپنے اندر مثبت سوچ، صالح طرز فکر، روا داری اور اعلا اخلاقیات پیدا کریں گے تو آنے والی نسلوں کو یہ ورثہ منتقل کر سکیں گے جو یقیناً ایک روشن مستقبل کی بنیاد ہوگا۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔

آیئے آپ کی خطوط کی محفل میں چلتے ہیں اور حسب عادت درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کے ورد کو ورد زبان کرتے ہیں یہ پہلا خط ہمیں منحہٰ رمشاہنی کا فیصل آباد سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

سال نو کا سالگرہ نمبر زبردست رہا میرا سروے شامل کرنے کا شکریہ، درثمن آپی کا سروے پسند آیا، آپی آپ کی دو کیوٹ سی بیٹیاں بھی ہیں واؤ، ریحہ گل کے جوابات بھی پسند آئے، آپی آپ نے اس شمارے میں لکھا ہے کہ مجھ میں لکھنے کی صلاحیت ہے تو پھر بس میری تحریریں شائع کر کے مجھے موقع دیں۔

حصہ اسلامیات سے ایمان تازہ کیا اور پھر موسٹ فیورٹ رائٹر ام مریم کے سلسلے وار ناول ''دل گزیدہ'' کی جانب چھلانگ لگائی، اویس اپنی حد سے بڑھتا رہا ہے عمر اور حجاب کو حمران کو اعتماد میں لے کر ساری صورتحال سے آگاہ کرنا چاہیے، حمران اور قدر کے بیچ کی دوریوں کو اب ختم ہو جانا چاہیے لیکن یہ پڑھ کر سر پہ بلاسٹ ہو گیا کہ روشنی حمران کی ماں ہے۔

''تم میرے پاس رہو'' زوریز اور ماہین کی اسٹوری کافی اچھا جا رہی ہے، کریشے بالآخر انزک آفاق کے گھر آ ہی گئی، مجھے لگتا ہے ماہین شاہ ویز اور انوش کی شادی انوش کے نہ چاہنے کے باوجود کروا دے گی، واؤ بہت مزا آئے گا، آپی پلیز شاہ ویز اور انوش کی اسٹوری زیادہ لکھا کریں۔

''شہر دل کا راستہ'' میں موحد اس قدر سنگ دل کیوں ہو رہا ہے، خیر جب اسے حریم اور نہال کی شادی کا پتہ چلے گا تو خود ہی سدھر جائے گا، مشائم نے غلط قدم اٹھایا، آپی زندگی بہت خوبصورت عطیہ ہے اللہ تعالیٰ کا، پلیز کہانیوں میں ایسے اقدام مت دکھایا کریں، اب مریم کو بے راہ روی سے بچا لیجئے گا۔

''پربت کے اس پار کہیں'' میرا گیس بالکل ٹھیک نکلا، امام جہاندار کا بھتیجا ہی ہے، شکر ہے کہ ناول اختتام کی جانب گامزن ہے۔

''مئی رقصم'' بشریٰ سیال آپی یہ کیا؟ کیا آپ نے؟ کہانی پندرہ سال آگے چلی گئی اور فارقلیط کو اتنا برا کیوں دکھایا جا رہا ہے آخر، آپی فارقلیط تو ایک آئیڈیل مرد تھا، جس نے عروبہ کے تمام دکھوں کو ختم کر دیا تھا پھر اب اسے دکھ کیوں دے رہا ہے؟ ماہ وش جس بہر سے محبت کرنے لگی ہے، وہ عیسیٰ احمد ہے، بٹ آپی یہ آج کل کی نسل کو بگاڑنے والی بات ہے، جو آدمی کل تک عروبہ سے محبت کرتا تھا، وہ آج اس ہی کی بیٹی کے ساتھ شادی کرے گا (ہاؤ اسٹرینج) زین اور نویلہ کی شادی ہونے پہ خوشی ہوئی، لیکن پلیز آپی عیسیٰ احمد کا کردار ختم کر دیں اور مصعب اور ماہ وش کا کپل بنائیں۔

خدیجہ الحق کا مکمل ناول ''یقین کامل'' حقیقی معاشرتی ناول تھا، آج کل حسد، نفرت اور تعصب اس قدر بڑھ چکا ہے کہ لوگ ایک دوسرے پہ کالا جادو کرواتے ہیں حالانکہ جادو کرنے والا اسلام سے خارج ہے، میرے خیال میں تو زرفشاں کو شمیم بیگم کو معاف نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کیے کی سزا دے رہا تھا۔

''محبت ہار ہوتی ہے'' ندا علی عباس کا ناولٹ بے حد پسند آیا، ازمیر اور حرم کا کپل بے حد اچھا لگا، بہت اچھا لکھا ندا علی عباس نے ویلڈن ندا، حمیرا نوشین کا افسانہ ''ہائے وہ میرے خواب'' پڑھ کر مزہ آیا، ستارہ کے خواب پورے ہونے چاہیے تھے، شاہ کنول کا افسانہ ''ہیپی نیو ائیر'' ملکی حالات کو لے کر کافی اچھا تھا، بقیہ تینوں افسانے ''نئے راستے، وہ ہم سفر تھا'' اور ''سال نو کی نوید'' بھی بیسٹ رہے۔

منحہٰ رمشاہنی خوش رہو جنوری کے شمارے کے لئے آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا، آپ کی تعریف و تنقید ان سطور کے ذریعے بشریٰ سیال تک پہنچائی جا رہی ہے آپ کی تحریریں ابھی تک نہیں دیکھی گئیں انشاء اللہ اگر قابل اشاعت ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گیں، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

خوشی سرانوالی: سیالکوٹ تشریف لائیں ہیں وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

پندرہ سال حنا کی رفاقت میں گزارے لیکن آج پہلی مرتبہ قلم اٹھانے کی بھی جسارت کر ڈالی کیونکہ امید واثق ہے کہ حنا کی محفل میں حسب روایت ہمیں بھی خوش آمدید کہیں گی۔

سب سے پہلے بات ہو جائے فیورٹ رائٹر کے فیورٹ ناول ''دل گزیدہ'' کی جس میں اویس کو خلوت و جلوت ہر دو طرح سے کچھ زیادہ ڈھیل نہیں دی گئی کہیں ایسا بھی ہوتا ہے؟

نایاب کا ''پربت کے اس پار کہیں'' بس اتنا ہی کہنا ہے فنٹاسٹک، عروفہ اور ولید اور عروفہ کی ''خاطر'' اگر ان کے شایان شان نہ ہوئی تو مزا نہیں آنا۔

''می رقصم'' میں فارقلیط حسن میں تبدیلی کی وجہ سمجھ نہ آپائی، تیسرا سلسلہ وار ناول ''تم میرے پاس رہو'' بہت زبردست جا رہا ہے، بس زوریز کو نہ ماریئے گا، اسے بھی خوش باش رہنے کا کچھ وقت ملنا چاہیے۔

حمیرا نوشین نے لکھا مگر کچھ رنگ نہ جم پایا، ''نئے راستے'' سویرا فلک کی اچھی کاوش رہی، خدیجہ اسحق کا ''یقین کامل'' موجودہ دور کی گھر گھر کی کہانی بازی لے گیا، ویلڈن خدیجہ جی۔

لیکن ایک شکایت بھی نوٹ فرمالیں حنا میں اکثر پیج دوبار اور اکثر پیج ڈبل ہونے کی بناء پر دوسری کہانی مس ہو جاتی ہے، آپ نے کہے دینا ہے کہ رسالہ چینج کروالیا کریں بھئی اتنی دور سے میرے میاں لے کر آتے ہیں مجھے تو گھر آ کر پتا چلتا ہے پھر واپس تھوڑی نہ کیا جا سکتا ہے۔

خوشی پندرہ سال لگ گئے آپ کو اس محفل میں آتے آتے، ہم آپ کو اس محفل میں دل و جان سے خوش آمدید کہتے ہیں، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، بائینڈنگ کی غلطی سے کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے، کوشش کریں گے آئندہ آپ کو شکایت نہ ملے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

اقراء ممتاز: سرگودھا سے تشریف لائی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

پہلی دفعہ حنا میں شرکت کر رہی ہوں، پلیز فوزیہ آپی یہ بتا دیجئے کہ حنا رسالہ مارکیٹ میں کب تک آجاتا ہے اور خط آپ تک پہنچے کی لاسٹ ڈیٹ کیا ہے۔

بات ہو جائے اس ماہ کے شمارے کی، ٹائٹل گرل بہت خوبصورت لگ رہی تھی ''تم میرے پاس رہو'' فنٹاسٹک سٹوری ہے، انزک اور پریشے کو جدا مت کیجئے گا، ان دونوں کی جوڑی بیسٹ ہے، دیکھ لینا میسر نے ماں کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہی شادی کر لینی ہے، آخر کار ماہین بیس سالوں بعد اپنوں سے مل ہی گئی، شاویز نے انوش کے ساتھ بہت غلط کیا ہے۔

''یقین کامل'' رونگٹے کھڑے کر دینے والی اسٹوری، کیا کوئی اس حد تک بھی کر سکتا ہے، شمیم یہ سب کرواتے تم یہ بھول گئی تھی کہ ایک عدد تمہاری بھی بیٹی ہے، اگر اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہو جاتا تو پھر تمہارا کیا بنتا؟ کیا کوئی انسان دوسرے انسان سے اتنا بھی نفرت کر سکتا ہے، آفرین ہے، کہانی ٹاپ لسٹ پر رہی۔

''محبت ہار ہوتی ہے'' حرم اور راز میر کی نوک جھوک سے خاص لطف اندوز ہوئے، ازمیر تم حرم کے لئے اتنے جنونی تھے، یا تمہارے ساتھ تو ایسا ہی ہونا چاہیے تھے، جو مشکل وقت میں ازمیر کا ساتھ نہ دے سکی اس سے آگے کے لئے کیا اور امید ہو سکتی تھی، سٹوری بہت بہت سپر ہٹ تھی۔

افسانہ ''وہ ہم سفر تھا'' اچھی سٹوری تھی، ''نئے راستے'' کمال افسانہ تھا، اگر زندگی میں کوئی اچھا دوست یا گائیڈ کرنے والا مل جائے تو زندگی اسی طرح خوبصورت ہو جاتی ہے، سبق آموز کہانی تھی، پورے کا پورا حنا تعریف کے قابل ہے۔

اقراء ممتاز اس محفل میں خوش آمدید ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حنا کی تحریریں آپ کے ذوق پر پوری اترتی ہیں، حنا مارکیٹ میں پانچ تاریخ تک آجاتا ہے سرگودھا میں یہ آپ کو پاکستانی نیوز ایجنسی سے آسانی سے دستیاب ہوگا اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہے گا شکریہ۔

تبسم بشیر: ڈنگہ سے لکھتی ہیں۔

آپ سب کو نیا سال مبارک ہو، دسمبر کا شمارہ سال 2018ء کا بہترین شمارہ تھا چاہ کر بھی خط نہ لکھ پائی، خط نہیں لکھا تھا سو مزہ بھی نہیں آیا

اس لئے جنوری 2019ء کا شمارہ چھپتے ہی ہاتھ میں آیا فوراً طے کر دیا خط لکھنا ہے بلکہ ہر ماہ لکھنا ہے (لکھ سکتی ہوں نا؟) ٹائٹل دیکھ کر منہ سے بے اختیار واؤ نکلا، بس اب ہر ماہ ایسے ہی پیارے پیارے ٹائٹل دیجئے گا، اس کے بعد سردار طاہر محمود انکل کی ''کچھ باتیں ہماریاں'' پڑھی انکل سرکار سے پریشان نظر آئے، سب ہی پریشان ہیں۔

''حمد و نعت ہمیشہ کی طرح ذہن و قلب کو روشنی بخشتے محسوس ہوئے ''پیارے نبی کی پیاری باتیں'' میٹھی میٹھی رہی، ''انشاء نامہ'' میں جنوری کی سرد راتیں زبردست رہی۔

''سال نو سروے'' قارئین کے ساتھ ساتھ مصنفین کی آمد نے محفل کو چار چاند لگا دیئے، سباس گل نے ناول کا ذکر کر کے بے چین کر دیا جلدی سے اب پڑھنے کو مل جائے، مکمل ناول ''یقین کامل'' از خدیجہ اسحق نئی مصنفہ ہیں مگر زبردست لکھتی ہیں، ''محبت ہار ہوتی ہے'' ندا علی عباس ونڈر فل یار، کیپ اٹ اپ، سال نو کے حوالے سے سب رائٹرز کی تحریریں پسند آئیں۔

''ثناء کنول'' بھئی تم میری ایک بات کان کھول کر سن لو تم نے میری خاطر ایک رومانٹک ناول لکھنا ہے ''پیار سے کہہ رہی ہوں منع مت کرنا'' ام مریم، نایاب جیلانی، بشریٰ سیال، تحسین اختر نے بھی ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی اچھی اقساط لکھی، رمشا کا تبصرہ لاجواب تھا، ڈیئر فوزیہ آپ اگر آپ میری کہانیاں پڑھ لی ہیں پلیز ان کا جواب دیں۔

تبسم بشیر جنوری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تحریریں متعلقہ شعبہ کو بھیج دیں ہیں اطمینان رکھیے، آپ کی تحریریں اگر قابل اشاعت ہوئیں تو انشاءاللہ ضرور شائع کریں گی اپنی رائے سے نوازتی رہیے گا شکریہ۔

ماہا بشیر: ڈنگہ سے لکھتی ہیں۔

آپ کو شاید ہی آپ کی یہ قاری یاد ہو؟ کیونکہ میں نے صرف ایک بار ہی حنا میں خط لکھا تھا وہ بھی صرف جون 2017ء میں، اس کے بعد مصروفیات کی وجہ سے نہ لکھ سکی، ہاں ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھتی ضرور رہی حنا کو، جنوری 2019ء کا ٹائٹل بے حد پسند آیا۔

''کچھ باتیں ہماریاں'' لفظ لفظ سچ، حمد اور نعت بھی خوب رہی، پیاری باتیں بہت عمدہ خوبصورت، انشاء جی کی شاعری، دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا پلیز انشاء نامے میں ان کی شاعری ہی

''سانحہ ارتحال''

ہماری مصنفہ فصیحہ آصف کے بہنوئی اظہر محمود گزشتہ ماہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

اناللہ وانا علیہ راجعون

ادارہ حنا غم کی اس گھڑی میں فصیحہ آصف اور ان کے گھر والوں کے ساتھ ہے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔



دیا کریں، سروے میں سب کے جوابات بس ٹھیک ٹھاک تھے، ام مریم، نایاب جیلانی، خدیجہ انحق، درثمن، تحسین اختر، بشریٰ سیال، ندا عباس، عائشہ رانا، حمیرا نوشین، ثناء کنول، رمشاء احمد، سویرا فلک سب نے اچھا لکھا، سال 2019ء کا پہلا شمارہ پسند آیا، سندس جبیں کو کہیں سے پکڑ کر لے ہی آئیں آپ بہت آرام کرلیا انہوں نے۔

ماہا بشیر آپ ہمیں بہت اچھی طرح یاد ہیں، جنوری کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

سمعا ور النعم بھٹی: ڈیرہ غازی خان سے تشریف لائی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

فوزیہ آپی! ماہنامہ حنا کی سالگرہ تھی تو سوچا مبارک باد پیش کردوں، ماہنامہ حنا کے لئے ہمیشہ کی طرح ڈھیروں دعائیں، حنا نے اتنے ڈھیر سارے پرچوں میں اپنا الگ منفرد مقام بنایا ہوا ہے، سالگرہ نمبر غیر متوقع طور پر پانچ کو ہی مل گیا، شادیوں کے سیزن کے حوالے سے سرورق دلہن سے سجا تھا، اچھا لگا، فہرست پر نظر دوڑائی، ایک ٹھنڈی سانس بھرتی ''کس قیامت کے یہ نامے'' پر جا پہنچی، آپ کی باتیں اور خطوط بہترین تھے، سحر تبسم سحری اور رائحہ خوشبو کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید، سحر تو سروے میں بھی چھائی رہیں ویلڈن۔

''کچھ باتیں ہماریاں'' انکل حکومت سے نالاں نظر آئے، شاید مایوس بھی، حمد و نعت کے کیا کہنے بھئی، پیاری باتیں کے لئے کیا کہوں، اے ون گریٹ۔

11 جنوری کو انشاء جی کی برسی لازمی یاد رکھنی ہے اور صرف یاد نہیں رکھنی بلکہ ڈھیروں دعائیں لازم ہیں، بلکہ واجب ہیں کہ انہوں نے ہمارے لئے بہترین ادب تخلیق کیا ہے، وہ ہمیشہ ہماری دعاؤں میں رہے ہیں، اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے آمین۔

مکمل ناول ''تم میرے پاس رہو'' درثمن بلال کا بہترین تھا، ویسے اس دفعہ سلسلے وار کہانیاں کافی تیزی سے آگے بڑھیں تھیں ورنہ پچھلے کچھ عرصہ سے ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھیں۔

''می رقصم'' اور ''شہر دل کے راستے'' بھرپور تھے، ایک طرف عروبہ کی عیسیٰ سے ملاقات تو دوسری طرف مشائم کی موت چونکا گئی، افسانے پانچ میں سے چار بہترین تھے، رمشا احمد، ثناء کنول، سویرا فلک اور حمیرا نوشین کے افسانے پسند آئے، رمشا کے افسانے کا ہیرو اعصام اداس و غمگین تھا، چند لمحوں تک ہمیں بھی اعصام کی اداسی نے اپنی گرفت میں لے لیا، نایاب جیلانی کا ''پربت کے اس پار کہیں'' مختصر ہونے کے باوجود چھایا رہا، آخر میں اس دفعہ ام مریم کو پڑھا ''دل گزیدہ'' بھی اچھا تھا، دیکھیں اب حمدان صاحب کیا کرتے ہیں؟

باقی مستقل سلسلے ٹھیک تھے۔

فوزیہ آپی پچھلے سال حنا میں افسانہ شائع ہوا خوشی ہوئی دعا کریں کہ اس سال بھی مزید کامیابیاں نصیب ہوں آمین، ویسے اس بھی کافی توقعات ہیں، یقیناً آپ کا پیار آپ کی محبت ہمارے ساتھ رہے گی، انشاء اللہ تعالیٰ اور ہاں آپی لگے ہاتھوں ''زرد موسم'' کے بارے میں بھی بتادیں، شدت سے انتظار ہے۔

سماوا انعم بھٹی جنوری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، اس سال آپ کی تحریریں ضرور شامل ہوں گی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

☆☆☆